ماہنامہ
حنا
مئی 2014
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
WWW.PAKSOCIETY.COM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انشاء نامہ

انٹرویو

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس۔
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! مئی 2014ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

گزشتہ کافی عرصہ سے حکومت پولیو کے خاتمے کے لئے مہم چلا رہی ہے، جس کی وجہ سے کچھ عرصہ قبل پاکستان پولیو کے وائرس سے تقریباً پاک ہو چکا تھا، مگر اب یہ مرض پھر سر اٹھانے لگا ہے۔ جس کی وجہ بچوں کو پولیو کے قطرے پلانے سے انکار اور پولیو ورکرز پر حملے ہیں۔ بعض والدین اس غلط پراپیگنڈے کا شکار ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کو نسلی طور پر ناکارہ بنانے کے لئے ایک سازش کے تحت یہ قطرے پلائے جا رہے ہیں۔ اس موضوع پر سعودی عرب میں ایک کانفرنس بھی ہوئی تھی۔ جس میں چوٹی کے علماء نے شرکت کی تھی، سب نے تمام گمراہ کن نظریات کی تردید کرتے ہوئے پولیو کے قطرے پلانے کو جائز اور درست قرار دیا تھا۔ مگر ان قطروں کے مخالفوں کی سوچ نہ بدل سکی۔ اب عالمی سطح پر یہ پراپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ پاکستان کی وجہ سے پولیو وائرس دوسرے ممالک کو برآمد ہونے کا خطرہ ہے۔ خدشہ ہے کہ کہیں دوسرے ممالک اس بنا پر پاکستانیوں کی اپنے ہاں آمد پر پابندی نہ لگا دیں، اگر ایسا ہوا تو یہ پاکستان کی معیشت اور بیرونی ساکھ دونوں کے لئے خطرناک ہوگا۔ ہم دہشت گردی کی وجہ سے پہلے ہی بدنام ہیں اور پولیو وائرس پر قابو پانے میں ناکامی ہمیں دنیا بھر کے لئے اچھوت بنا دے گی۔ ملک کی عزت، وقار اور آئندہ نسلوں کو اپاہج ہونے سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ پولیو کے خاتمے کے لئے موثر اقدامات کیے جائیں اور قانون سازی کے ذریعے پولیو قطرے پلانے سے انکار کرنے والے والدین اور پولیو ورکرز پر حملے کرنے والوں کو بھاری جرمانوں اور قید کی سزا کے ذریعے انسداد پولیو مہم کو کامیاب بنایا جائے۔

دعائے مغفرت:۔ دنیا انسان کی عارضی قیام گاہ ہے۔ جو یہاں آتا ہے اسے ایک مخصوص مدت گزار کر جانا ہی ہوتا ہے۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے، لیکن کچھ لوگ زندگی اس طرح گزارتے ہیں کہ ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ان کی زندگی کا اختتام نہیں ہوتا، میرے چھوٹے بھائی محمود ریاض کا شمار بھی ان ہی شخصیات میں ہوتا ہے، آج وہ ہمارے درمیان نہیں مگر ہماری یادوں میں وہ آج بھی زندہ ہے، دس مئی کو محمود ریاض کی برسی ہے، قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ان کے لئے دعائے مغفرت کریں اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین)۔

اس شمارے میں:۔ ایک دن حنا کے ساتھ میں ثمینہ بٹ اپنے شب و روز کے ساتھ، رمشا احمد، سباس گل اور فرحت عمران کے مکمل ناول، سندس جبیں اور تحسین اختر کے ناولٹ، عزہ خالد، کنول ریاض، حمیرا خان، حنا اصغر، عمارہ امداد اور حیا بخاری کے افسانے، اُم مریم کا سلسلے وار ناول اور حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر

سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

شام شہروں میں شمعیں جلا دیتا ہے تو
یاد آ کر اس نگر میں حوصلہ دیتا ہے تو

آرزو دیتا ہے دل کو موت کی وقت دعا
میری ساری خواہشوں کا یہ صلہ دیتا ہے تو

حد سے بڑھ کر سبز ہو جاتا ہے جب رنگ زمیں
خاک میں اس نقش رنگیں کو ملا دیتا ہے تو

تیز کرتا ہے سفر میں موج غم کو یورشیں
بجھتے جاتے شعلہ دل کو ہوا دیتا ہے تو

دیر تک رکھتا ہے تو ارض و سما کو منتظر
پھر انہی ویرانوں میں گل کھلا دیتا ہے تو

اے منیر اس بات کے افلاک پر ہونا ترا
اک حقیقت کو فسانہ بنا دیتا ہے تو

منیر نیازی

نعت رسول مقبول ﷺ

دل کی دنیا میں ہے روشنی آپؐ سے
ہم نے پائی نئی زندگی آپؐ سے

کیوں نہ نازاں ہوں اپنے مقدر پہ ہم
ہم کو ایماں کی دولت ملی آپؐ سے

کل بھی معمور تھا آپؐ کے نور سے
ہے منور جہاں آج بھی آپؐ سے

دشمنوں پر بھی در رحمتوں کا کھلا
راہ و رسم محبت چلی آپؐ سے

دل کا غنچہ چٹکتا ہے صلی علی
اپنے گلشن میں ہے تازگی آپؐ سے

ختم ہے آپؐ پر شان پیغمبری
یہ روایت مکمل ہوئی آپؐ سے

◇◇◇ سید اختر ناز ◇◇◇

حقوق ہمسایہ

اسلامی معاشرت میں ہمسایہ کے حقوق پر جس قدر زور دیا گیا ہے اس کا اندازہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت سے بخوبی ہو جاتا ہے جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے ہمسائے (کے حقوق) کے بارے میں (اس قدر) برابر وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ خیال ہوا کہ وہ اسے (ترکے کا) وارث بھی بنا دیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں جس قدر قرب ہمسائے کو ہوتا ہے اگر اس کو اس قدر حقوق نہ دیے جاتے تو معاشرے میں واضح انتشار پیدا ہو جاتا، ذرا تصور کریں اگر ہمسایہ بدباطن ہو، دشمن ہو، لڑائی جھگڑے پر ہر وقت مصر ہو، دوسروں کے مال، آرام اور سکون کا دشمن ہو تو بھلا ایسے ماحول میں گزر بسر کرنا ممکن ہو سکتا ہے؟ بالکل نہیں، ایسا ماحول تو جہنم کدہ ہی ہو سکتا ہے، اسلام جس معاشرت کا داعی ہے، اس میں ہمسایہ دشمن نہیں ہوگا جان و مال کا دشمن نہیں بلکہ صحیح معنوں میں محافظ ہوگا، امیر و غریب کی تفریق نہیں ہوگی بلکہ سب بہن بھائی ہوں گے، اس کی شہادت قرآن و حدیث کے ان احکامات سے ہوتی ہے۔

خدا اور آخرت پر ایمان

حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے دونوں کانوں نے (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا) یہ فرمان سنا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے تو میری دونوں آنکھیں انہیں دیکھ رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان کرے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو کوئی خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اچھی بات بولے یا پھر خاموش رہے۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ہمسائے کی خبر گیری

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”اے ابو ذر! جب تو شوربا پکائے تو اس میں پانی زیادہ رکھ اور اپنے ہمسائے کی خبر گیری کر۔“ (یعنی انہیں سالن میں سے تحفہ بھیج) (صحیح مسلم)

تحفہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

”اے مسلمان عورتو! کوئی ہمسائی کسی ہمسائی

کے لئے (تحفے کو) حقیر نہ سمجھے چاہے (وہ تحفہ) بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔“ (صحیح بخاری)

قریبی ہمسایہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے دو ہمسائے ہیں تو میں ان میں سے کسے تحفہ بھیجوں، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب ہو۔“ (صحیح بخاری)

مومن نہیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”وہ شخص مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا ہوتا ہے۔“ (شعیب الایمان للبیہقی)

بہترین دوست

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ کے ہاں بہترین دوست وہ لوگ ہیں جو اپنے دوستوں کے لئے بہترین ہیں اور اللہ کے ہاں بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسایوں کے لئے بہترین ہے۔“ (ترمذی)

ہمسائے کا حق

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمسائے کا حق یہ ہے کہ:۔

☆ اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔
☆ اگر وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔
☆ اگر وہ تجھ سے قرض مانگے تو تو اسے (بشرط استطاعت) قرض دے۔
☆ اگر وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو تو اس کی پردہ پوشی کرے۔
☆ اگر اسے کوئی نعمت ملے تو تو اسے مبارکباد دے۔
☆ اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو تو اسے تسلی دلاسا دے۔
☆ تو اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کر کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے۔
☆ تو اپنی ہنڈیا کی مہک سے اسے اذیت نہ دے، الا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کچھ اسے بھی بھیج دے۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

یتیموں کے حقوق

وہ کمسن بچہ جو باپ کے سایہ رحمت و عافیت سے محروم ہو جائے اسے یتیم کہا جاتا ہے، اسلامی معاشرت میں ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اس یتیم بچے کو آغوش محبت میں لے لے، اسے پیار کرے، اس کی خدمت کرے، اس کو تعلیم دلائے، اس کی متروکہ مال و اسباب کی حفاظت کرے اور جب وہ عقل و شعور کو پہنچ جائے تو پوری دیانت داری سے اس کی امانت اسے پوری کی پوری واپس کر دی جائے، اس کی شادی اور خانہ آبادی کا اہتمام کیا جائے۔

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے۔

”اور بہتری کی غرض کے سوا یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ اپنی طاقت کی عمر کو پہنچ جائیں۔“ (انعام:19)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

''اور یہ کہ یتیموں کے لئے انصاف پر قائم رہو۔'' (النساء:19)

''یتیموں کے مال میں اسراف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔''

ارشاد خداوندی ہے۔

''اور اڑا کر اور جلدی کر کے ان کا مال نہ کھا جاؤ کہ کہیں یہ بڑے نہ ہو جائیں۔'' (النساء:1)

دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے۔

''اور جو (متولی) بے نیاز ہے اس کو چاہیے کہ بچتا رہے اور جو محتاج ہے تو منصفانہ طور پر دستور کے مطابق کھائے۔'' (النساء:1)

یتیم بچوں کے مال کو بد دیانتی اور اسراف سے خرچ کرنے کی جہاں تنبیہ کی گئی ہے وہاں یہ بھی ہدایت ہے کہ نابالغ یتیم بچوں کے سپرد ان کا مال نہ کرو، جب وہ سن رشد کو پہنچ جائیں تو پھر ان کی عقل کو دیکھ بھال کر ان کی امانت ان کے سپرد کریں، ارشاد خداوندی ہے۔

''اور بے وقوفوں کو اپنے مال جس کو خدا نے تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے نہ پکڑا دو اور ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہو اور یتیموں کو جانچتے رہو، جب وہ نکاح کی (طبعی) عمر کو پہنچیں تو ان میں سے اگر ہوشیار دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو۔'' (النساء:1)

یتیم کی عزت نہ کرنے والے اور اس کی بھوک پیاس کا احساس نہ کرنے والے کے بارے میں قرآن مجید کے اندر متعدد مقامات پر تنبیہ کی گئی ہے۔

سورۃ الماعون میں ارشاد خداوندی ہے۔

''کیا تو نے اس کو نہیں دیکھا جو انصاف کو جھٹلاتا ہے، سو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔''

سورۃ الفجر میں ارشاد خداوندی ہے۔

''نہیں یہ بات نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے پر آمادہ کرتے ہو اور مرے ہوئے لوگوں کا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور دنیا کے مال و دولت پر جی بھر کر ریجھے رہتے ہو۔'' (الفجر:1)

مکی دور نزول قرآن میں یتیموں کی پرورش اور بے کس و نادار پر رحم و کرم کی دعوت متعدد آیات قرآنی میں دی گئی ہے، دولت مندوں کو غریبوں کے ساتھ فیاضی کی تلقین کے سلسلہ میں فرمایا گیا کہ انسانی زندگی کی گھاٹی کو پار کرنا اصل کامیابی ہے، اس گھاٹی کو کیونکر پار کیا جا سکتا ہے، ظلم و ستم کے گرفتاروں کی گردنوں کا چھڑانا، بھوکوں کو کھانا کھلانا اور یتیموں کی خدمت کرنا،

سورۃ البلد میں ارشاد خداوندی ہے۔

''یہ بھوک والے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا۔''

سورۃ الدھر میں ارشاد ہوا۔

''اور اس کی محبت کے ساتھ کھانا کسی غریب اور یتیم کو کھلاتے ہیں۔''

سورۃ الضحٰی میں ارشاد فرمایا۔

''یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو۔''

''بنی اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔'' (البقرہ:82)

سورۃ البقرہ ہی میں ایک اور ارشاد خداوندی ہے۔

''پوچھتے ہیں یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، کہو جس طرز عمل میں ان کے لئے بھلائی ہو، وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔'' (البقرہ:22)

غرضیکہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کہ تعلیمات میں یتیموں کے حقوق کے بارے میں اللہ تعالٰی نے سخت احکامات دیے ہیں، ان احکامات کی روشنی میں ہم یتیموں کے حقوق کو بالاختصار مندرجہ ذیل نکات کی شکل میں بیان کر سکتے ہیں۔

(1) یتیم بچے کا احترام و اکرام اور پیار و محبت اپنے بچوں سے بھی بڑھ کر کیا جائے تا کہ اسے اپنے باپ کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہو۔

(2) یتیم بچے کی پرورش اسی طرح کی جائے جس طرح اپنے بچوں کی کرتے ہیں۔

(3) یتیم بچے کی تعلیم و تربیت کا پورا پورا اہتمام کیا جائے اور اس پر اٹھنے والے اخراجات اگر یتیم بچے کے اپنے والدین کے ترکہ سے ادا کیے جا رہے ہیں تو انہیں عدل کے ساتھ کیا جائے۔

(4) یتیم بچے کی جائیداد اور مال کی حفاظت اور اس کی سرمایہ کاری کا اسی طرح اہتمام کیا جائے جس طرح کوئی شخص اپنی جائیداد کا کرتا ہے، انصاف کے ساتھ اسے اپنی محنت کا حق لینے کا حق حاصل ہے۔

(5) یتیم بچے کے مال کی اس وقت تک حفاظت کی جانی چاہیے جب تک بچہ سن بلوغت کو پہنچ کر اس جائیداد کو سنبھالنے کے لئے ضروری علمی و عقلی استعداد و کمال کا مالک نہ بن جائے۔

(6) خوش کلامی و خوش اخلاقی کے ساتھ یتیم کی مالی کفالت اور حاجت روائی معاشرے کے سارے افراد پر واجب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جا رہی ہو اور سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے۔'' (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(7) یتامٰی کے ساتھ معاشرتی عدل و احسان کا حکم ہے اور یہ سلسلہ ترحم اس وقت تک جاری رہنا چاہیے جب تک کہ ان کو رشتہ ازدواج میں منسلک نہ کر دیا جائے، یتیم بچی کے ساتھ شادی کرنے اور اسے دبائے رکھنے کے ارادوں کو اسلام ناپسند کرتا ہے، اسلام کا حکم یہ ہے کہ یتیم بچی کے ساتھ انصاف نہ کر سکو تو اس کے ساتھ بالکل نکاح نہ کرو۔

(8) یتامٰی کی پرورش کے لئے مسلمانوں کے صدقات و خیرات کی رقم کا استعمال کیا جا سکتا ہے، پرورش سے مراد بچوں کے خورد و نوش، لباس اور تعلیم و تربیت کے اخراجات ہیں۔

(9) غریب و یتیم کو کھانا کھلانا نیکی ہے لیکن کبھی بھی اس نیکی کا احساس دلانا یا جتلانا جائز نہیں ہے۔

(10) یتیم کے ولی پر لازم ہے کہ وہ یتیم کے مال اور جائیداد کا مناسب انتظام کرے جس میں تجارت کے ذریعہ افزائش مال کا اہتمام کرے اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو پوری دیانت داری سے اس کا اصل بمع منافع اس کو واپس کر دے۔

(11) یتیم بچوں کی پرورش و پرداخت کی نگرانی اور اس سلسلہ میں لوگوں کو ترغیب و ترہیب دینے والا مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔

(12) اسلامی معاشرہ میں یتامٰی کو لوگوں کے مالوں سے ان کے صدقات و خیرات کی رقم لینے کا حق حاصل ہے اور یہ ان پر کسی کا احسان نہیں بلکہ

یہ مال دار لوگوں پر ان یتیم بچوں کا احسان ہے جو وہ مال لے کر اس کے مال میں مزید خیر و برکت کا سبب بنتے ہیں۔

(13) اگر یتیم بچوں کے وارث مال نہ چھوڑ کر مریں اور وہ غریب ہوں تو معاشرے کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی اجتماعی کفالت کے لئے صحت مند اور نفع بخش باعزت روزگار فراہم کرے۔

(14) یتیم بچوں کا مال امانت ہے جو کوئی ان کے مال کا امین بنے گا اور پھر خیانت کا مرتکب ہو گا تو اسے شدید عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

(15) یتیموں میں بعض اس قسم کے لوگ ہوں گے جو کہ دست سوال دراز کرنے سے بوجہ شرافت گریز کرتے ہیں۔

اسلام میں ایسے لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھنا معاشرے کی ذمہ داری ہے، قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

(1) ''خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنے ذاتی کسب معاش کے لئے زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے، ان کی خودداری دیکھ کر واقف گمان کرتا ہے کہ یہ خوشحال ہیں، تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت جان سکتے ہو مگر وہ ایسے لوگ نہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر بھیک مانگیں، ان کی اعانت میں جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔'' (البقرہ:273)

محتاجوں کے حقوق

انسان ضروریات کا بندہ، اس پر کبھی کبھی ایسا موقع ضرور آتا ہے کہ اس کو دوسروں کا دست نگر بننا پڑتا ہے، دوسروں سے مدد لینا پڑتی ہے، ایسے وقت میں انسانی معاشرہ کا یہ فرض ہے کہ وہ مصیبت کے وقت میں اپنے بھائی کی حاجت روائی کے لئے کوشش کرے، قرآن حکیم میں اسے لوگوں کا دوسرے لوگوں کے مالوں میں حق مقرر ہے، ارشاد ربانی ہے۔

''جن کے مالوں میں مانگنے والوں اور محروم لوگوں کے لئے حق ہے۔'' (الذاریات:1)

مسافر دوران سفر لٹ جائے، کمائی یا کھیتی پر کوئی اچانک افتاد پڑ جائے، اچانک کسی حادثہ یا بیماری سے مستقل معذوری کی صورت بن جائے وغیرہ وغیرہ، غرض اس طرح کے کئی پہلوؤں میں ایک انسان مفلس، مجبور، محتاج اور ضرورت مند بن کر سوال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں ایسے سائل کا انکار کرنے سے منع فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے۔

''اور تو سوال کرنے والے کا جھڑکا نہ کر۔'' (الضحیٰ)

اس طرح کوئی بھی ضرورت مند، مدد کا خواستگار، خواہ وہ جسمانی، مالی یا علمی مجبوری کے ہاتھوں سوال کرنے پر مجبور ہو گیا ہو تو وہ سائل ہے اور اس کو انکار کرنے یا جھڑکنے سے منع فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مدد کی ایک صورت یہ بھی بتائی ہے کہ آپ اس کی کسی دوسرے سے سفارش کر دیں تو یہ بھی کافی ہے، ارشاد ربانی ہے۔

''جو نیک بات کی سفارش کرے تو اس کے ثواب میں اس کا بھی حصہ ہو گا اور جو بری بات کی سفارش کرے گا تو اس کے گناہ میں وہ بھی حصہ پائے گا اور ہر چیز کا نگہبان اللہ ہے۔'' (النساء:11)

☆☆☆

ابن انشاء

''یہ میرے دوست ہیں، بہت شریف آدمی ہیں، آپ کی فرم میں جگہ مل سکے تو......؟

''بٹھی رکھ لیجئے، جو شاندے کوٹنے چھاننے کا تجربہ رکھتے ہیں لہٰذا آپ کے ہاں میڈیکل افسر بھی ہو سکتے ہیں، علم نجوم میں دخل ہے، آپ کے اسٹاف کے ہاتھ دیکھ دیا کریں گے۔''

''کیا نام ہے؟''

''سید فصاحت حسین۔''

''والد کا نام؟''

''جے کے جنجوعہ چودھری، جھنڈے خان جنجوعہ۔''

''کیا کرتے ہیں ان کے والد؟''

''جی ان کے والد زندہ ہوتے تو ان کو کام کرنے کی کیا ضرورت تھی، بچارے یتیم ہیں، ان کے والد تو ان کی پیدائش سے کئی سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔''

''والدہ؟''

''جی ان کا سایہ بھی ان کی پیدائش سے دو سال قبل ان کے سر سے اٹھ گیا تھا۔''

''اور رشتہ دار تو ہوں گے؟''

''جی نہیں اور رشتہ دار بھی نہیں کیونکہ ان کے دادا لاولد مرے اور پردادا نے شادی نہیں کی تھی، یہ تنہا ہیں اس بھری دنیا میں۔''

''حال ہی میں سات سال کی طویل اقامت کے بعد جیل سے رہا ہوئے ہیں، وہ تو اب آ کر ان پر وقت پڑا ہے تو نوکری تلاش کر رہے ہیں ورنہ وہ پیسوں میں کھیلتے تھے۔''

''کیا کرتے تھے؟''

''بس دستکاری اپنے ہاتھ کی محنت کا کھاتے تھے، اپنے فن میں وہ دستگاہ بہم پہنچائی تھی کہ بڑے بڑے ان کے آگے کان پکڑتے تھے، وہ تو ان کا ایک شاگرد کچا نکل گیا، اوچھا ہاتھ پڑا اس کا، بٹوے میں سے کچھ نکلا بھی نہیں اور اس کی نشاندہی پر فصاحت صاحب مفت میں پکڑے گئے۔''

''ہمارے ہاں نوکری کے لئے چال چلن کے سرٹیفکیٹ کی ضروری پڑتی ہے۔''

''وہ ہم داروغہ جیل سے لے لیں گے، نیک چلنی کی بنا پر ان کو سال بھر کی چھوٹ بھی تو ملی تھی اس کا سرٹیفکیٹ بھی موجود ہے۔''

''تعلیم کہاں تک ہے؟''

''اجی تعلیم، یہ آج کل کے اسکولوں کالجوں میں جو پڑھایا جاتا ہے وہ تعلیم ہوتی ہے کیا؟ ہم نے بڑے بڑے میٹرک پاسوں اور ڈگریوں والوں کو دیکھا ہے گنوار کے گنوار رہتے ہیں۔''

''اچھا تو فصاحت صاحب! آپ عرضی لائے ہیں نوکری کے لئے؟''

''جی لایا ہوں یہ لیجئے۔''

''پڑھ کر سنائیے۔''

''جی عینک میں گھر بھول آیا ہوں۔''

''اچھا تو دیجئے، اس پر تو دستخط آپ نے کیے ہی نہیں اور یہ کیا سیاہی کا دھبہ ڈال دیا ہے درخواست کے نیچے۔''

''حضور یہ دھبہ نہیں ہے، میرا نشان انگشت

ہے، دیکھیے نا بات دراصل میں یہ ہے......"

☆☆☆

"دیکھو میاں ہمیں خالص دودھ چاہیے ہو گا۔"

"جی خالص بالکل خالص ہو گا۔"

"اور صبح پانچ بجے دینا ہو گا۔"

"جی پانچ بجے کیسے ہو سکتا ہے کمیٹی کے نل تو چھ بجے کھلتے ہیں۔"

"کتنی بھینسیں ہیں تمہاری؟"

"جی بھینسیں، کیسی بھینسیں؟"

"ہاں ہاں میں بھول گیا تھا کہ تم گوالے ہو۔"

"جی ملتان میں برسوں گوشت ہی بیچتا رہا، پھر اخبار والے پیچھے پڑ گئے تو یہاں چلا آیا۔"

"یہاں کام کیوں نہیں کیا؟"

"جی یہاں جانور پکڑنے کا ٹھیکہ کارپوریشن والوں نے کسی اور کو دے دیا ہے۔"

"تو گویا اب تمہارا صرف دودھ بیچنے پر گزارا ہے؟"

"جی نہیں، گھی کی دکان بھی کر رکھی ہے، آپ کو چاہیے تو رعایت سے دوں گا، گھر کی سی بات ہے۔"

"وہ بھی خالص ہے نا؟"

"خالص سا خالص؟ ایسا خالص تو گائے بھینس کے دودھ سے بھی نہ بنتا ہو گا، اسے چکنا کرنے کے لئے ہم ولایتی گریس ڈالتے ہیں، یہاں کا دیسی مال نہیں ڈالتے، پھر جسم میں تیزی طراری اور چستی پیدا کرنے کے لئے اس میں موبل آئل بھی ملاتے ہیں جو بازار میں کوئی دوسرا دکاندار نہیں ملاتا، یہی تو وجہ ہے کہ ہمارے خریدار ہمیشہ فراٹے بھرتے چلتے ہیں بلکہ دوڑ کے مقابلوں میں اول آتے ہیں۔"

"میاں جی! گھی تو اصل میں غذائیت کے لئے کھایا جاتا ہے۔"

"وہ خوبی بھی ہمارے گھی میں ہے حضور! آلوؤں سے زیادہ غذائیت اور کسی چیز میں ہو گی۔"

☆☆☆

"فیض صاحب آج کل کیا کر رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں بس شاعری کر رہے ہیں۔"

"شاعری؟ بہت دن سے ان کی کوئی چیز نظر سے نہیں گزری، حالانکہ میں ریڈیو کا کمرشل پروگرام باقاعدگی سے سنتا ہوں۔"

"انہوں نے فی الحال بناسپتی گھی اور صابن کے متعلق کچھ کہنا شروع نہیں کیا۔"

"پھر کس موضوع پر کہتے ہیں؟"

"وہی انقلاب اور بند قبا کے موضوعات پر۔"

"کوئی تازہ مجموعہ آ رہا ہے ان کا؟"

"دست تہ سنگ۔"

"اس کے بعد کا پوچھ رہا ہوں، وہ تو دیکھا ہے۔"

"اس کے بعد کا تیار ہے فقط نام کی وجہ سے دیر ہو رہی ہے۔"

"فیض صاحب کو ایسا نام چاہیے جو دست سے شروع ہوتا ہو جیسے دست صبا، دست سنگ۔"

"میں عرض کروں ایک نام؟ اگر آپ فیض صاحب تک پہنچا دیں تو۔"

"ہاں ہاں ضرور فرمایئے، لیکن ان کی شاعری سے مناسبت رکھنے والا ہو، درد دل گلدستہ فیض قسم کا نہ ہو۔"

"دست سے شروع ہونے والوں میں دست پناہ کیسا رہے گا؟"

☆☆☆

ایک دن حنا کے ساتھ

مہمان ——— ثمینہ بٹ

سب سے پہلے تو حنا کے تمام اسٹاف قارئین کی خدمت میں ڈھیروں سلام۔

فوزیہ جی! اگر میں اپنے روز و شب کے حوالے سے کہوں تو وہ ہی بات صادق آتی ہے کہ۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
زندگی یونہی تمام ہوتی ہے

مگر سچ پوچھیں تو اس صبح سے شام کرنے اور پھر شام سے صبح لانے میں کیسے کیسے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں کہ بس، مگر کیا کریں جی، زندگی تو پھر اسی کا نام ہے، تو آئیں جناب! لیئے چلتے ہیں آپ کو اپنے ساتھ زندگی کے کچھ پر ہنگام، پر سکون، برے، بھلے گزرنے والے دن اور پھر دن بھر میں رونما ہونے والے واقعات سے روشناس کروانے کو۔

میری صبح کا آغاز عموماً فجر کے ساتھ ہی ہوتا ہے، نماز، تلاوت کے بعد میں تو ناشتے کی تیاری کرتی ہوں اور بچے اپنے اسکول، کالج کی۔

آٹھ بجے تک بچے اپنے اپنے اسکول، کالج چلے جاتے ہیں، پھر میں اپنا اور اپنے میاں صاحب کا ناشتہ بناتی ہوں، اگر لائٹ آ رہی ہو تو "خبر یہ ہے" دیکھتے ہوئے ہم دونوں ناشتہ کرتے ہیں، روف کلاسرا اور قاضی سعید کے تبصروں کے ساتھ ساتھ ہمارے تبصرے بھی جاری رہتے ہیں، پھر اس کے بعد صبح کے وقت کیے جانے والے کام اور پھیلاوہ سمیٹ لیتی ہوں، اس کے بعد اگر موڈ ہو تو کچھ پڑھ لیتی ہوں، لکھنے کا موڈ ہو تو کچھ نہ کچھ لکھ لیتی ہوں اور اگر اس کا موڈ بھی نہ ہو تو پھر سو جاتی ہوں۔

ساڑھے دس سے گیارہ بجے تک بس یہ ہی مصروفیات رہتی ہیں، اس کے بعد میاں صاحب کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔

اپنی تیاریوں سے فراغت پانے کے بعد اگر بازار سے سودا وغیرہ لانا ہو تو وہ لا کر دیتے ہیں اور میں دوپہر کے کھانے کی تیاری کرتی ہوں اور "آج کیا پکے گا" جیسا خوفناک مسئلہ صد شکر کہ مجھے پیش نہیں آتا، ارے نہیں بھئی، کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جایئے گا، اتنے صابر بھی نہیں ہیں بچے اور ان کے پاپا کہ جو بنا دوں، چپ چاپ کھا لیں، جی نہیں جناب! اچھے خاصے نخرے ہیں تینوں کے، لہٰذا یہ ہم شام کو ہی طے کر لیتے ہیں کہ "کل کیا پکے گا"

کھانا بنانے کے ساتھ ساتھ میں اپنے مطالعے کا شوق بھی پورا کرتی رہتی ہوں، میری کوشش ہوتی ہے کہ دو بجے تک فارغ ہو جاؤں، دو سے ڈھائی کے دوران ارم اور فاطمہ آ جاتی ہیں کالج اور اسکول سے، ان کے کپڑے وغیرہ تبدیل کرنے اور ظہر ادا کرنے کے دوران میں کھانا لگا دیتی ہوں، تین بجے تک ہم لنچ سے فارغ ہو جاتے ہیں، دوپہر کے کھانے کے برتن اور کچن ارم سمیٹتی ہے، اس کے بعد وہ دونوں اپنی کتابیں لے کر بیٹھ جاتی ہیں اور میں اپنے کاغذوں اور قلم کے ساتھ مصروف ہو جاتی ہوں اس دوران شام کی چائے فاطمہ (چھوٹی بیٹی)

بناتی ہے اور پھر چائے کے برتن بھی وہ ہی سمیٹتی ہے۔

شام سات بجے سے نو بجے تک بچیوں کا ٹی وی ٹائم ہوتا ہے اور میں ان کے ساتھ ہی بیٹھی اپنا کام کر رہی ہوتی ہوں، آپ سوچ رہے ہوں گی ٹی وی کے سامنے؟ تو جناب یہ سچ ہے ہمارے ٹی وی لاؤنج میں ایک مخصوص کونے میں سنگل صوفہ پڑا ہے، جس پر صرف میرا قبضہ ہوتا ہے، میں اسی صوفے پہ بیٹھ کر آرام سے لکھتی بھی ہوں اور پڑھتی بھی زیادہ تر اسی جگہ ہوں، اس دوران میاں صاحب بھی واپس آجاتے ہیں۔

رات کا ڈنر صرف بچوں نے کرنا ہوتا ہے، اس لئے عموماً دوپہر والا سالن ہی چل جاتا ہے، میاں صاحب رات کو کچھ نہیں لیتے صرف ہلکا پھلکا مکرونی یا سویاں، نوڈلز وغیرہ۔

گیارہ بجے تک برتن، کچن وغیرہ سمیٹ کر بستر وغیرہ سیٹ کر دیتی ہوں، گیارہ بجے تک بچیاں سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلی جاتی ہیں اور ہم دونوں ٹی وی لاؤنج میں ٹاک شوز میں اینکرز کو چائے کی پیالی میں طوفان اٹھاتا دیکھتے خوش ہوتے ہیں، بارہ بجے تک یہ ہی مشاغل رہتے ہیں ہمارے اور بارہ بجے تک ہی میرا اور میرے قلم کا ساتھ رہتا ہے، اس دوران ضروری کاموں اور نماز وغیرہ کے لئے تو اٹھنا پڑتا ہی ہے، ویسے میاں صاحب اکثر چھیڑتے ہیں کہ ”صوفہ ہو اور تم ہو، بس اور کسی کی کیا ضرورت بھلا۔“ اور مانو (ارم) کہتی ہے۔

”ماما اٹھ جائیں، واک کر لیں تھوڑی سی، موٹی ہو گئیں ناں تو چلا بھی نہیں جائے گا آپ سے۔“ مگر کیا کروں جی اپنی سستی کا، روز سوچتی ہوں، اچھا کل ضرور کروں گی واک اور پھر وہ ”کل“، کسی ”کل“ کی راہ دیکھتی رہ جاتی ہے۔

بارہ بجے تک ہم بھی سونے لیٹ جاتے ہیں، بستر میں جاتے ہی نیند کبھی بھی مجھ پر مہربان نہیں ہوئی، کروٹیں بدلتے، کئی کہانیاں بنتے بنتے، بالآخر میاں صاحب کے دعا کانوں میں پڑتی ہے۔

”یا اللہ پاک، جان، مال، گھر بار، عزت آبرو تیرے حوالے، مولیٰ پاک اپنی امان میں رکھنا۔“ اور پھر میں بھی یہ ہی دہراتی نیند کی وادیوں میں جا اترتی ہوں اور یوں میری زندگی کا ایک دن اور تمام ہو جاتا ہے۔

تو جناب یہ تھا میرے ایک دن کا احوال، عام روٹین کا دن، مگر چھٹی والا دن اس سے تھوڑا سا مختلف ہوتا ہے، چھٹی والے دن صبح دیر سے اٹھا جاتا ہے اور ناشتہ بھی عموماً ”نان چنے“ کا ہوتا ہے، پھر ہفتہ اور تفصیلی صفائی جو مانو اور فاطمہ کرتی ہیں، بھئی میڈ کے نخرے ہم سے نہیں اٹھائے جاتے، جتنی دیر ان کے ساتھ دماغ کھپانا پڑتا ہے، اس سے آدھے وقت میں بندہ خود کام کر لیتا ہے۔

کپڑے میں ہفتے کو دھوتی ہوں، بس یہ ہی ہے ہماری لائف۔

آپ کو یقیناً کچھ کمی لگی ہوگی، جی مجھے پتا ہے، آپ سوچ رہی ہوں گی کہ نہ تو میں نے اپنے بیٹے کا ذکر کیا اور نہ ہی اپنے میاں صاحب کے چچ کا، تو جناب قصہ کچھ یوں ہے کہ ہمارا اکلوتا لاڈلا اسد، اپنی دادو جان کا بہت زیادہ لاڈلا ہے، نہ وہ اپنی دادو کے بغیر رہ سکتا ہے اور نہ ہی اس کی دادو اس کے بغیر، اس لئے وہ ان کے پاس رہتا ہے، چند سال پہلے تک ہم بھی وہیں ہوتے تھے، مگر وہ کمرشل ایریا ہے، بہت رش اور شور رہتا ہے وہاں ہر وقت اور یہ شور بٹ صاحب کے لئے سخت مضر تھا، ان کے معالج نے انہیں پرسکون جگہ شفٹ ہونے کو کہا اور پھر حالات اس نہج پر آتے گئے کہ ہم اس نئے گھر میں شفٹ ہو گئے، یہاں پارک نزدیک ہے جہاں یہ روزانہ واک کرتے ہیں، کھانا وہ دن میں صرف ایک بار ہی کھاتے ہیں، تو جناب، رہی بات کہیں آنے جانے اور ملنے ملانے کی، تو میں کسی زمانے میں بہت سوشل رہی ہوں، گھومنا پھرنا، ملنا ملانا پہلی ترجیح ہوتی تھی، مگر اب......اب شاید ڈل ہو گئی ہوں، امی کی طرف بھی مہینہ دو مہینہ بعد کہیں چکر لگتا ہے۔

فوزیہ جی! میں یہاں ایک آخری مگر بہت ضروری بات اور کہنا چاہتی ہوں، کہتے ہیں کہ کامیاب مرد کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے، ٹھیک ہی کہتے ہوں گے، مگر میں کہتی ہوں کہ ہر کامیاب انسان کے پیچھے اللہ کی رضا اور مدد ہوتی ہے اور اس اللہ کی مرضی سے اس انسان کا ساتھ اسے ملتا ہے جو اسے کامیابی کے راستے پر خوش اسلوبی اور کامیابی سے چلاتا ہوا اس کی منزل پر پہنچا دیتا ہے، میرا ایمان ہے کہ اگر اللہ کی مدد شامل حال نہ ہو کہ انسان چاہے لاکھ پتھروں سے سر پھوڑے، چشمے کبھی نہیں پھوٹتے، ہاں سر ضرور ٹوٹ جاتے ہیں اور اگر اپنے بارے میں کہوں تو میری زندگی میں بھی دو ایسے پیارے مخلص، اچھے اور سچے لوگ تقدیر نے مجھے عطا کیے ہیں جن کی خواہش، ہمت اور محنت سے آج میں بفضل خدا کامیابی کے راستے پر پہلا قدم رکھنے میں بالآخر کامیاب ہو ہی گئی ہوں اور اگر اللہ کا ساتھ اور مہربانی رہی تو انشا اللہ منزل بھی پا ہی لوں گی۔

اور ان دو لوگوں میں، بلکہ دو مردوں میں ایک تو میرے بہت پیارے ابو جان مقصود احمد بٹ مرحوم ہیں جنہوں نے بہت بچپن سے میرے اندر علم کی لگن، علم کی جستجو جگائی، کبھی مجھے لکھنے پڑھنے سے نہ روکا بلکہ میری ہمیشہ حوصلہ افزائی کی، شادی سے پہلے جب میری کوئی تحریر کسی بچوں کے رسالے، کسی اخبار کے خواتین کے ایڈیشن میں شائع ہوتی تو ابو جی کا چہرہ مارے خوشی سے کھل اٹھتا وہ اس تحریر کو اپنے پاس محفوظ کر لیتے اور فخریہ دکھاتے، آج اگر ابو زندہ ہوتے تو اپنے پسندیدہ مصنفین کی فہرست میں میرا نام دیکھ کر کتنے خوش ہوتے، میں کہہ نہیں سکتی مگر محسوس کر سکتی ہوں اور یہ احساس میری پلکیں نم کر دیتا ہے۔

اور دوسرا فرد، میرا جیون ساتھی، میرے میاں صاحب طاہر محمود بٹ، بلاشبہ اگر ان کا ساتھ مجھے حاصل نہ ہوتا تو میری اور میرے ابو جی کی تمام خواہش اپنی موت آپ مر جاتی، بٹ صاحب نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا۔

جب میری کوئی تحریر چھپتی ہے تو، بٹ صاحب کی خوشی دیدنی ہوتی ہے، وہ نہ صرف خود پڑھتے ہیں بڑے شوق سے بلکہ ان رسالوں کو محفوظ بھی کرتے ہیں۔

آپ بھی سوچ رہے ہوں گے، ایک دن کی روداد لکھنے کو کہا تھا یہ تو داستان لکھنے بیٹھ گئی، مگر یہ میرے دل کی بات تھی اور میں اپنے دل کی بات اپنے حنا کے ذریعے اپنوں تک پہنچانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

◇◇◇ ام مریم ◇◇◇

اکتیسویں قسط کا خلاصہ

جہان ژالے سے ہنوز بدگمان ہے اور اسے پرکھنے کو آزمائش بھی کرتا ہے، ژالے کی معصومیت اور پاکیزگی کا اسے یقین ہو کر نہیں دیتا وہ اسی وجہ سے پریشان بھی ہے۔

تیمور زینب کو علاج کے بہانے شاہ ہاؤس بھیج کر دم لیتا ہے، زینب سب کے سامنے اپنی بے مائیگی چھپانے کی کوشش میں ناکامی پر شرمندہ نظر آتی ہے۔

تیمور صاحب کو نا چاہتے ہوئے بھی حویلی تو لے آتا ہے مگر اس کا رویہ اپنی بیٹی اور زینب کے ساتھ مزید ہتک آمیز اور شدید ہو چکا ہے، وہ اپنی سابقہ منگیتر سے بیٹے کی خواہش میں شادی کرتا ہے تو زینب گم صم ہو کر رہ جاتی ہے، مگر اصل افتاد اس پہ اس وقت ٹوٹتی ہے جب نشے میں تیمور زینب کو طلاق دیتا ہے۔

پرنیاں کو معاذ ناراضگی کے اظہار کے طور پہ اس کی حویلی چھوڑ آیا ہے مگر پھر مما کی زبردست ڈانٹ کے بعد واپس بھی لانا پڑتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

بتیسویں قسط

دہشت سکتے اور غیر یقینی میں ڈھل گئی تھی، تیمور نے تیسری مرتبہ ہی نہیں چوتھی اور پانچویں مرتبہ بھی طلاق کے الفاظ منہ سے نکالے، وہ اس حد تک نشے میں تھا کہ اسے یاد نہیں رہ سکا، شریعت میں تین سے بڑھ کر طلاقیں نہیں ہوا کرتیں، تیمور کی بیوی کے چہرے پر فتح مندانہ مسکان امڈی اور گہری ہو گئی، اس نے ملازمہ کو پکارنے سے پہلے تیمور کو سہارا دے کر بیڈ پہ لٹایا تھا۔

''اس عورت کو اور اس کی بیٹی کو یہاں سے شام ہونے سے پہلے دھکے مار کر نکال دو۔'' ملازمہ کی آنکھیں اس حکم پر حیرت سے پھٹی رہ گئیں، زینب کی لٹی پٹی حالت کے باوجود وہ اس آرڈر پہ عمل کرنے سے گریزاں تھی تو وجہ زینب کی حیثیت سے آگاہی تھی۔

''سنا نہیں تم نے کم بخت عورت، اس کا اب اس حویلی سے کوئی تعلق نہیں ہے، تیمور خان اسے طلاق دے چکے ہیں۔''

وہ گرجی تھی، ملازمہ کی آنکھیں اس نئی اطلاع پہ پہلے تاسف سے سکڑیں پھر وہ سرد آہ بھر کے زینب کو سہارا دے کر اٹھانے سے قبل بچی کو جھک کر بانہوں میں بھرنے لگی جو رو رو کر اتنی نڈھال ہو چکی تھی کہ اب اس کے حلق سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی، پٹھانوں کی حویلی میں ویسی ہی چہل پہل تھی بس صرف زینب کے لئے شام غریباں اتر آئی تھی۔

گم صم آنکھیں سونی سانسیں ٹوٹتی جڑتی امیدیں
ڈرتی ہوں یوں کیسے گزرے گی عمر ہے کوئی رات نہیں

☆☆☆

معاذ کا موڈ آف ہی رہا تھا، جبھی وہ اگلے دن ہی اسے وہاں چھوڑ کر خود واپس چلا گیا تھا، پرنیاں کے دل میں لاتعداد خدشات اور واہمات کو جگہ دے کر، پرنیاں کو رونا سا آنے لگا تھا، اسے سمجھ نہیں آ سکی تھی وہ اس شخص کی خاطر اور اس سے زیادہ کیا کرے ایسا، اپنی عادت اور فطرت کے بالکل برخلاف اس نے معاذ کے لئے اپنے جذبات تک آشکار کر دیئے تھے، مگر وہ بدگمانی کے دریا میں ڈوبتا ہی جاتا تھا، کتنے دن ہوئے تھے وہ لوٹ کر آیا ہی نہ تھا، مما کا تو کبھی مما جان فون آ جاتا، ہر بار واپس آنے پہ اصرار اور ساتھ ہی یہ سمجھانے کی کوشش بھی کہ اسے تنہا وہاں رہنے کی ضد نہیں کرنی چاہیے، وہ سمجھ سکتی تھی کہ ایسا معاذ نے ہی وہاں شوشا چھوڑا ہو گا اب وہ کیا وضاحتیں پیش کرتی اس کا یہ حل نکالا اس نے کہ سیل کو آف کر دیا تھا، معاذ کی اس حرکت کے بعد اسے معاذ سے مزید کوئی اچھی امید نہیں رہ گئی تھی، وہ انا پرست ہی نہیں تھا گھمنڈی اور شدت پسند بھی تھا، صرف خود کو اہمیت دینے والا، پرنیاں کے دل میں اس کے لئے جتنے بھی نرم خو جذبے تھے سارے اس رویئے کی بدصورتی کی مار سے مرجھاتے چلے گئے تھے، اس نے خود سے عہد باندھ لیا تھا کہ اگر معاذ اسے لینے بھی آئے گا تو وہ واپس نہیں جائے گی، اس وقت بھی وہ نماز پڑھ کے فارغ ہوئی تو کچھ دیر ٹیرس پہ ٹہلنے کے انداز میں پھرتی رہی، نیچے روبی ملازماؤں پہ چلا رہی تھی، وہ خود کو تمام ملازماؤں کی ہیڈ سمجھتی تھی اور شاید پرنیاں کی غیر موجودگی میں مالکن تھی، سارا یہاں کا نظام خود بخود اس کے کنٹرول میں جا چکا تھا، پرنیاں بہت خاموشی سے اس کے انداز و اطوار دیکھ رہی تھی، اکثر معاملات میں وہ خود پرنیاں سے بھی صلاح لینا گوارا نہیں کرتی تھی، پرنیاں نے کئی بار حیرت سے سوچا تھا

یہ وہی مسکین سی روبی ہے جو دوا کی زندگی میں سر اٹھا کر اعتماد سے بات بھی نہیں کر سکتی تھی، گو کہ دوا بیمار تھے مگر ملازموں پہ ان کی کڑی نگاہ رہا کرتی تھی، پرنیاں جب بھی انہیں ملازموں کو ڈانٹتے ڈپٹتے دیکھتی تو اپنی فطرت سے مجبور ہو کر بے ساختہ ٹوک جایا کرتی۔

''ایسے نہ کیا کریں نا دوا یہ لوگ بھی آخر عزت نفس رکھتے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں بیٹے مگر تم اس لڑکی کو نہیں جانتیں، یہ بہت چالاک بنتی ہے میں نے اکثر اسے اناج اور دیگر سامان کی چوری کرتے دیکھا ہے۔'' پرنیاں کو عجیب سی حیرت نے آن لیا، وہ جانتی تھی دوا صرف اپنے ملازموں کو ہی نہیں گاؤں کے تمام غرباء کو اناج ہر ماہ اتنی مقدار میں بھجواتے ہیں کہ ان کا اچھا گزارا ہو سکے۔

''چلیں دفع کریں نا دوا اتنا کچھ ہے ہمارے پاس لے بھی جائے گی تو اپنا ہی ایمان خراب کرے گی نا۔''

''برائی کو پھیلنے کو چھوڑ دینا اور اس کی روک تھام نہ کرنا بھی نہ صرف معاشرے کے بگاڑ کا باعث ہے بلکہ کل روز محشر خدا کے سامنے بھی ہمیں جواب دہ ہونا پڑے گا ہم نے برائی کو روکنے اور اچھی بات کہنے کا فرض کیوں پورا نہیں کیا۔'' دوا نے اسے سمجھایا تھا تب وہ کھسیا کر قائل ہو گئی تھی، اب جس دن سے پرنیاں یہاں تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ معاذ اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا روبی کی ساری خوش اخلاقی بھی اڑنچھو ہو گئی تھی، وہ اسے اپنی مملکت میں گویا ناگوار اضافہ سمجھ رہی تھی جس کا اظہار اس کے الفاظ سے نہیں انداز سے ہوتا تھا ظاہر ہے الفاظ سے اظہار کی جرأت نہیں تھی اس میں، ٹیرس پہ دھوپ اتر آئی تھی فضا میں بھی حبس کا اضافہ ہو گیا تھا، گرمی کا زور بتدریج بڑھتا جا رہا تھا، ہر آنے والا دن اب پہلے سے زیادہ تپش لے کر آتا تھا۔

درخت اور پودے ساکت تھے، حالانکہ صبح کا وقت تھا اس کے باوجود عجیب سا حبس تھا اور تپش کا احساس بھی، پرنیاں نے پیشانی پہ چمکتی پسینے کی بوندوں کو دوپٹے کے پلو سے خشک کیا اور گردن موڑ کر نیچے دور تک نگاہ دوڑائی، کھیتوں کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر لوگوں کا ہجوم تھا، یہ فصل کی کٹائی کا دور تھا، تازہ دم لوگ ہاتھوں میں درانتی لئے کھیتوں میں جا رہے تھے، دائیں طرف نہر کا کنارہ تھا جہاں مچھیرے مچھلیاں پکڑنے کو اپنا جال ڈال رہے تھے، پرنیاں نے گہرا سانس بھرا اور اندر آ کے اے سی ہلکی رفتار میں آن کر لیا، ابھی لیٹے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی جب روبی پھولے سانسوں کے ساتھ اندر آئی۔

''بی بی جی آپ کو پتہ ہے، آج سورج کو گرہن لگا ہوا ہے، ابھی میں نے ٹی وی پہ خبر سنی ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے، یہ دروازہ بند کر جاؤ، مجھے ذرا آرام کرنا ہے بہت تھکان محسوس کر رہی ہوں۔'' پرنیاں نے کچھ بیزاری کے عالم میں کہا تھا۔

''پر بی بی جی آپ اس وقت آرام نہیں کر سکتیں۔'' اس کی بات نے پرنیاں کو نہ صرف آنکھیں کھولنے بلکہ اسے گھورنے پہ بھی مجبور کر دیا تھا۔

''مطلب کیا ہے تمہاری بات کا؟ اب مجھے اپنے ان ذاتی کاموں کے لئے بھی تمہاری اجازت درکار ہو گی۔'' اس کا غصہ عود کر آیا تھا، روبی بری طرح سے خائف نظر آتے ہوئے اپنے گال چاپلوسانہ

انداز میں پیٹنے لگی۔

''اللہ رحم کرے جی، میں ایسا کیوں کہنے لگی، مطلب یہ ہے بی بی صاحبہ کہ چاند یا سورج گرہن کے وقت حاملہ عورتیں بیٹھ یا لیٹ نہیں سکتیں، کوئی کام بھی نہیں کر سکتیں، انہیں اس دوران مسلسل ٹہلنا مطلب چہل قدمی کرنا پڑتی ہے۔'' پرنیاں کے چہرے پر الجھن اور تذبذب کی کیفیت ابھر آئی۔

''تم کیا کہنا چاہتی ہو روبی مجھے سمجھ نہیں آسکی۔''

''بی بی جی آپ دو جی سے ہو اللہ خیر کرے، تو آپ جب تک چاند کو گرہن ہے کوئی کام کریں نہ ہی ایک جگہ ٹک کر لیٹیں نہ بیٹھیں، بچے کو نقصان ہوتا ہے جی، یہ ساتھ والے حاجی بشیر ہیں نا ان کی بہو کو چاند گرہن کا پتہ ہی نہ چل سکا، بیچاری بیٹھی تکیہ کاڑھتی رہی جب بچہ پیدا ہوا ہاتھ ٹیڑھا تھا ایسے۔'' روبی نے ہاتھ ٹیڑھا کر کے دکھایا، جیسے فریم پکڑتے وقت موڑا جاتا ہے، پرنیاں کے چہرے پہ غیر یقینی کے ساتھ گھبراہٹ اُمڈتی دیکھ کر روبی نے ایسی ہی مزید کئی مثالیں چُن چُن کر بڑی وضاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کیں کہ جن بچوں کے ماں باپ چاند سورج گرہن میں کسی بھی کام میں مشغول تھے ان کی عمر بھر کا روگ لگ گیا تھا، جس کی ماں پڑی سوتی رہی اس بچی کی بینائی نہیں تھی جس بچے کا باپ بڑھئی تھا اس نے اس اوقات میں لکڑی کاٹی اور بچے کا بازو ٹوٹ گیا وغیرہ وغیرہ، پرنیاں تو اتنی ہراساں ہو گئی تھی کہ فی الفور بستر چھوڑ کر نیچے آگئی، روبی کا بات کرنے کا انداز ہی ایسا خوفناک تھا کہ اس کی اپنی عقل بھی سلب ہو کر رہ گئی، چار گھنٹے کا سورج گرہن تھا اور ان چار گھنٹوں کے دوران ایک لمحے کو بھی روبی نے اسے بیٹھنے سانس لینے کی بھی اجازت نہیں دی، مسلسل ٹہلنے کے باعث پرنیاں کی ٹانگیں شل ہو گئیں اور پیروں میں ورم اتر آیا۔

''ماں بننا اتنا آسان تھوڑی ہے بی بی جی، ایویں تو جنت پیروں تلے نہیں آجاتی۔'' وہ خود بہت ریلیکس انداز میں صوفے پہ بیٹھی پرنیاں کے لئے لائی گئی، اسٹرابری کی پلیٹ ٹھونگتے ٹھونگتے خالی کر چکی تھی۔

''اب مجھ سے بالکل نہیں چلا جا رہا ہے روبی میں گر نہ جاؤں۔'' پرنیاں آخری لمحات میں آکر تو بالکل ہمت ہار کر روہانسی ہونے لگی تھی۔

''دو بجنے میں دس منٹ تو رہتے ہیں بی بی صاحبہ، چار گھنٹے کی محنت ضائع کریں گی، اپنے بچے کا سوچیں ذرا، آپ اور معاذ صاحب اتنے حسین ہو دونوں خدانخواستہ......'' اس کی بات ادھوری رہ گئی دروازہ کھول کر معاذ اپنے دھیان میں اندر آیا تھا، روبی گھبرا کر تیزی سے صوفے سے اٹھی اور معاذ کو جھٹ سلام کیا۔

''تم کھڑی کیوں ہوں؟ کیا ہوا خیریت؟'' معاذ کی نگاہ پرنیاں کے چہرے پہ تھی، جو سرخ ہو چکا تھا، نڈھال ہوتا وجود اور شدت ضبط سے چھلکتی آنکھیں۔

''سورج کو گرہن لگا ہوا ہے صاحب، پچھلے چار گھنٹوں سے بی بی صاحبہ کو میں نے ہی بتایا ہے۔'' اس کے آگے وہی تفصیلات تھیں جو وہ پہلے پرنیاں کے گوش گزار کر چکی تھی، معاذ نے اشتعال انگیز انداز میں اسے درمیان میں ہی ٹوکا اور سخت قسم کی ڈانٹ پلانے کے بعد وہاں سے چلتا کیا تھا، پھر رخ پھیر کر پرنیاں کو اس طرح سنبھالا کہ اپنے بازوؤں میں اٹھا کر ہی بیڈ پر لایا تھا۔

''تم پاگل تھیں پرنیاں، کیا حالت بنالی ہے اپنی اندازہ ہے؟'' معاذ کی نگاہ اس کے دودھیا پیروں سے الجھی تو انتہائی تاسف زدہ سا ہو کر بولا تھا، پرنیاں نے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا، تکیے پہ نڈھال سے انداز میں سر رکھ دیا۔

''حد ہے جہالت کی بھی، اگر ایسی کسی بات کا کوئی وجود ہوتا تو احادیث سے اس کا ثبوت ملتا، وہ ان پڑھ کمزور عقائد کے لوگ ہیں مگر تم پرنیاں......'' معاذ نے پہلے اٹھ کر فریج سے اس کے لئے جوس کا ٹن نکال کر اسے زبردستی پلایا پھر اس کے ورم آلود پیروں پہ کسی مساج جیل سے مساج کرتے ہوئے پھر اسے ڈانٹا تھا۔

''آپ...... یہ کوئی احسان نہیں کیا میں نے، شکوہ تھا نا آپ کو کہ میں آپ کے بچے کی جان کی دشمن ہوں۔'' پرنیاں نے اپنے پیر کھینچ کر اس کی پہنچ سے دور کرتے ہوئے کسی قدر خفگی سے جواب دیا تھا، معاذ تو جیسے سر پیٹنے والا ہو گیا۔

''بہت خوب، یہ تو آپ نے اتنا اچھا ثبوت پیش کیا ہے کہ کیا ہی کہنے ہیں، اللہ پہ بھروسہ اور یقین رکھنے کی بجائے ان جاہل لوگوں کے عقائد پہ آنکھیں بند کر کے یقین کرتے ہوئے اپنا ناس مار کے رکھ لیا۔'' معاذ کو واقعی ہی غصہ آگیا تھا، جبھی بھڑک کر کہتا چلا گیا۔

''آپ کو میری فکر میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، سنا آپ نے۔'' دل ہی دل میں معاذ کی بات پہ اتفاق کرتے ہوئے اس نے خدا سے معافی بھی مانگی تھی مگر معاذ کے سامنے اپنی اکڑ برقرار رکھی، معاذ نے جواب میں کچھ کہے بغیر چند لمحوں کو بہت خاموش نظروں سے اسے دیکھا تھا، پھر اٹھ کر کھڑا ہوتے ہوئے سنجیدگی بھری متانت سے بولا۔

''لینے آیا ہوں تمہیں، فی الحال آرام کر لو، شام سے پہلے تیار ہو جانا۔''

''جب آپ پہلے مجھے چھوڑ کر جا سکتے ہیں تو پھر اب لینے آنے کی ضرورت کیوں پیش آگئی، میں نہیں جا رہی ہوں۔'' وہ دھیرے دھیرے اپنے دکھتے پیروں کو دبا رہی تھی، اس کی بات پہ توہین کے احساس سے سلگ کر تڑخ کر جواب دیا تھا، معاذ کا چہرا یکبارگی سرخ ہو کر رہ گیا۔

''بہت شوق ہے تمہیں تنہا رہنے اور من مانیاں کرنے کا؟ کر دوں گا اسے پورا، مگر فی الحال اپنی بکواس بند رکھو اور میرے ساتھ چلو۔'' غصے میں آؤٹ ہوتے ہوئے اس نے آنکھیں نکال کر جتلانے کے انداز میں کہا اور اسی شدید موڈ میں پلٹ کر کمرے سے نکل گیا، پرنیاں چند لمحے ساکن و سامت بیٹھی رہی، پھر گھٹنوں پہ سر رکھ کر گھٹ گھٹ کے رونے لگی تھی۔

☆☆☆

بڑے دنوں سے ہے بے خبر وہ
جو میرے پل پل سے باخبر تھا
کبھی میں ٹوٹا تو جوڑتا تھا
وہ میرے قدموں پہ دوڑتا تھا
میں روٹھ جاتا مناتا مجھ کو
طرح طرح سے ہنساتا مجھ کو

کبھی بچھڑنے کی بات ہوتی
تو سادھ لیتا تھا چپ ہمیشہ
وہ جو اکیلا چلا نہیں تھا
کبھی جو غم سے ڈرا نہیں تھا
کہاں گیا وہ کدھر گیا وہ
وہ شخص تو بڑا باہنر تھا
بڑے دنوں سے ہے بے خبر وہ
جو میرے پل پل سے باخبر تھا

اس نے جھکی پلکیں اٹھا کر دیکھا معاذ کی تیاری آخری مراحل میں تھی، ان کا والٹ رسٹ واچ اور گاڑی کی چابی پرنیاں نے اس کے سامنے ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھی اور اس کی بے نیازی کی مار سہتی خاموشی سے پلٹ کر باہر آ گئی۔

"رہنے دو بیٹے ناشتہ کرو آپ وہاں جا کے۔" مما نے اسے کچن میں آ کر املیٹ تیار کرنے کی تیاری کرتے دیکھا تو ٹوکا تھا۔

"کرلوں گی مما، صبح جوس پیا تھا، فی الحال بھوک نہیں ہے۔" اس نے محض ان کی تسلی کرائی تھی، پندرہ منٹ بعد وہ ژالے اور بھابھی کے ہمراہ ناشتے کے لوازمات لئے ڈائننگ ہال میں آئی تو معاذ مکمل تیاری کے ساتھ وہیں موجود تھا اور زیاد سے نوک جھونک چل رہی تھی۔

"جے اس کی شادی تب تک نہیں ہونی چاہیے نا جب تک تم آبادی میں اضافے کی خوشخبری نہیں سنا دیتے۔" معاذ نے اپنی چھیڑ چھاڑ میں جہان کو بھی زبردستی گھسیٹا تھا، جہان اخبار میں گم تھا مگر اس فضول بات پہ اسے گھور کر رہ گیا تھا، جبکہ اندر آتی ژالے کو بھابھی نے زور سے کہنی ماری تھی۔

"ہاں بھئی تم لوگ کب سنا رہے ہو ہمیں ایسی خبر؟" بھابھی نے بھی حصہ لیا تھا، جہان محض مسکرایا جبکہ ژالے اتنے لوگوں کے بیچ اس موضوع کے آغاز سے ہی بلش کر گئی تھی، اس براہ راست سوال پہ اس کے چہرے پر خفت و خجالت کی سرخی چھا گئی۔

"یہ فاؤل ہے لالے بس آپ میری سفارش پپا سے کر رہے ہیں۔" زیاد نے اپنی طرف پھر سے توجہ مبذول کرائی۔

"تو رہ یہ مان گئی؟"

"اس کا مسئلہ نہیں ہے۔" زیاد نے کروفر بھرے انداز میں کاندھے جھٹکے تو معاذ نے اسے گھورا تھا۔

"بھول گئے سب کچھ یاد کرو جب......"

"مجھے یاد ہے لالے، بس اک احسان اور کر دیں پلیز۔"

"اس کے لئے تمہیں مجھ سے زیادہ جے کی منت کرنی چاہیے، پپا کے لاڈلے یہ ہیں۔" وہ کاندھے اچکا کر کہہ رہا تھا، زیاد آس مندانہ نظروں سے جہان کو دیکھنے لگا، پرنیاں نے معاذ کے آگے ناشتے کے لوازمات چنے تھے، پھر سلائس پہ مکھن لگانے لگی۔

سلائس اس کے ہاتھ میں تھا جب معاذ کے سیل پہ کسی کا ٹیکسٹ آیا تھا، جسے دیکھتے ہی وہ عجلت میں

ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اٹھا۔

"معاذ ناشتہ تو مکمل کرو بیٹے۔" مما نے ٹوکا تھا مگر اس نے سر کو نفی میں ہلایا۔

"ایمرجنسی ہے مام! اور جے میں آج تمہاری گاڑی لے جا رہا ہوں، چابی دو، میری گاڑی کا ٹائر پنکچر ہے، تم یہ کام کرا لینا۔" جہان نے گہرا سانس بھرا اور کوٹ کی جیب سے چابی نکال کر اسے تھما دی۔

"بھابھی یہ ایمرجنسی کسی قسم کی تھی کچھ اندازہ بھی ہے آپ کو؟ دھیان رکھا کریں ان پہ۔" اس نے باہر نکلتے زیاد کا فقرہ سنا تھا جو اسی نے یقیناً پرنیاں کو مخاطب کر کے کہا تھا، اس کے ہونٹوں پہ زہر خند سا پھیلا، تیز قدموں سے پورٹیکو کی جانب آتے وہ کسی قدر چونکا جہان اسے پکارتا ہوا پیچھے آ رہا تھا مگر وہ جہان کی نہیں کھلے گیٹ کے پار رکنے والی ٹیکسی سے اترتی زینب کو دیکھ کر حیران نظر آ رہا تھا جس کا حلیہ ابتر تھا اور چہرے کی رنگت بے تحاشا زرد، اس سے قبل کہ وہ کچھ سمجھتا زینب روتی ہوئی اس کی جانب لپکی تھی اور اس کے گلے لگ کر کچھ اور بھی بلند آواز سے رونے لگی۔

"زینب خیریت ہے نا...... تم اس طرح......" معاذ کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی تھی۔

"لالے تیمور نے طلاق دے دی ہے مجھے۔" الفاظ تھے یا بارود کے گولے، جہان کو نہیں خبر ہو سکی معاذ پہ کیا بیتی ہے، اسے لگا تھا کسی نے اچانک اسے بلندی سے دھکا دیا ہو اور وہ نیچے بہت نیچے گرتا جا رہا ہو۔

☆☆☆

جب لوگ جدا ہو جاتے ہیں
جب عہد ہوا ہو جاتے ہیں
جب نیت میں فتور سا ہو
سب عمل گناہ ہو جاتے ہیں
جب تیرے بارے میں سوچتے ہیں
سب لفظ دعا ہو جاتے ہیں
جب غربت در پہ دستک دے
سب یار خفا ہو جاتے ہیں
جب وقت دکھاتا ہے آنکھیں
سلطان گدا ہو جاتے ہیں
تو جب بھی میرے ساتھ نہ ہو
تہوار سزا ہو جاتے ہیں
جب نفرت لفظوں میں اترے
تب اپنے جدا ہو جاتے ہیں

پھر کتنے بہت سارے دن بنا آہٹ کے بیت گئے، شاہ ہاؤس کے شب و روز میں ایک نمایاں تبدیلی آ چکی تھی، یہ حادثہ تھا یا سانحہ جو بھی تھا، یہاں کے ہر مکین کو سر سے لے کر پیر تک جھنجوڑ کے رکھ گیا، جہاں ہر دم زندگی چہکتی تھی بہت دنوں تک کسی کے لبوں پہ بھولی بھٹکی مسکان بھی نہ آ سکی، اس خاندان کو تو

یہ بھی روایت رہی تھی کہ یہاں کبھی کسی نے طلاق نہیں دی تھی، کبھی کسی لڑکی کو طلاق نہیں ہوئی تھی، مما تو اس انکشاف کے بعد جیسے بستر پہ جا پڑی تھیں، ان کا بی پی ہر وقت لو رہنے کی وجہ سے ایک بار ہاسپٹل میں بھی ایڈمٹ کرنا پڑا، دوسری جانب زینب تھی، زندگی کے ہر احساس ہر رنگ سے دور جیسے خود سے بھی کٹ سی گئی تھی، معاذ کتنا مشتعل تھا، تیمور خان کو قتل کر دینے کے درپے، اسے سمجھانا بجھانا اور قابو میں رکھنا یہ ایک الگ سے پریشان کن امر تھا، ہر کوئی اپنی جگہ پہ ٹینشن کا شکار ہو کر رہ گیا تھا، فاطمہ کو مستقل طور پر ڈالے سنبھال رہی تھی، پرنیاں کی طبیعت ہی اکثر خراب رہتی یا پھر بھابھی اس کی دیکھ بھال کرتیں، ڈالے خود بچی کی بہت کیئر کرتی تھی، ایک مہینہ اسی طرح گزرا پھر دوسرا بھی، مگر زینب کے اندر زندگی جیسے ہر لحہ بجھتی جا رہی تھی، کھانا بھی کبھی مما جان تو کبھی بھابھی اور پرنیاں منت کر کے کھلایا کرتیں، اس وقت بھی پرنیاں کے بے تحاشا اصرار کے جواب میں زینب نے چند لقمے ہی بامشکل حلق سے اتارے تھے۔

''اچھا یہ تھوڑا سا ٹرائفل ہی لے لو، کھانا تم نے کھایا نہیں۔'' پرنیاں نے پلیٹ میں فروٹ ٹرائفل نکالنا چاہا تو زینب نے بےزاری سے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا تھا۔

''کہا نا پری، نہیں دل کر رہا میرا کھانے کو، پلیز زبردستی مت کرو۔''

گلابی پھول دار مسلے ہوئے لباس میں بکھرے بالوں اور ستے ہوئے چہرے والی زینب کی آنکھوں کے پپوٹے یوں بوجھل تھے جیسے کچھ دیر قبل تک بے تحاشا رو کے بیٹھی ہو، مما نے اس منظر کو آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا تھا اور کرب آمیز انداز میں چہرے کا رخ پھیر لیا، بھلے یہ سب کچھ اس کا اپنا کیا دھرا تھا، مگر اس روادار گھرانے کی یہ روایت نہیں تھی کہ مرے پہ سو درے لگائے بیٹھ جاتے، کسی نے غلطی سے بھی زینب کو اس کی غلطی کا احساس دلانے کی کوشش نہیں کی تھی، ان کے خیال میں تو وہ اپنی لغزش سے زیادہ سزا بھگت چکی تھی۔

''خود کو سنبھالو شائستہ! اس طرح سے زندگی کیسے گزرے گی۔'' ٹپ ٹپ کتنے آنسو بےآواز ان کی آنکھوں سے گرتے چہرے اور دامن کو بھگوتے چلے گئے تو مما جان نے نہایت محبت سے کہتے انہیں اپنے بازو کے حلقے میں لے کر تسلی دینے کی کوشش کی تھی، مگر مما کی آنکھوں میں مزید کرب اور اذیت بکھرتی چلی گئی تھی۔

''میری تو گزر گئی زندگی بھابھی بیگم! پتہ نہیں چند سانسیں ہیں بھی مزید کہ نہیں، بات تو زینب کی ہے، ابھی عمر ہی کیا ہے اس کی، اتنی لمبی زندگی بغیر سہارے کے کیسے گزرے گی، سوچتی ہوں تو ہول اٹھتے ہیں، مجھے صبر نہیں آ رہا، یوں لگتا ہے صبر اور قرار تو اب مر کے بھی نہیں آئے گا، زینب کی بربادی یہ دکھ ہمیشہ میری روح کو بےتاب رکھے گا۔'' وہ زار و قطار رو رہی تھیں، جب دروازے پہ آ رکنے والے معاذ نے سرد آہ بھری اور قدم بڑھاتا ہوا آ کر مما کے پاس بیٹھا پھر ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چومے اور آنکھوں سے لگائے تھے۔

''آپ کو اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے مما! ہم زینب کو ہمیشہ اس بربادی کی نذر نہیں ہونے دیں گے، خود کو سنبھالیں یہ سوچ کر کہ زینب زندگی کو پھر سے ضرور شروع کرے گی اور انشاء اللہ بہت خوش رہے گی، کسی بھی غلط فیصلے کے سدھار کی خاطر مزید فیصلہ اور مثبت انداز میں اٹھایا گیا قدم

سابق تمام دکھ درد کے ازالے کر دیا کرتا ہے۔'' معاذ کے مستحکم لہجے میں ڈھارس بھی تھی اور مستقبل کے حوالے سے پختہ عزم بھی، مما نے بےساختہ چونک کر اس کے خوبرو چہرے کو دیکھا جس پہ ازلی اعتماد کی جھلک تھی۔

''آپ کا مطلب ہم زینب کی شادی کریں گے؟'' مما ششدر تھیں۔

''آپ ایسا نہیں چاہتی ہیں کیا؟'' معاذ کی نگاہیں سوالیہ تھیں۔

''اب کون کرے گا شادی؟ یہ بہت مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہو گیا ہے بیٹے، لوگ تو کنواری لڑکیوں کو بےدردی اور سفاکی سے رد کر دیتے ہیں زینب تو پھر......''

''زینب میں کوئی عیب نہیں ہے مما۔'' معاذ نے تیزی سے ان کی بات کاٹی تھی، مما کے چہرے پہ کرب آلود مسکان بکھر گئی۔

''یہ ہمارا خیال ہے نا بیٹے! لوگ بہت ظالم ہیں، آپ کو ابھی اندازہ نہیں ہے نا دنیا کی سفاکیت کا۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہتی پھر سے بہنے والے آنسوؤں کو پونچھنے لگیں۔

''مجھے اندازہ ہے مما! لیکن دنیا میں ابھی اچھے لوگوں کا خاتمہ نہیں ہوا اور خدا مسبب الاسباب ہے، مجھے یقین ہے خدا زینب کے لئے بہتر فیصلہ فرمائے گا۔'' اس نے مما کے کاندھے کو نرمی سے دبا کر اتنے رسان سے کہا تھا اتنے مستحکم یقین اور اعتماد سے کہ مما بس اسے دیکھتی رہ گئیں، بلیک ٹو پیس میں نک سک سے درست یہ ان کا بیٹا ہمیشہ جذباتی اکھڑ بے تحاشا نخریلا اور موڈی ہی نظر آیا تھا ان کو، خود کو بے تحاشا اہمیت دینے والا مگر یہ اس کا ایک بہت الگ روپ تھا، اس کے پتہ نہیں کتنے روپ تھے، جو پہلے ہی یکسر مختلف ہوتا اور پہلے سے زیادہ انوکھا اور پیارا انہیں بےساختہ ہی اس پہ ٹوٹ کر پیار آ گیا تھا، جبھی بےاختیار اسے ساتھ لگایا پھر بےحد محبت سے اس کی صبیح پیشانی چومی تھی۔

''خدا آپ کی زبان مبارک کرے بیٹے! دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔''

''اونہہ، بہت زیادہ بچوں کی آس مت لگائیں، میرا بس ایک ہی بچہ ہو گا، ہاں اس کی زیادہ شادیاں کر کے بچوں کی موج ظفر فوج بنا لیجئے۔'' وہ شرارت سے بولا تو مما نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا۔

''کیوں آپ کا صرف ایک بچہ کیوں ہو گا؟ خدانخواستہ۔''

''آپ کی لاڈلی بہو ہمیں اتنی لفٹ جو نہیں کراتی ہیں اس لئے۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر کہہ رہا تھا، مقصد مما کا دھیان بٹانا تھا اور وہ کامیاب رہا تھا۔

''ہاں اب سارے الزام اس پہ لگا دو، تم بھی کچھ کم نہیں ہو، پتہ ہے مجھے۔'' مما کی اس بےساختگی میں کی گئی پرنیاں کی حمایت پہ معاذ نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

''آپ سے مجھے کوئی اچھی امید نہیں ہو سکتی، آپ کی یہ بےجا حمایت ہے جس نے محترمہ کو......''

معاذ کی بات ادھوری رہ گئی، پرنیاں چائے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی تھی، ٹی پنک بہت خوبصورت سے پرنٹ کی شرٹ پلین ٹراؤزر اور چادر نما دوپٹے میں بہت سلیقے سے لپٹا ہوا اس کا بھرا بھرا سراپا اور بے تحاشا تازگی نکھار اور دلکشی لئے چہرا جس پہ اب ایک مستقل سنجیدگی قیام کر چکی تھی، معاذ نے آنچ دیتی نظروں سے اس کا تفصیلی جائزہ لیا تھا۔

''بیٹے کتنی بار منع کیا ہے آپ کو اتنا کام نہ کیا کرو، آرام کے دن ہیں آپ کے۔'' مما اسے ڈانٹ

رہی تھیں، اپنے مخصوص پیار بھرے انداز میں، وہ سادگی سے مسکرائی۔

"چائے بنا کر لانا کوئی کام تو نہیں ہے مما!" مما جان اور مما کو چائے دینے کے بعد اس نے جھکی پلکوں سمیت کپ معاذ کی جانب بڑھایا، معاذ نے دانستہ خود کو سیل فون پہ مصروف کیا تھا، ناچار پرنیاں کو اسے مخاطب کرنا پڑا تھا۔

"معاذ چائے۔" معاذ نے نظروں کو سیل فون کی اسکرین سے ہٹا کر اس کے چہرے پہ جمایا، پھر ہونٹ سکوڑ کر بولا تھا۔

"مجھے نہیں پینی۔" پرنیاں کچھ حیران ہوئی البتہ کچھ کہے بغیر کپ واپس ٹرے میں رکھ دیا تو معاذ بری طرح سے چلبلا کر مما سے مخاطب ہوا تھا، پرنیاں کا اس بات کو اہمیت نہ دیتے ہوئے وہاں سے چلے جانا سلگا کے رکھ گیا تھا۔

"دیکھ لیا آپ نے مما!" اس کا انداز بے حد شاکی تھا، مما نے حیران ہو کر اسے دیکھا تھا۔

"محترمہ کو ہے پرواہ میری، مجھے پورا یقین ہے میری بجائے اگر یہ چائے پینے سے رجو نے انکار کیا ہوتا تو محترمہ ضرور سوال کرتیں تشویش ظاہر کرتیں، مگر میری پرواہ نہیں ہے۔" اس کا انداز سلگا ہوا تھا، مما جان کو مسکراہٹ ضبط کرنا محال ہو گیا، جبکہ مما نے سرد آہ بھر لی تھی۔

"بے جا شکوے شکایتیں ہیں آپ کی معاذ، پرنیاں بہت روادار گھرانے کی بچی ہے، بزرگوں کے سامنے اپنے شوہر سے زیادہ فرینک ہونا شرم وحیا کے منافی سمجھا جاتا ہے میری جان، آپ کو اتنی سی بات کو سمجھنا چاہیے۔" پرنیاں کی غیر موجودگی میں بھی اس کی طرفداری معاذ کو ہرگز پسند نہیں آسکی تھی، جبھی ہونٹ بھینچے اٹھا اور پلٹ کر کمرے سے نکل گیا، مما ہاتھ میں پکڑے مگ پہ نگاہیں مرکوز کیے پھر کسی گہری سوچ میں ڈوب چکی تھیں۔

☆☆☆

خدا کی مرضی ہے وہ میرے ہاتھوں پہ ہجر لکھے وصال لکھے
رضا جو اس کی ہے میں بھی خوش ہوں عروج بخشے زوال لکھے
سنو میرے دل کی آج سے ہیں جدا جدا سب ہمارے رستے
تمہارے رستے پہ چل کے ہم نے دکھ پڑے ہیں ملال لکھے
جو ممتحن تھا بنایا اس نے ہے اتنا مشکل حیات پرچہ
کہ ہم سے ممبر تو فیل ہوں گے ہیں اس نے ایسے سوال لکھے
یہ لفظ میرے ہیں درحقیقت سب قصیدے تیری ادا کے
ہے جو بھی حرف لکھا یا لفظ لکھا ہیں اس میں تیرے جمال لکھے

تولیے سے لابنے بالوں کو رگڑ کر خشک کرنے کے بعد اس نے ہلکے سے جھٹکے سے پشت پہ گرایا پھر تولیہ ہاتھ سے رکھتے ہوئے آئینے میں اپنے چہرے کو ذرا دھیان سے دیکھا تھا، ایک عجیب سا ملال پورے وجود میں از سرِ نو سرائیت کر گیا تھا، ماند پڑتی رنگت اور آنکھوں تلے موجود گہرے حلقوں کے باعث مضمحل سی یہ لڑکی کہیں سے بھی زینب کا عکس نہیں لگتی تھی، وہ زینب جو طرحدار خود پسند اور خود آگاہ تھی، حالات کے ایک ہی زوردار پنجے نے اس سے سب کچھ چھین لیا تھا، غرور و ناز خود ستائشی کا احساس

اور اس کی خوبصورتی بھی، عجیب کھیل کھیلا تھا قسمت نے اس کے ساتھ، نوازنے پہ آئی تو نوازتی چلی گئی، ایک کے بعد دوسری نعمت اور زینب نے اپنے تئیں خود کو اپنے حسن کا سارا کریڈٹ دے لیا مگر پھر کھلا یہ تو آزمائش تھی ایک کڑے وقت کی شروعات کے لئے، سب کچھ چھن گیا، ذات کا مان فخر اور سب سے بڑھ کر گھر گرہستی، کیسے جیئے گی وہ......؟

دنیا کا سامنا آسان نہیں تھا، چاہے وہ بے قصور تھی مگر طلاق یافتہ تو تھی، تیمور نے یہ آخری زخم ایسا لگایا تھا جس کی دکھن عمر بھر ساتھ چلنی تھی، کل اس کی عدت بھی پوری ہو گئی تھی، آج پرنیاں بڑی مشکلوں سے اسے نہانے کپڑے بدلنے پہ آمادہ کر سکی تھی، وہ خود بھی آخر کب تک منہ چھپا کر کمرے میں پڑی رہ سکتی تھی، حالات کا سامنا تو کرنا ہی تھا۔

جنہوں نے شاید آگے آگے مزید کڑے ہوتے جانا تھا، اس کی آنکھوں میں پھر سے آنسو اترنا شروع ہوئے تھے کہ کمرے میں اچانک پرشور انداز میں بج اٹھنے والے میوزک کی آواز نے اسے گھبراہٹ سے دوچار کر دیا، اس کا دل اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ معمولی آہٹ پر بھی کئی کئی منٹ تک دھڑکنیں منتشر کیے رکھتا، تکیے کے پاس پڑا موبائل نیم اندھیرے میں روشن نظر آیا، شاید اسے بھی پرنیاں نے ہی آج چارج کر کے یہاں رکھا تھا، وہی ہر وقت اسے زندگی کی طرف لانے کی جدوجہد میں سب سے زیادہ مصروف نظر آیا کرتی تھی، یا پھر ژالے تھی جو خاموشی سے ہر خدمت انجام دیا کرتی، فاطمہ کو سنبھالنا زینب کے لباس اور کھانے پینے کو تینوں وقت وہی ٹرے سجا کر لایا کرتی، البتہ بات بہت کم کیا کرتی، شاید وہ زینب کے پہلے سلوک کے باعث ابھی تک اس سے خائف تھی، بھابھی نوریہ، مما، مما جان، معاذ، زیاد کون تھا جو اسے خصوصی اہمیت سے نہیں نوازتا تھا، ہر انداز سے محبت اور دلجوئی کا احساس چھلکتا تھا مگر اس کے تو اندر سے ہی زندگی مر گئی تھی، پپا کے سامنے سے خاص طور پہ خائف ہوا کرتی، اسے اپنی من مانی کا احساس اب شرمندگی کی اتھاہ میں اتارے رکھتا تھا، گھنٹی بج بج کر بند ہو گئی مگر اس نے فون نہیں اٹھایا، بال سلجھا کر بے دلی سے برش رکھتی وہ بیڈ کی جانب آئی تو یہ تیسری بار گھنٹی بج رہی تھی، پتہ نہیں کون تھا اتنا مستقل مزاج...... اس نے کوفت سے سوچا اور ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھایا مگر اگلا لمحہ اس پر بہت بھاری ثابت ہوا تھا، سیل فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا، وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے اسکرین پہ چمکتے بار بار تیمور خان کے نام کو دیکھ رہی تھی، اس پہ جو اچانک افتاد ٹوٹی تھی اس کے بعد اتنا ہوش کہاں رہا تھا کہ وہ اس بدبخت انسان کا نمبر اپنی فون بک سے کاٹ دیتی، مگر سوال یہ پیدا ہوتا تھا اب ہر تعلق واسطہ توڑ دینے کے بعد وہ یوں اتاؤلا ہو کر کیوں فون کر رہا تھا، اب گھنٹی کوئی دسویں بار بج رہی تھی، زینب کے دل کو شدید قسم کی گھٹن کے احساس نے گھیر لیا، اس نے ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھایا اور اس کا سرخ بٹن زور سے دبا دیا، اگلے لمحے موبائل کی اسکرین تاریک ہو چکی تھی، زینب نے سرد نظروں سے سیل فون کو دیکھا اور اسے ٹیبل پہ اچھال دیا، مگر وہ نہیں جانتی تھی یہ مسئلے کا حل بہرحال نہیں تھا۔

☆☆☆

جنگل تھے تاریک کہیں کہیں مٹی ریت کے ٹیلے تھے
عشق کی راہ میں آنے والے پتھر بھی نوکیلے تھے
تیرے عشق کے ناگ کا ڈسنا کچھ اتنا زہریلا تھا

میری آنکھ سے بہنے والے آنسو نیلے نیلے تھے
سانسوں کی شطرنج پہ ہارے پھر بھی مل نہ پائے وہ
ان کے پیار میں حائل شاید ریت رواج قبیلے تھے

وہ ساکن بیٹھی تھی جیسے پتھرا گئی ہو، تیمور خان کی بار بار فون کالز نے اسے مضطرب ہی نہیں متفکر بھی کر ڈالا تھا، وہ اپنے ہر انداز سے ہارا ہوا پژمردہ لگتا تھا، بار بار اپنی غلطی کی معافی مانگتا ہوا اور ازالے کے بھرپور وعدے کے ساتھ، وہ پھر اس کی راہوں میں اس کا منتظر کھڑا تھا، زینب کے اندر کتنی وحشت کس درجہ خوف در آیا تھا اس سے بات کر کے۔

''اب کچھ نہیں ہوسکتا ہے تیمور، ہر کوشش ناکام ہو چکی تمہاری، تم نے برباد کر دیا مجھے۔'' وہ رو ہی نہیں پڑی تھی، نفرت سے بھی چیخی تھی۔

''مجھے معاف کر دو زینب، مجھے ایک پل کو بھی قرار نہیں ہے، میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا، تم جانتی ہو نا میں تب نشے میں تھا، ورنہ کبھی تمہیں خود سے جدا نہ کرتا، خود سوچو زینی میں ایسا کر سکتا تھا، کتنی مشکلوں سے حاصل کیا تھا تمہیں۔''

''مجھے کچھ نہیں سننا ہے، آئندہ یہاں فون مت کرنا۔'' اس نے لینڈ لائن کا ریسور پٹخ دیا تھا، پھر خاموش کالز کا سلسلہ شروع ہو گیا، وہ ہر بار نئے نمبر سے کال کرتا کسی اور کے فون اٹھانے پہ چپ سادھ لیتا اگر زینب بات کرتی تو اس کی منت سماجت کرتے گڑگڑانے لگتا۔

''مجھے ایک بار اپنی بیٹی سے ملنے دو زینب۔''

''تمہیں اس کی ضرورت نہیں، یہ تم نے خود کہا تھا، آئندہ اس کا نام بھی نہ لینا۔'' زینب کے اندر اشتعال امڈ آیا تھا، یہ اس کی پھٹکار اور ملامت ہی تھی کہ تیمور خان نے پھر سے چولا بدلا اور اپنی اصلیت ظاہر کر دی۔

''مجھے ہر قیمت پہ تم سے ملنا ہے زینب ورنہ میں کچھ بھی کر گزروں گا یاد رکھنا۔''

''کیا کرو گے تم؟ اور کیوں ملوں تم سے اب میں، میرا کوئی تعلق نہیں رہا ہے تم سے۔'' زینب کا خون کھولنے لگا تھا ہٹ دھرمی اور ڈھونس کے اس مظاہرے پر۔

''تعلق کو پھر سے بنایا جا سکتا ہے، میں ہرگز بھی تم سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہوں کان کھول کر سن لو تم۔'' اب کے وہ اپنے مخصوص چٹانی لہجے میں گرج کر بولا تو زینب ششدر ہونے کے ساتھ خائف بھی ہونے لگی۔

''کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا، تمہیں یاد ہو تو تم مجھے طلاق دے چکے ہو۔''

''تم میری بات سننے پہ آمادہ ہو تو میں بتاؤں نا کہ اس مسئلے کا حل بھی موجود ہے۔'' تیمور کے جھنجھلا کر کہنے پہ زینب کے وجود میں سرد لہریں دوڑنے لگی تھیں۔

''کیا کہنا چاہتے ہو؟'' اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

''تم اتنی نادان ہو کہ نہیں سمجھ رہیں تو میں کھول کر بتا دیتا ہوں، حلالہ ہے اس کا حل۔'' اس کی بات کے جواب میں وہ پھنکارا تھا اور زینب نے ایک جھٹکے سے ریسور کریڈل پہ پٹخ دیا، اس کی ٹانگیں ہی نہیں پورا وجود لرزنے لگا تھا، وہ صحیح معنوں میں تیمور سے خوفزدہ ہو گئی تھی، پتہ نہیں وہ اب اس کے ساتھ کیا

کھیل کھیلنا چاہتا تھا، گھنٹی پھر بجنے لگی تھی تب اس نے ریسور کو اٹھا کر سائیڈ پہ رکھ دیا، پلٹ کر اپنے کمرے میں جانے کی کوشش بے جان ہوتی ٹانگوں کے باعث ناکام ہوئی تو وہ وہیں سیڑھیوں میں بیٹھ گئی تھی اور یونہی جانے کتنی دیر بیٹھی رہتی کہ آفس سے واپس آئے جہان کی نگاہ اس کے گم صم ساکن وجود پہ جا ٹھہری تھی۔

پرنیاں اور بھابی وغیرہ کے بے حد خیال کرنے کے باعث اتنا ہوا تھا کہ اس کے بال سلجھے ہوئے اور لباس صاف ستھرا نظر آنے لگا تھا، مگر آنکھوں کے حلقے لبوں پہ خاموشی کی مہر اور آنکھوں کی گہرائیوں میں آ بسنے والی یاسیت کا حل تو شاید ان کے پاس بھی نہیں تھا، چوٹی سے نکل کر لٹوں کی صورت بکھرے بال بھیگی نم پلکیں اور کاندھے سے ڈھلک کر سیڑھیوں پہ دور تک پھیلا آنچل، وہ اس کی آمد سے تو کیا خود سے بھی بے خبر تھی گویا، جہان کا دل دکھ کے لامتناہی احساس سے بھرتا چلا گیا۔

''زینب...... کیا ہوا؟'' زینے طے کر کے وہ اس کے پاس آن رکا، تب زینب نے چونک کر سر اٹھایا اور خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا، کتنی ویرانی تھی اس کی آنکھوں میں، جہان نے ہونٹ بھینچ لئے۔

''اٹھو اندر چلو۔'' جہان نے اپنا بریف کیس ایک ہاتھ سے دوسرے میں منتقل کیا اور نرمی بھرے انداز میں اسے مخاطب کیا تھا، زینب نے کچھ دیر اسے دیکھا تھا، گرے ٹو پیس سوٹ میں میچنگ ٹائی لگائے، فریش شیو اور چہرے کی تازگی و متانت کے ہمراہ وہ اپنے بے حد شاندار اونچے لمبے مضبوط سراپے کے ہمراہ اس کے روبرو تھا، زینب نے سرتاپا اسے دیکھا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

کبھی وہ اس کے لئے تھا، مگر اب نہیں، وہ وقت گزر گیا تھا، ایک عجیب سے زیاں و ملال کے احساس نے ایک عرصے بعد پھر سے دل کے دروازے پہ دستک دی۔

''ایسے کیوں بیٹھی ہو زینب؟'' جہان کو اب اس کے انداز سے تشویش ہونے لگی تھی۔

''وہ مجھے جینے نہیں دے گا، ہمیشہ یونہی مجھے ہراساں کیے رکھے گا۔'' اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا، جہان چونک اٹھا۔

''کون؟ کس کی بات کر رہی ہو؟'' زینب نے اس سوال پہ جیسے گہرے خواب سے جاگ اٹھنے والے انداز میں ہڑبڑا کر اسے دیکھا جہان کی سوالیہ اور متفکرانہ نگاہیں اس پہ مرکوز تھیں، وہ ایک دم گڑبڑائی، جانے کیا نکل گیا تھا اس کے منہ سے۔

''ک...... کچھ نہیں...... میں چلتی ہوں۔'' اس نے ہکلا کر کہا اور ایک جھٹکے سے اٹھی، جہان حیران سا کھڑا اسے اپنے دوپٹے میں الجھ کر وہاں سے دور ہوتے دیکھتا رہا، گہرا سانس بھر کے وہ کمرے میں آیا تو ژالے فاطمہ کو کاندھے سے لگائے وارڈ روب کے آگے کھڑی تھی، آہٹ پہ مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

''چائے لاؤں آپ کے لئے؟'' جہان نے بیگ رکھ کر اس سے فاطمہ کو لے کر پیار کیا تو ژالے نے پوچھا تھا۔

''لے آنا مگر یہ بیگ......؟'' اس کی نگاہیں وارڈ روب کے پاس کارپٹ پہ پڑے بیگ پہ سوالیہ انداز میں جا رکیں جس میں ژالے اپنے ایک دو جوڑے رکھ بھی چکی تھی۔

''مما مجھے لاہور بلا رہی ہیں شاہ۔''

''اور تم چلی جاؤ گی؟'' جہان نے سوئی ہوئی فاطمہ کو بستر پہ لٹاتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا۔

"آپ کہیں گے تو چلی جاؤں گی ورنہ نہیں۔" ژالے کے جواب پہ جہان نے ٹھنڈا سانس بھر کے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے کوٹ اتارا، جسے ژالے نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس سے لیا تھا اور ہینگ کرنے لگی۔

"اصولاً تو مجھے نہیں روکنا چاہیے کہ تمہیں ان کے پاس گئے بھی کم از کم چار پانچ ماہ ہو گئے ہیں مگر ژالے یہاں کے حالات اور سب سے بڑھ کر فاطمہ...... تم سے اس درجہ اٹیچ ہو گئی ہے کہ...... زینب ابھی ہرگز اس کنڈیشن میں نہیں کہ فاطمہ کی ذمہ داری کو قبول کر سکے۔"

"جی آپ پریشان نہ ہوں، میں نہیں جاؤں گی۔" ژالے نے اس کی تسلی کی خاطر ہی مسکرا کر کہا تھا مگر جہان کچھ الجھا ہوا تھا۔

"کتنے دنوں کو جانا ہے تمہیں؟"

"کم آن شاہ! یہ اتنی اہم بات تو نہیں کہ آپ یوں پریشان ہو جائیں، پھر چلی جاؤں گی میں مما کو سمجھا دوں گی۔" وہ نرمی سے کہہ کر کمرے سے نکل گئی، جہان اسی الجھن میں ڈوبا ہوا باتھ روم میں گیا تھا، فریش ہونے کے بعد تولیے سے بال خشک کرتے باہر آیا تو ژالے اس کے لئے چائے بنا کے لے آئی تھی۔

"چائے پی لیں تو مما جان کی بات سن لیجئے گا، بلا رہی ہیں آپ کو۔" جہان جو اسے بغور دیکھنے لگا تھا ژالے اس کی اسی توجہ کے ارتکاز کو ہٹانے کی غرض سے دانستہ بولی تھی۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا ژالے؟ دن بدن کمزور ہو رہی ہو، آنکھوں تلے بھی حلقے ہیں۔" جہان نے اس کا ہاتھ تھام لیا، ژالے کی جیسے جان پر بن کر آنے لگی، وہ ہر لحہ جہان کے اس سوال سے ہی خائف رہا کرتی تھی، اس کا ٹریٹمنٹ اس مرتبہ بہت لیٹ ہو چکا تھا، یہ اسی کی اثرات تھے کہ وہ ہر لحہ گھلتی جا رہی تھی، جہان کو پا لینے کے باوجود وہ اس بیماری کو شکست دینے میں بڑی طرح سے ناکام رہی تھی، حالانکہ کبھی وہ وقت تھا جب وہ پورے یقین سے سوچا کرتی تھی اگر جہان اسے پورے کا پورا مل جائے تو وہ اس بیماری کو ہرا سکتی ہے۔

"ژالے مجھے نہیں بتاؤ گی؟" جہان کی تمام تر توجہ اسی پہ تھی اور وہ ہر لحہ پگھل کر ڈھیر ہو رہی تھی گویا۔

"کچھ خاص نہیں ہے شاہ، بس راتوں کو صحیح طرح سو نہیں پا رہی۔"

"اس کا مطلب سارا الزام مجھ پہ آ گیا؟ یار میں تو بہت خیال کرتا ہوں تمہارا؟" جہان کی ہلکے پھلکے انداز میں کہی بات پہلے تو ژالے کے سر سے گزری پھر سمجھ آنے پہ وہ اسی لحاظ سے سرخ پڑ گئی تھی، جہان نے بہت دلچسپ نظروں سے اس کے اس درجہ حسین انداز کو دیکھا تھا، وہ اپنی معصومیت فطری سادگی اور جاذبیت بھری دلکشی اور طبیعت کے محبت بھرے انداز کے باعث بہت تیزی سے جہان کے دل میں جگہ بنا گئی تھی، بلکہ اگر وہ کہتا کہ اسے ژالے سے محبت ہو گئی تھی تو ہرگز غلط نہ تھا، پچھلے بہت سارے دنوں زینب کی وجہ سے جو ٹینشن پھیلی تھی اس میں ژالے نے جس طرح جہان اور پورے گھر والوں کے ساتھ محبت اپنائیت اور ہمدردی کا انداز اپنایا تھا اس نے صحیح معنوں میں جہان کے دل میں ژالے کی قدر کے احساس کو گہرا کیا تھا، وہ خود ہی صرف خوبصورت نہیں تھی خوبصورت دل کی بھی مالک تھی، وہ محبت کی مٹی سے بنائی گئی تھی جس کا کام ہر کو محبت بانٹنا تھا، جب جہان نے اسے جانا تھا سمجھا تھا پھر خود کو اس سے محبت

ہی رخ کر رہ گئے، ڈائننگ ہال میں لحہ بھر کو اتنے افراد کی موجودگی کے باوجود سناٹا سا پھیل گیا، پرنیاں اتنی خائف ہوئی تھی کہ جلدی سے کرسی کھینچ کر اس کے مقابل بیٹھ گئی، ابھی کل ہی وہ اسے بری طرح سے جھڑک کر یہ باور کرا چکا تھا کہ اسے اس کا اس حال میں یوں سب کے سامنے گھومنا پھرنا پسند نہیں، اس کے بعد تلخ باتوں کا ایک لمبا لیکچر تھا جس میں ایسی بے حیا عورتوں کے لئے شدید نفرت کا اظہار تھا جن کو اپنا آپ اس حالت میں بھی نمایاں کرنے کا شوق ہوتا ہے، پرنیاں شرم خفت اور غصے سے دہک اٹھی تھی، سب جانتے تھے وہ اس معاملے میں خود کتنی حساس تھی، جب سے وہ پریگننٹ ہوئی تھی اس نے مستقل خود کو بڑے دوپٹے اور بھاری چادر میں ڈھانپ کر رکھنا شروع کر دیا تھا، وہ معاذ کے علاوہ گھر کے کسی فرد کے سامنے شادی سے پہلے تک بھی ننگے سر نہیں آتی تھی، معاذ کی یہ سراسر الزام تراشی اسے بھڑکا کے رکھ گئی تھی مگر محض اس کے منہ نہ لگنے کے خیال سے وہ خاموش رہی تھی، مما کے بیمار ہونے کے باعث کام کا بہت لوڈ خودبخود اس پہ آ گیا تھا، بھابھی کے بچے تھے ماریہ کو یونیورسٹی جانا ہوتا، لے دے کر ژالے اور وہی رہ جاتی تھیں، مگر بھابھی کے ہاتھ بٹانے کے باوجود پرنیاں کو کئی کام بھاگ بھاگ کر خود کرنے پڑتے تھے جیسے اب ناشتہ لے کر یہاں آنا۔

"پرنیاں آج آپ کو چیک اپ کو بھی جانا ہے نا بیٹے؟" کچھ دیر کی گمبھیر خاموشی کے بعد مما نے اسے مخاطب کیا تھا، وہ اس کے شرمندہ سے انداز کو محسوس کر چکی تھیں، غلطی معاذ کی تھی مگر ازالے کی کوشش میں وہ ہلکان رہا کرتی، پتہ نہیں اس نازک سی لڑکی نے کب تک ان کے بگڑے ہوئے بیٹے کی غلطیوں پر پردے ڈالنے تھے، ایسے سمے انہیں کچھ اور بھی ٹوٹ کر اس پہ پیار آیا کرتا۔

"جی مما! تین بجے جانا ہے۔" پرنیاں نے سلائس پہ مکھن لگا کر زینب کو دیا پھر ٹی پاٹ اٹھا کر چائے بنانے لگی۔

"سن لیا معاذ! تین بجے آپ کو گھر پہ موجود ہونا چاہیے۔" معاذ نے اس حکم نامے پہ نخوت بھرے انداز میں بھنوؤں کو اٹھایا تھا۔

"چیک اپ کو یہ جائیں گی، میرا اس وقت حاضر ہونا کیوں ضروری ہے؟" اس کے لہجے کی ناگواریت نے مما کے ساتھ پرنیاں کو بھی ساکن کیا تھا۔

"اس لئے کہ پرنیاں کو آپ ہی ڈاکٹر علینہ کے کلینک لے کر جاؤ گے۔" مما کے آرڈر پہ معاذ نے بے حد تنگ پڑتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"میری بہت اہم میٹنگ ہے مما! سو معذرت میں نہیں آ سکوں گا۔" اس واضح اور صاف جواب کی مما کو شاید توقع نہیں تھی جبھی کچھ ثانیوں کو بول ہی نہ سکیں۔

"آپ کی میٹنگ زیادہ اہم ہے اس کام سے؟" مما کو جتنا غصہ آیا تھا اسی حساب سے تلخ ہو کر بولی تھیں، معاذ کے چہرے پہ زہر خند پھیلا۔

"کم آن مما! اتنی چھوٹی اور معمولی باتوں کے لئے جذباتی نہ ہو جایا کریں۔"

"چھوٹی اور معمولی بات کیا ہے تمہارے نزدیک معاذ؟" مما نے بھڑک کر کہا تو پرنیاں جو ہونٹ بھینچے ہوئے تھی بے اختیار عاجزی سے ان کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا، مما نے چونک کر اس کے چہرے کو دیکھا جہاں کرب آمیز بے بسی تھی، اپنا بھرم قائم رکھنے کی التجا آنکھوں میں لئے وہ انہیں نم آنکھوں

سے دیکھ رہی تھی، مما کو ایکدم سے چپ لگ گئی، معاذ نے اطمینان سے ناشتہ کیا تھا پھر نارمل انداز میں وہاں سے چلا گیا، جہان جس نے یہ سب کچھ دیکھا اور سنا تھا آہستگی سے اٹھ کر ان کے نزدیک آ گیا۔

''پریشان نہ ہوں چچی جان! میں آ جاؤں گا آپ پرنیاں کو لے کر میرے ساتھ چلیے، معاذ کو بھی میں سمجھاؤں گا۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں انہیں تسلی دے رہا تھا، پرنیاں وہاں سے اٹھ چکی تھی، زینب نے سر اٹھا کر جہان کو دیکھا، وہ آج بھی ویسا ہی تھا، ہر مسئلے کا حل نکال لینے والا، ہر کسی کی مدد کو تیار، شاید وہ حقیقتاً ایسا تھا، نیک اور باوقار...... تو کیا وہ اس کے قابل نہیں تھی؟

ایک سوال ذہن میں اٹھا تھا اور پورے وجود میں بے چینی بھر گیا، اس نے سلائس واپس رکھا اور کرسی دھکیل کر اٹھ گئی، یہ جانے بغیر کہ جہان کو اس کے اس اقدام نے بھی پریشانی میں مبتلا کیا ہے۔

☆☆☆

اسے اک سلطنت اک راجد ھانی چاہیے تھی
محبت میں بھی اس کو حکمرانی چاہیے تھی
بچھڑنے کا وہ پہلے سے تہیہ کر چکا تھا
اسے میری طرف سے بدگمانی چاہیے تھی
وہ پھر سے امتحاں یہ لینے لگا ہے
ہمیں اس عمر میں اک مہربانی چاہیے تھی
ادا مجھ کو فقط تھا سرسری کردار کرنا
اسے شہرت کی خاطر اک کہانی چاہیے تھی

وہ واپس گھر لوٹی تو باہر موجود گرمی سے ہی نہیں اندر جلتی آگ سے بھی جل اٹھی تھی، آنکھوں میں مچلتے آنسوؤں کو اس نے کتنی مشکلوں سے جہان اور مما کے سامنے روکے رکھا تھا اور کس اذیت سے گزری تھی یہ بس وہی جانتی تھی یا پھر اس کا خدا، پتہ نہیں اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود وہ معاذ کی طرف سے خوش گمان کیوں رہتی تھی، کسی نئے دھچکے کے لئے خود کو تیار کیوں نہ کر پاتی تھی، اس نے بہت زچ ہو کر بہتی آنکھوں کے ساتھ سوچا تھا وہ تھا ایسا، فلرٹ بھی بدکردار بھی اور بے باک بھی، پھر وہ کیوں سمجھوتہ نہیں کر لیتی تھی، اب اگر اسے کسی لڑکی کے ساتھ ریسٹورنٹ میں بیٹھے دیکھ لیا تھا جو اس پہ کیسے گری جا رہی تھی جیسے گود میں سوار ہونے کاندھوں پر چڑھ جانے کو بے تاب ہو، اس کی اتنی بے تکلفی کے جواب میں اگر معاذ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی تو کیا عجیب تھا، کچھ بھی نہیں پھر وہ اتنی ہرٹ کیوں ہو رہی تھی جبکہ وہ اسے نیلما کے ساتھ بھی بے تکلفی کی حدوں کو پھلانگتے دیکھ چکی تھی مگر پھر بھی اس کا طیش تھا بے بسی تھی کہ کسی طور نہ قرار پاتی تھی، معاذ کے رات گئے لوٹنے تک وہ گویا جلے پیر کی بلی بنی اس کے انتظار میں ٹہلتی رہتی تھی، معاذ اندر آیا تو اسی وقت وہ بہت تھک کر بیٹھی تھی اور جھکے سر کے ساتھ اپنے پیروں میں اتری سوزش کو دیکھ رہی تھی، معاذ نے اسے نظر انداز کیے اپنے معمول کے کام نپٹائے تھے، چینج کرنے کے بعد اس نے قدرے دھیان سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا ابھی بھی کوئی گنجائش ہے؟'' اس کا لہجہ کاٹ دار طنز سموئے مگر نا فہم تھا، پرنیاں نے بے دلی سے سر اٹھایا، گویا سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

کرنے سے بھی روک نہیں سکا تھا۔

''کل میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلنا، میرا خیال ہے کہ تم پریگنٹ ہو۔'' جہان نے اس کے بالوں کی موٹی سی لٹ کو اپنی انگشت پہ لپیٹتے ہوئے کہا تو ژالے کی رنگت بے اختیار متغیر ہوا تھی فوری طور پہ اسے بالکل نہیں سوجھا کہ وہ جہان کی بات کا کیا جواب دے، اس کے اندر تو ڈاکٹر کے پاس جانے کے احساس نے ہی سرسراہٹ بھر دی تھی۔

''آپ بھی پتہ نہیں کیسی کیسی باتیں سوچنے لگے ہیں شاہ! ایسا کچھ نہیں ہے میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔''

''ٹھیک ٹھاک ہی ہو، میں نے کب کچھ کہا ہے، یار بس ہماری فیملی میں بھی اضافہ ہونے والا ہے۔'' جہان ہنسا تو ژالے کے دل سے ہوک سی اٹھی تھی، ان کی شادی کو کتنے مہینے ہو گئے تھے مگر ابھی تک اسے ایسی کوئی خوشخبری نہیں ملی تھی اور وقت تھا کہ ریت کی طرح اس کی مٹھی سے پھسلتا جا رہا تھا، شاید مما کے ساتھ اس کی بھی یہ خواہش یونہی تشنہ رہ جانی تھی جو جہان سے وابستہ ہونے کے بعد دل میں گھر کر گئی تھی۔

''شاہ! فاطمہ کتنی پیاری ہے نا؟'' ژالے نے محض اس کا ذہن بٹانے کو ہی گفتگو کا رخ پلٹا تھا، جہان نے چائے کا سپ لیتے ہوئے مسکرا کر سوئی ہوئی فاطمہ کا معصوم اور پیارا سا چہرا دیکھا۔

''ہاں یہ بالکل زینب پہ گئی ہے، وہ بھی ایسی ہی تھی، اتنی ہی نازک اسی کی طرح کیوٹ اور چارمنگ۔'' جہان کا لہجہ جیسے خواب آسا ہو گیا، وہ ماحول سے کٹ کر جیسے بہت پیچھے چلا گیا تھا، مکمل طور پہ زینب کی ذات میں گم، ژالے نے ایک نظر اسے دیکھا پھر آہستگی سے سر جھکا لیا، اس کے پاس کہنے کے لئے اور کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔

☆☆☆

''زینب نہیں آئی ناشتہ کے لئے؟'' معاذ کف لنکس بند کرتا ہوا ڈائننگ ہال میں آیا تو ایک ہی نگاہ کے جائزے میں زینب کی کمی محسوس کر کے استفسار کیا تھا، آج کل اسے سب سے زیادہ زینب کی فکر اور خیال رہتا تھا۔

''بیٹھ جاؤ بیٹے! ماریہ بلانے گئی ہے زینی کو۔'' مما نے اسے الٹے قدموں پلٹتے دیکھ کر ٹوکا تھا، معاذ نے کچھ سوچا پھر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا، اسی پل پرنیاں ٹرالی گھسیٹتی ہوئی اندر آئی تھی اور ٹیبل کے قریب آ کر ناشتے کے لوازمات چننے لگی، اس کے ڈلیوری کے دن قریب قریب تھے، بھرا بھرا سا وجود اور چہرے پہ جیسے ساری دنیا کا حسن سمٹ کر بسیرا کر چکا تھا، اتنی حسین تو شاید وہ کبھی بھی نہیں تھی جتنی آج کل آ کر لگنے لگی تھی، ڈھیلے ڈھالے لباس اور بڑی سی چادر میں ہمہ وقت اس سلیقے سے چھپی کہ بغور دیکھنے پہ ہی اس کی اس پوزیشن کا احساس کیا جا سکتا تھا۔

''بیٹے اب آپ بیٹھ جاؤ تھک جاؤ گی۔'' مما نے اسے پھر کسی کام سے باہر جاتے دیکھا تو بے اختیار ٹوکا۔

''نہیں کیا ضرورت ہے بیٹھنے کی، ساری دنیا کا نظام انہی کے کندھوں پہ تو سوار ہو کر چل رہا ہے۔'' معاذ نے آف موڈ کے ساتھ کہتے چائے کا کپ زور سے ساسر میں پٹخا اس طرح کہ کپ اور ساسر دونوں

''کھانا لاؤں یا میں کسی اور کو کہوں؟'' وہ سخت جھنجلایا ہوا نظر آ رہا تھا، پرنیاں کے گمان تک نہ تھا، وہ اب تک بھوکا پھر رہا ہوگا، گہرا سانس بھرتے وہ اٹھی تھی اور کچن کی جانب آ گئی۔

''چائے لیں گے یا کافی؟'' دس منٹ بعد وہ اس کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''کچھ نہیں، مجھے سونا ہے۔'' وہ کھانے میں مگن رہ کر رکھائی سے بولا۔

''کل کالج جا رہے ہیں آپ؟'' پرنیاں کے سوال نے معاذ کو سر اٹھانے اور اسے تمسخرانہ نظروں سے دیکھنے پہ مجبور کیا تھا۔

''ظاہر ہے، ورنہ تمہارے گھٹنے سے لگ کر بیٹھنے کی عادت نہیں ہے میری۔''

''میرے گھٹنے سے لگ کر بیٹھنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب وہاں آپ کو ایسی بہت ساری میسر آ جاتی ہیں۔'' جواباً پرنیاں کا لہجہ بھی زہر آلود تھا، پانی کے گلاس کو اٹھاتا معاذ کا ہاتھ اسی زاویئے پہ ساکن رہ گیا۔

اس نے چونک کر تیکھی نظروں سے پرنیاں کو دیکھا جس کے چہرے پہ برہمی تھی، یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے ایسی کسی بات پہ براہ راست طعنہ زنی کی تھی اور اپنی ناگواری جتلائی تھی، معاذ کو عجیب سے احساس نے گھیر لیا۔

''تو یہ تھی آپ کی اہم میٹنگ کی وجہ...... شرم تو نہیں آتی ہوگی آپ کو؟''

''شٹ اپ، تم کیا بکواس کر رہی ہو اندازہ ہے تمہیں؟'' وہ دھاڑ اٹھا تھا، پرنیاں نے دہک جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

''ایک بات یاد رکھیے گا معاذ اب بھی اگر آپ اپنے ان فضول کارناموں سے باز نہیں آئے تو میں مما کو آپ کی ساری حرکتیں کھول کر بتا دوں گی۔'' وہ پھٹ پڑی تھی، معاذ ایک جھٹکے سے اٹھا اور اس کے نزدیک آتے ہی اس کا ہاتھ بہت جارحانہ انداز میں پکڑ کر بے دردی سے اپنی جانب کھینچا۔

''کیا حرکتیں ہیں میری؟ بکو۔'' اپنی سرد نظریں اس کی آنکھوں میں گاڑھتے ہوئے وہ زور سے پھنکارا تھا مگر وہ ہرگز خائف نہیں ہوئی۔

''آج ساڑھے تین بجے سپر اسٹار ہوٹل میں گلاس وال کی ٹیبل پہ آپ نہیں تھے مکر جائیں، وہ لڑکی کون تھی جس کی گھٹیا اداؤں پر مرمٹ رہے تھے آپ، آج کے بعد آپ کالج نہیں جائیں گے سنا آپ نے۔'' وہ جواباً اس سے بڑھ کر زور سے چیخی تو معاذ نے طیش سے بپھرتے ہوئے بے اختیار اس کے منہ پہ زوردار تھپڑ دے مارا تھا، پرنیاں ایکدم سناٹے میں گھر گئی تھی، شاید اسے معاذ سے اس درجہ ڈھٹائی کی ہرگز امید نہیں تھی۔

''ہاں وہ میں تھا، کیوں مکروں، تم سے ڈرتا نہیں ہوں، کر لو جو کر سکتی ہو اور کالج جانے پہ پابندی لگانے والی تم کون ہوتی ہو؟ اوقات کیا ہے تمہاری میرے نزدیک، وہ تم پہ میں بہت اچھی طرح ثابت کر چکا ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں کس درجہ شدید نفرت اور تلخی تھی، پرنیاں سکتہ زدہ سی اسے دیکھتی رہی، وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا، کیا اوقات تھی بھلا اس کی، وہ تو ایک ٹشو پیپر سے بھی حقیر تھی، اسے بھی وقت ضرورت دوسری مرتبہ استعمال کیا جا سکتا ہے مگر معاذ نے تو...... اس سے آگے اس کی سوچیں تک جامد ہو گئی تھیں،

اس رات وہ نہ روئی نہ تڑپی بس اس سکتے کی کیفیت میں رہی تھی، شاید واضح اور قطعی انداز میں یاد دلائی گئی اوقات اسے دکھ سے منجمد کر گئی تھی۔

☆☆☆

اندھیری رات میں شمع جلانا بھول جاتے ہو
ہماری یاد آتی ہے بتانا بھول جاتے ہو
تمہاری اک یہی عادت پریشان ہم کو رکھتی ہے
نظر میں آ تو جاتے ہو سمانا بھول جاتے ہو
تمہارے ہاتھ میں اکثر گلابی پھول دیکھا ہے
ہماری راہ میں اکثر بچھانا بھول جاتے ہو
تمہیں تو لوٹ جانے کی ہی اکثر فکر رہتی ہے
مگر جب لوٹ جاتے ہو تو آنا بھول جاتے ہو
سنا ہے تم ہتھیلی پر ہمارا نام لکھتے ہو
مگر جب ہم سے ملتے ہو دکھانا بھول جاتے ہو

تیمور کی بھیجی یہ غزل اس نے سرسری نگاہ سے پڑھی اور اگلے لمحے انگلی کی جنبش سے اسے ڈیلیٹ کر دیا تھا، اسے قطعی سمجھ نہیں آتی تھی تیمور اب اس طرح اس کے پیچھے پھر سے کیوں پڑ گیا تھا، وہ اسے کھل کر بتا سکتی تھی کہ اسے کتنی شدید نفرت ہے اس سے مگر وہ یہ بتانے سے خائف تھی، وہ اس کی پاور اور اپروچ سے خائف تھی، وہ کینہ پرور منتقم مزاج تھا پتہ نہیں اس کے جواب میں کیا کر گزرتا جبکہ زینب اب شاہ ہاؤس کے مکینوں کو اپنی وجہ سے کسی اور آزمائش میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی، جبھی اس نے اس کی جانب سے مکمل چپ سادھ لی تھی۔

(زینب اگر آج بھی تم مجھ سے نہ ملیں تو میں لازماً کچھ کر گزروں گا)، زینب نے اس کے فون کو اگنور کیا تو تیمور نے میسج بھیج دیا تھا، وہ سخت کبیدہ خاطر ہو رہی تھی جب اچانک دروازہ کھلا اور بھابھی کی پریشان کن صورت نظر آئی تھی۔

''زینی نیچے آؤ جلدی۔''

''بھابھی خیریت؟'' وہ یکلخت حراساں نظر آنے لگی۔

''فاطمہ کو چوٹ لگ گئی ہے، حسان ڈاکٹر کے پاس لے جا رہا ہے مگر تمہیں ساتھ تو ہونا چاہیے، مما بھی گھر پہ نہیں ہیں۔'' بھابھی کی بات نے اس کے ہاتھ پیر پھلا دیئے تھے، وہ حواس باختہ سی نیچے آئی تو فاطمہ کی پیشانی سے بہتے خون نے اس کی گھبراہٹ دو چند کر دی۔

''کیا ہوا ہے اسے؟ کیسے چوٹ لگی؟'' وہ اپنے دوپٹے سے ہی بچی کی پیشانی کا خون صاف کرتی روہانسی ہو کر بولی تھی۔

''ماریہ کھلا رہی تھی، جانے کیسے چھوٹ کر نیچے گر گئی۔''

''آئیں آپی گاڑی اسٹارٹ ہے۔'' حسان عجلت میں اندر آیا تھا، زینب جلدی سے اس کے پیچھے

لپکی، ثرالے فاطمہ کا فیڈر لئے پیچھے بھاگی آئی تھی، سارے رستے زینب کی پریشانی دیدنی تھی، قریبی کلینک سے مرہم پٹی کراتے ڈاکٹر سے دوا لیتے زینب کو اتنی پریشانی کے باوجود بارہا محسوس ہوا وہ کسی کی گہری اور پرتپش نگاہوں کے حصار میں گھری ہے مگر اس وقت اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا جب اچانک جانے کسی کونے سے نکل کر تیمور خان نے اس کی راہ روک لی تھی۔

''کیسی ہو زینی؟'' اس کے لہجے میں لپک اور شدت کے ساتھ بے صبری تھی اور نظریں...... آف زینب کا بس نہیں چلا تھا ان غلیظ نظروں کی پہنچ سے کہیں دور جا چھپے، وہ بے اختیار نہ صرف خود میں سمٹی بلکہ فاطمہ کو سینے سے بھینچ کر خوفزدگی کے عالم میں حسان کی آڑ میں ہوئی تھی جو اس افتاد پہ کسی قدر بوکھلاہٹ کا شکار ہوا تھا۔

''تم وہاں بیٹھ کر چند لمحوں کو میری بات سن لو گی؟'' تیمور مونچھوں کو بل دیتے ہوئے تحکمانہ انداز میں بولا تو تب سے چکرائے ہوئے حسان کو طیش نے آن لیا تھا۔

''شٹ اپ، اینڈ ناؤ گیٹ لاسٹ فرام ہیئر، چلیں آپا گاڑی میں بیٹھیں۔'' وہ زور سے چلایا تھا پھر سہمی ہوئی ہرنی کی طرح نظر آتی زینب کی کلائی پکڑ کر مضبوط لہجے میں بولا تو تیمور نے ناگواری و طیش میں مبتلا ہو کر اسے تنفر بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

''اوئے چونٹے، اوقات سے باہر نہ نکل، ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر مسل کر رکھ دوں گا تمہیں۔'' اس کے لہجے کی گھن گرج اور پھنکار نے زینب کو دہلا کر رکھ دیا تھا، اس نے فق ہوتے چہرے کے ساتھ پہلے تیمور کو پھر حسان کو دیکھا جو تیمور کی بات سن کر غصے کی زیادتی سے لال بھبھوکا چہرا لئے کھڑا تھا۔

''چلو حسان یہاں سے، ہمیں کوئی ضرورت نہیں کسی سے جھگڑا مول لینے کی۔'' معاً زینب نے خود کو سنبھال کر حسان کو تقریباً اپنے ساتھ کھینچا مگر تیمور نے بل کھاتے ہوئے تملا کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''جو میں نے تم سے کہا ہے، وہ نہیں سنا تم نے؟'' زینب کو گھورتے ہوئے وہ زور سے چیخا، زینب کی جان ہوا ہو کر رہ گئی، یہ پر رونق علاقہ تھا آس پاس لوگوں کی آمد و رفت تھی اس مفت کے تماشے کی وہ ہرگز متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

''تمہارے ساتھ میرا اب اس قسم کی زور زبردستی کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے تیمور اس بات کو یاد رکھا کرو۔'' ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا کر وہ جتلانے والے ناگوار انداز میں بولی تھی، بچی جو اس کے کاندھے سے سر ٹکائے سو چکی تھی ایک بار پھر اٹھ کر رونے لگی، زینب نے اسے نرمی سے تھپکا تھا پھر حسان کو دیکھا۔

''چلو حسان!''

''ایک بات یاد رکھنا زینب میں تم سے اتنی آسانی سے دستبردار نہیں ہوں گا۔'' آگے بڑھتی زینب کو مخاطب کر کے اس نے جتلانے والے انداز میں کہا تھا، زینب کے مضبوط قدموں میں لحہ بھر کو لڑکھڑاہٹ اتری تھی مگر اگلے لمحے وہ پلٹ کر دیکھے بغیر گاڑی میں جا بیٹھی تھی، تیمور اڑتی دھول کو دیکھتا مونچھیں مروڑتا رہا۔

(میرا یہاں اپنے کام سے آنا بھی بے کار نہیں گیا، میں کبھی تمہیں سکون سے جینے نہیں دوں گا زینب، مجھ سے رشتہ اور تعلق ختم ہوا ہے تمہارا مگر نفرت اور تلخی نہیں)۔

☆☆☆

حسان کے ذریعے یہ بات گھر کے بڑوں تک جا پہنچی تھی اور شاہ ہاؤس میں ایک بار پھر گہری تشویش اور اضطراب در آیا، زیاد معاذ سے یہ بات خصوصیت سے چھپائی گئی تھی ورنہ شاید وہ تو تیمور کو قتل کر دینے کے درپے ہو جاتے۔

''اب کیا ہو گا؟ اس خبیث سے کچھ بعید نہیں وہ اس سے بہت اگلے اقدام بھی اسی بے غیرتی سے کر سکتا ہے؟'' مما کے آنسو ایک بار پھر اختیار کھو چکے تھے، صورتحال اس درجہ گمبھیر تھی کہ پپا کو بھی کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی، مما جان کا حوصلہ دینا بھی مما کے آنسوؤں کو نہیں روک رہا تھا۔

''اس کا ایک ہی حل ہے، ہمیں فوری کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر زینب کا نکاح کر دینا چاہیے۔'' بہت دیر کے بعد پپا بولے تھے اور جو تجویز سامنے رکھی اس نے وہاں موجود سب لوگوں کے چہروں پہ گمبھیر سنجیدگی کے ساتھ دکھ کی سیاہی بھی بکھیر دی تھی۔

''ایسا مناسب رشتہ کہاں سے ملے گا، معاذ اسی دن سے اس کوشش میں ہے، مجھے تسلی سے نوازا تھا مگر اب جب بھی میں اس سے سوال کرتی ہوں نظریں چرانا شروع کر دیتا ہے، مطلب واضح ہے، وہ ناکام ہے اس تلاش میں، پھر اب جو گمبھیر صورتحال ہے اس کے بعد تو اور بھی احتیاط کی ضرورت ہے، وہ خبیث آدمی تو دوبارہ اس کا گھر برباد کرنے میں کسر نہیں اٹھا رکھے گا، ایسا کون سا اعلیٰ ظرف مرد ہو گا جو یہ سب کچھ جان لے اور پھر اس کے بعد تیمور کا سامنا بھی ایسی جی داری سے کرے، آپ مان لیں احسان اب ایسا ممکن نہیں رہا۔'' مما زار و قطار روتے ہوئے بولی تھیں، صورتحال کی مایوس کن حالت نے انہیں اس درجہ زرد و رنج کیا تھا کہ آج کل بات بات پہ یونہی ضبط کھو دیتی تھیں۔

''شائستہ خود کو سنبھالو بیٹا! اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا، جہان ہے نا، ہم زینب کا عقد اس سے کریں گے، انشاء اللہ سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔'' پپا جان نے پہلے اٹھ کر مما کے سر کو پیار سے تھپک کر تسلی دی، پھر پپا سے مخاطب ہو کر زندگی میں پہلی بار چھوٹے بھائی کی موجودگی میں خود کوئی فیصلہ کیا تھا، ورنہ انہیں ہمیشہ خود سے زیادہ اپنے بھائی کی فہم و فراست پہ یقین رہا تھا، مگر یہ صورتحال ایسی تھی کہ وہ جانتے تھے جو کچھ زینب نے جہان کے ساتھ کیا تھا، اب احسان اس پوزیشن میں نہیں رہے تھے کہ اس کے بعد اس قسم کا کوئی ایکشن لیتے، ان کے اس ایکا ایکی کے فیصلے کے بعد کمرے میں یکلخت سناٹا چھا گیا، جہان مما حیران اور ششدر تھیں وہاں پپا مضطرب اور بے چین البتہ جنید بھائی پپا جان اور مما جان بے حد مطمئن نظر آ رہے تھے۔

''نہیں بھائی جان، اب ایسا ہرگز نہیں ہو گا، جہان شادی کر چکا ہے، وہ بچی مجھے اپنی بیٹی کی طرح ہی عزیز ہے، میں اس کے ساتھ ہرگز کوئی زیادتی نہیں ہونے دوں گا۔'' معاً پپا نے اپنی خاموشی توڑی تھی اور بھائی کے پہلے فیصلے سے ٹکرا گئے تھے، پپا جان نے کسی قدر ناراضگی سے انہیں دیکھا تھا۔

''زیادتی کیسے؟ مجھے جہان کی فہم و فراست پہ پورا بھروسہ ہے، جبھی جنید کی بجائے اس کا نام لیا، ورنہ اس گھر کے تمام مردوں میں سے یہی دو مرد ہیں جن سے زینب کا نکاح جائز ہے، جہان ماشاء اللہ سے

دو بیویوں میں توازن قائم رکھ سکتا ہے۔

"جی بالکل اور میں نے تو زینب کو ہمیشہ چھوٹی بہن کی نظر سے ہی دیکھا ہے۔" جنید بھائی نے فوراً اپنی پوزیشن کلیئر کی، مما جان پوری طرح شوہر سے متفق نظر آ رہی تھیں البتہ مما کی حیرانی کی جگہ اب اطمینان لے چکا تھا، گویا وہ پپا جان کے فیصلے سے مطمئن ہوئی تھیں جو پپا کے نزدیک بے حسی ہی تھی۔

"آپ سمجھ نہیں رہے ہیں بھائی جان! زینب نے پہلے خود انکار کیا تھا جہان کو، مجھے تو آج تک اس وقت کی شرمندگی نہیں بھولی، پھر اب نئے سرے سے......" پپا بری طرح سے زچ ہو کر بولے تھے، پپا جان نے نرمی و آہستگی کے ساتھ انہیں کندھوں سے تھام لیا۔

"وہ اس وقت بچی کی نادانی تھی، جہان ہرگز نادان نہیں ہے، ہمارا اپنا بچہ ہے، ہماری مشکل اور پریشانی کو وہ کیوں نہیں سمجھے گا بھلا؟"

"لیکن بھائی جان اس وقت جہان کی بہت انسلٹ......"

"اس وقت کو بھول جاؤ احسان، آج کو یاد رکھو، میں خود جہان سے بات کروں گا، یہ میرا معاملہ ہے، اب تم کچھ نہیں بولو گے۔" پپا جان نے قطعی لہجے میں کہا تو پپا نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

"اس مسئلے کا اس سے بہتر حل اور کوئی نہیں ہے، احسان اگر ہے تو بتا دو، میں اپنا فیصلہ ہٹا لوں گا۔" پپا جان نے ان کی آزردگی کو دیکھتے ہوئے رسانیت سے کہا تو پپا نے نم آنکھوں سے محض ایک نظر انہیں دیکھا تھا اور سر جھکا لیا تھا۔

"دل پہ کسی قسم کا بوجھ لینے کی ضرورت نہیں ہے، اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" پپا جان نے چھوٹے بھائی کو پیار سے ساتھ لگا کر تھپکا تو بہت خاموشی سے ان کی آنکھ سے آنسو بہہ نکلے تھے، بے بسی لاچاری غم اور اپنی شکست کے مظہر یہ آنسو ان کے بڑے بھائی نے محبت سے سمیٹ لئے تھے۔

☆☆☆

اس نے جھک کر بیگ میں اپنا آخری سوٹ رکھا اور زپ بند کر کے سیدھی ہوئی تو سانس اتنی سی مشقت سے ہی پھول گئی تھی، اس نے جوڑے میں بندھے بالوں کو کھول کر انہیں برش سے سلجھایا، گاؤں جانے کی اجازت مما سے اسے بڑی مشکل ملی تھی، وہ بھی اس صورت کہ وہ محض ایک دن میں ہی کام نپٹا کر واپس آنے کی کوشش کرے گی، روبی کی دھاندلیوں کی داستان طویل تھی اور پرنیاں نے یہ کام جہان کے سپرد کر دیا تھا، جہان کی کوششوں کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کی حویلی اب اسکول میں ڈھلنے جا رہی تھی، اس کام میں پرنیاں کی موجودگی ضروری تھی، کچھ اہم معاملات کی انجام دہی کو اسے وہاں جانا تھا جسے وہ بہر حال ڈیلیوری کے بعد پہ بھی نہیں ٹال سکتی تھی، جبھی نا چاہتے ہوئے مما کو اسے اجازت دینی پڑی تھی تو وجہ پپا کی فیور تھی، جنہوں نے مما کی تشویش کے جواب میں قطعی انداز کو اپناتے ہوئے کہا تھا۔

"پرنیاں کو اپنے بیٹے کی ہی پابند کرنے کی ضرورت نہیں ہے بیگم صاحبہ، محترم کے جو عزائم اور حرکتیں ہیں ان سے میں تو کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں، پرنیاں اپنے پیر مضبوط کرنا چاہتی ہے اسے ایسا کرنے سے مت روکیں، زینب کے بعد مجھے پرنیاں کی ہی سب سے زیادہ فکر رہتی ہے تو اس کی وجہ آپ کے بیٹے کی نا اہلی اور لاپرواہی ہے۔" تب مما کو خاموش ہو جانا پڑا تھا، یہ حقیقت تھی کہ معاذ کا رویہ شدید تھا

اور وہ پرنیاں پر ہر ستم آزما رہا تھا، مما جیسے ہاری گئی تھیں اس معاملے کو سدھارتے۔

"ڈرائیو دھیان سے کرنا بیٹے اور کوشش کرنا آج نہیں تو کل لازماً واپس آ جاؤ، بچی کی طبیعت ٹھیک نہیں مگر یہ معاملہ بھی اہم ہے، ورنہ یہ حالت ہرگز اتنے لمبے سفر کے لئے مناسب نہیں۔" مما جہان کو تاکید کر رہی تھیں جب اپنے دھیان میں معاذ وہاں آیا تھا، مما کی آخری بات پہ چونکا۔

"کون کہاں جا رہا ہے؟"

"پرنیاں جا رہی ہے اپنے گاؤں؟" مما نے طوعاً و کرہاً ہی جواب دیا تھا۔

"کیوں؟" اس کی پیشانی پہ لاتعداد بل پڑ گئے۔

"کام ہے ضروری۔" مما کا لہجہ ہنوز تھا، اس نے بھڑک اٹھنے والے انداز میں انہیں دیکھا۔

"آپ کو پتہ ہے نا مجھے اس کا یوں منہ اٹھا کر ہر جگہ چل پڑنا پسند نہیں۔"

"آپ کو تو وہ خود بھی پسند نہیں، اب کیا کیا جا سکتا ہے۔" مما نے سرد آہ بھری تھی، لہجہ دکھ کی شدت سے بھینچا ہوا تھا، معاذ نے چونک کر انہیں دیکھا اور اگلے لمحے کسی سوچ نے اس کی آنکھیں سلگا ڈالی تھیں۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں وہ آپ کے کان بھرتی رہتی ہے میرے خلاف، مگر اس وقت آپ اسے صرف یہ بتا آئیں کہ گھر سے قدم نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ پھنکار کر بولا تو مما کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

"آرام سے بیٹھے رہو معاذ، اس پہ پابندیاں لگانے کی ضرورت نہیں سمجھے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا اس بات سے؟ آپ نہیں کہہ رہی تو میں خود کہہ دیتا ہوں اس سے۔" وہ ایک جھٹکے سے مڑا اور مما کے پکارنے کے باوجود نہیں رکا تھا، ٹھوکر سے دروازہ کھلنے کی آواز پہ پرنیاں جو چادر اوڑھ رہی تھی حیرانی سے مڑی اسے لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ اندر آتے دیکھ کر بھی نظر انداز کر کے اپنے کام میں مشغول ہو گئی تو معاذ تن فن کرتا ہوا اس کے سر پہ آ کر چڑھا تھا۔

"تم کہاں جا رہی ہو تم؟"

"اپنے گاؤں۔" پرنیاں نے مختصر جواب دے کر جھک کر بیگ اٹھانا چاہا تو معاذ نے زوردار ٹھوکر سے اڑا کر بیگ دور اچھال دیا تھا۔

"مجھ سے پوچھا تھا تم نے؟ ہاؤ ڈیئر یو۔" اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں، پرنیاں کے اعصاب کو جھٹکا لگا۔

"آپ جو کچھ کرتے پھر رہے ہیں مجھ سے اجازت لے کر کرتے ہیں؟" وہ جواباً تلخی سے بولی تو معاذ کا ہاتھ ایک بار پھر اس پر اٹھ گیا تھا، وہ اتنا ہی شدید طیش اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا تھا کہ اپنی اس خامی کا اسے احساس تک نہ تھا، حالانکہ کبھی وہ عورت پہ ہاتھ اٹھانے کو سراسر بزدلی گردانا کرتا تھا، پرنیاں بلبلا کر رہ گئی، گال پہ ہاتھ رکھے آنکھوں میں آنسو لئے وہ سن کھڑی تھی، اسے اپنی بے مائیگی کا ایک بار پھر بہت اچھی طرح سے اندازہ ہوا تھا کہ وہ قدم قدم پہ اسے یوں ذلیل کرنے پہ تل گیا تھا۔

"کہیں نہیں جاؤ گی تم، ذرا اپنے حلیے پہ دھیان دے لیا کرو پہلے۔" معاذ کا لہجہ صرف سرد نہیں تھا

طنزیہ بھی تھا، پرنیاں کے وجود پہ چھایا سناٹا ایک چھناکے سے ٹوٹا تو اس کی جگہ طیش اور ہیجان نے لے لی۔

”میں جاؤں گی، آپ ہوتے کون ہیں مجھے روکنے والے۔“ وہ حلق کے بل چیخی تھی اور اسے اپنے سامنے سے دھکیل کر سرعت سے دروازے کی جانب دوڑی تھی کہ معاذ نے ایک دم سے اسے بے دردی سے دبوچ لیا۔

”میں کون ہوتا ہوں؟ نکاح نامے پہ سائن کرتے ہو، جو بات تمہیں اپنے دادا سے پوچھنی چاہیے تھی جنہوں نے تمہیں میرے سپرد کیا تھا۔“

”مجھے آپ کے ساتھ نہیں رہنا، اب مجھے ہر صورت یہاں سے جانا ہے۔“ پرنیاں جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی، اس کی گرفت میں مچل کر شدتوں سے چلائی۔

”جانا چاہتی ہو یہاں سے، اوکے فائن جاؤ، لیکن یاد رکھنا اب اگر تم نے اس وقت اس گھر کی دہلیز پار کی تو میرا تم سے ہر رشتہ ختم، جاؤ چلی جاؤ، بلکہ نہیں میں خود چھوڑ کر آتا ہوں۔“ معاذ جیسے حواسوں میں نہیں رہا تھا، جبکہ پرنیاں کی تو ساری توانائیاں اس کے الفاظ نے نچوڑ لی تھیں، وہ بے اختیار بے بسی کے شدید احساس سمت رو پڑی مگر معاذ نے اس کی مزاحمت کو سرے سے نظر انداز کر دیا تھا اور یونہی گھسیٹتے ہوئے کمرے سے نکال کر سیڑھیوں سے نیچے کھینچ کر لایا تھا، پرنیاں کی سسکیاں بے بسی کی انتہا پہ جا کر بلند چیخوں میں ڈھل گئی تھیں، وہ معاذ کی صرف منت نہیں کر رہی تھی بلکہ اس سے معافی بھی مانگ رہی تھی مگر وہ تو جیسے کچھ سننے سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیت سے ہی عاری ہو گیا تھا۔

”بہت شوق ہے نا تمہیں مجھ سے الگ ہونے کا، مجھ سے طلاق لینے کا، میں تمہارا یہ شوق پورا کر دیتا ہوں۔“ وہ پھنکار پھنکار کر کہہ رہا تھا، اس کی تلخ آواز اور پرنیاں کی خوفزدگی کے عالم میں نکلتی چیخوں پہ ہی سب حیران پریشان ہونق سے اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر وہاں بھاگے آئے تھے اور صورتحال کی غیر معمولی گمبھیرتا نے ہر کسی کو ششدر کر کے رکھ دیا، زار و قطار روتی ہوئی وحشت زدہ پرنیاں اور اسے زبردستی اپنے ساتھ گھسیٹ کر لاتا ہوا معاذ جس کے چہرے کی خشونت بڑھی اور الفاظ کی سنگینی نے سب سے پہلے مما کو حرکت میں آنے پہ مجبور کیا تھا، وہ آگے بڑھیں اور ایک زناٹے کا تھپڑ معاذ کے منہ پہ دے مارا۔

”کیا بکواس کر رہے ہیں معاذ آپ کو اندازہ ہے؟ ارے ہم تو ابھی پہلے ہی دھچکے سے نہیں سنبھلے کہ تم پھر سے ہمیں اس طرح مار دینے کی خواہش مند ہو گئے ہو چھوڑ دو بچی کو، اور چلے جاؤ یہاں سے، معاذ آپ نے ہمیں زندہ درگور کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔“ مما پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہہ رہی تھیں، معاذ ان کے تھپڑ اور پھر ان کے ہونٹوں سے نکلنے والے الفاظ پہ حق دق کھڑا رہ گیا تھا۔

توہین خجالت سبکی اور رنج نے اسے شق کر ڈالا تھا گویا، اس نے دھندلائی ہوئی نظروں سے مما کو دیکھا تھا اور کچھ دیر تک یونہی دیکھتا رہا، جو پرنیاں کو ساتھ لگائے اس کے ساتھ خود بھی رو رہی تھیں، باقی سب لوگ بھی اس کی بجائے مما اور پرنیاں کی سمت ہی متوجہ تھے، وہ ساکن کھڑا رہا تھا، پھر کچھ کہے بغیر ایک جھٹکے سے پلٹ کر باہر چلا گیا، کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کے دل میں دماغ میں کیا سما گئی تھی۔

”یہاں حالات بہت کریٹکل ہیں ممی! آپ سمجھیں تو سہی۔“ ژالے فون پہ مسز آفریدی سے بات کرنے میں مصروف تھی اور خاص جھنجھلائی ہوئی تھی، وہ اسے ہر صورت لاہور بلا رہی تھیں تاکہ اسے ٹریٹمنٹ مل سکے۔

”سمجھتی تم نہیں ہو منی، تمہاری زندگی اور موت کا معاملہ ہے اور تم لاپرواہی برت رہی ہو، جو بھی حالات ہیں تم فوراً یہاں پہنچو، ورنہ میں خود تمہیں لینے آ جاؤں گی۔“

”آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی ممی، یہاں حالات بہت پریشان کن ہیں، میرا ایسی صورتحال میں آنا ہرگز مناسب نہیں، پھر میں ٹھیک ہوں، ٹریٹمنٹ اتنا بھی ضروری نہیں ہے، حالات سنبھلیں گے تو آ جاؤں گی، یہاں کسی کو یہ علم نہیں ہے کہ میں بلڈ کینسر کے مرض میں مبتلا ہوں آپ کا یہاں آنا اس راز کو افشا کرنا ہوگا جو میں بہرحال نہیں چاہتی۔“

وہ ان کی کسی بات کے جواب میں بہت چڑ کر کہہ رہی تھی، اپنے دھیان میں اندر داخل ہوتے جہان نے اس کی اس آخری بات پہ ٹھٹک کر ژالے کو دیکھا جس کی نگاہ اسی لمحے اس پہ اٹھی تھی، اس کا رنگ جس طرح سے اڑا تھا اس نے جہان کی حیرت کو شدید ترین گھبراہٹ میں ڈھال دیا تھا۔

(جاری ہے)

میرے ہمسفر میرے مہرباں

رمشا احمد

مکمل ناول

"یار زویا یہ اورینٹل تو بہت ہی بورنگ ہے، ہائے آئی ٹی کی کیا بات ہے۔" یونیورسٹی کے کیفے میں سموسے سے پوری طرح انصاف کرتے ہوئے غزل نے کہا۔

"محترمہ یہ انسان کی فطرت ہے، جو چیز دسترس سے باہر ہو وہی خوبصورت لگتی ہے، پہلے تو خود ہی رٹ لگائی ہوئی تھی کہ پنجاب یونیورسٹی میں ہی ایڈمشن چاہیے اور اب......" زویا نے پیپسی کا ایک سپ لیا۔

"ہوں تو مجھے کیا پتہ تھا کہ قسمت اس ڈبے میں آکے پھوٹے گی۔"

"لٹریچر کی سٹوڈنٹ ہو کم از کم اردو تو ڈھنگ سے بولو، ڈبہ نہیں ڈربہ ہوتا ہے۔" زویا نے تصحیح ضروری سمجھی۔

"بے فکر رہو میرے ڈبہ کہنے سے اس کی شان میں کمی نہیں آنے والی، اگر واقعی اس کی کوئی شان ہے تو۔"

"میرے خیال سے یہ فیکلٹی اتنی بری بھی نہیں ہے اگر تم کمپرومائز......"

"پلیز۔" اس نے فوراً ہی ہاتھ جوڑے۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ اس لفظ سے مجھے کتنی چڑ ہے پھر بھی سے...... ایک زندگی ملی ہے وہ بھی کمپرومائز کے سہارے گزارنی پڑے تو کیا فائدہ زندگی کا۔"

"آخر تمہیں اعتراض کس بات پر ہے؟"

زویا بھی زچ ہوگئی تھی۔

"کوئی ایک اعتراض ہو تو بتاؤں سب سے پہلے تو اس کی عمارت۔" اس کی نظر ایک دم ہی سامنے پڑی تھی جس سے اس کی زبان کو تو بریک لگ گئی لیکن ساتھ ہی ہنسی کے فوارے پھوٹ پڑے۔

"اب یہ تمہیں ہنسی کس خوشی میں آرہی ہے،

"کیا کسی جوکر کو دیکھ لیا ہے؟" اس نے کسی قدر حیرانی سے کہا۔

"جوکر تو نہیں جوکر سے کچھ کم بھی نہیں، وہ دیکھو موصوف صبح سے تیسری بار نظر آئے ہیں لیکن ایک ہی پچویشن میں۔" اس نے بدستور ہنستے ہوئے سامنے کی طرف اشارہ کیا تو زویا نے بھی گردن گھما کر دیکھا، جہاں وہ موصوف تو شرمندہ سا کھڑا تھا جبکہ لڑکی جارحانہ تیوروں سے اپنا سر سہلانے میں مصروف تھی، اس صورتحال پر وہ بھی اپنی مسکراہٹ کو روک نہ پائی۔

"لگتا ہے موصوف کو ٹکرانے کی بیماری ہے اور وہ بھی صرف لڑکیوں سے، چلو کچھ تو شغل رہے گا۔" غزل کے کمنٹس اتنی آواز میں تھے کہ آس پاس بیٹھی ہوئی لڑکیوں میں بھی چہ مگوئیاں شروع ہوگئیں تھیں۔

"چلو غزل یہاں سے۔" سب کو اپنی طرف متوجہ ہوتا دیکھ کر زویا نے فوراً عمل ادا کیا اور اسے لئے وہاں سے نکل آئی۔

"تم بھی نہ ہر جگہ شروع ہو جاتی ہے۔" زویا نے اسے لتاڑنا ضروری سمجھا۔

"ایک تو تم نے ٹھیکہ لیا ہے بی جان کی کمی پوری کرنے کا۔" اس نے فوراً ہی منہ پھلا لیا۔

"ہاں تو تم کام بھی تو ایسے ہی کرتی ہو۔"

"لیکن فی الحال تو تمہاری حماقت کی وجہ سے مجھے پوائنٹ مس ہوتا نظر آ رہا ہے۔" اس نے چیونگم چباتے ہوئے زویا کے پیچھے چلتے ہوئے کہا تو وہ فوراً رک گئی۔

"کیوں؟" وہ پوری اس کی طرف گھوم گئی۔

"وہ اس لئے کہ پوائنٹ ہمیں آئی ٹی سنٹر سے لینا ہے جبکہ تمہارا ارادہ تو بوائز ہاسٹل جانے کا لگ رہا ہے۔" اس نے استہزائیہ سے انداز میں اس کے پیچھے اشارہ کیا جہاں بوائز ہاسٹل کا گراؤنڈ گیٹ سے صاف نظر آ رہا تھا۔

"پہلے نہیں بتا سکتیں تھیں۔" زویا نے زچ ہو کر کہا تو وہ محض کندھے اچکا کر رہ گئی۔

"اب جلدی چلو صرف دس منٹ رہ گئے ہیں پوائنٹ جانے میں۔" اس نے گھڑی دیکھی اور تیز تیز قدم اٹھانے لگی تو غزل نے بھی اس کی تقلید کی۔

گھر پہنچیں تو دونوں کا ہی تھکن سے برا حال تھا، پہلے ہی پوائنٹ میں انتشار تھا اور اوپر سے اتنی گرمی، اسٹاپ سے گھر تک کا یہ پندرہ منٹ کا فاصلہ انہیں سالوں کے برابر لگا لیکن لاؤنج میں پہنچتے ہی جس شخص پر ان کی نظر پڑی اس نے دونوں کی ہی تھکن اتار دی۔

"ارے زیان تم کب واپس آئے؟" زویا نے تو فائل وہیں سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور اس کے ساتھ والے صوفے پر جا کر بیٹھ گئی، جبکہ غزل جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر کے ریحانہ بیگم کو آوازیں دینے لگی۔

"بڑی امی! بھابھی کہاں ہیں بھئی سب۔"

"لیجئے جو سامنے بیٹھے ہیں انہیں نظر بھر کر دیکھنا بھی گوارا نہیں اور جو سامنے نہیں انہیں ڈھونڈا جا رہا ہے، میں اتنی دھوپ میں آفس چھوڑ کر یہاں لوگوں کے حال پوچھنے آیا اور یہاں یہ کہ کوئی گھاس ہی نہیں ڈالتا۔" اس نے غزل کو نظروں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا جو سامنے جلی بھنی کھڑی تھی۔

"ہم گھاس صرف گدھوں کو ڈالتے ہیں انسانوں کو نہیں، لیکن اگر تم خود کو......" اس کی فطری برجستگی اسے خاموش نہیں رکھ سکی تھی۔

"چلو شکر ہے کفر تو ٹوٹا، ویسے زویا لگتا ہے لوگ کچھ زیادہ ہی ناراض ہیں۔" اس نے زویا کی

طرف دیکھا جو ہمیشہ کی طرح خاموش تماشائی بنی مسکرا رہی تھی۔

"نہیں نہیں زیان صاحب میں کون ہوتی ہوں ناراض ہونے والی۔" اس نے طنزیہ لہجہ اختیار کیا۔

"ارے ارے اتنا غصہ یہ لو کان پکڑتا ہوں اب تو معاف کر دو۔" اس نے غزل کے سامنے آ کر کان پکڑ لئے تو وہ رخ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔

"ارے یار اب معاف بھی کر دو ابھی تو آفس کے کام سے صرف پندرہ دن کے لئے شہر سے باہر گیا تھا جس دن ہمیشہ کے لئے تم سے دور چلا گیا تب۔" اس نے فوراً ہی پلٹ کر دیکھا تو اسے اسی طرح کان پکڑے کھڑے پایا۔

"بہت برے ہو تم زیان، بہت برے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو چھلکے تو وہ بے قرار ہوگیا۔

"غزل پلیز تم جانتی ہو نہ کہ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔"

"تو کیوں کرتے ہو ایسی باتیں۔" اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"ارے یار تمہیں ستانے میں مزہ آتا ہے ورنہ یہ اپنی زویا تو بالکل ڈفر ہے۔" اس نے آہستہ سے غزل کے چہرے پر آئی بالوں کی لٹ کو چھوا اور واپس اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا، غزل بھی زویا کے پاس ہی چلی آئی۔

"اچھا تو میں ڈفر ہوں ٹھیک ہے اب جب تم دونوں کی وہ معرکتہ الآرا قسم کی جنگیں ہوں تو میں صلح نہیں کروانے والی۔" وہ اٹھ کر جانے لگی تو زیان نے فوراً ہی ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا لیا۔

"ارے نہیں یار زویا ایسا غضب مت کرنا کیونکہ ہفتے میں تین چار بار تو تمہاری ضرورت پڑتی ہے۔" زیان نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو اس کے ساتھ ساتھ غزل بھی مسکرانے لگی۔

"دیکھا آ گئے نہ لائن پر تم دونوں باتیں کرو میں ذرا گھر والوں کی خبر لوں اتنی دیر سے ہم......" زویا کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ بول پڑا۔

"گھر پر صرف بی جان ہیں اور وہ بھی اپنے کمرے میں آرام کر رہی ہیں۔"

"اور باقی سب؟" غزل نے حیرانی سے پوچھا۔

"ممانی اور ماہین بھابھی کو امی نے بلایا تھا، بی جان اکیلی ہی گھر میں تھیں اس لئے تمہارے انتظار میں یہیں رک گیا۔"

"لیکن پھپھو نے کیوں بلایا خیریت تو ہے؟" زویا نے پوچھا۔

"وہ عمیر کے پرپوزل کے سلسلے میں آج شام کو کچھ لوگ آ رہے ہیں۔"

"کیا عمیر کا پرپوزل؟" غزل نے چونک کر زویا کی طرف دیکھا تو اس کی حالت بھی غزل سے مختلف نہ تھی اور وہ ان کے احساسات سے بے خبر اپنی ہی کہے جا رہا تھا۔

"ہاں اور نوال بھابھی برہان بھائی کے ساتھ کوئی شادی اٹینڈ کرنے اسلام آباد گئی ہوئی ہیں، اس لئے ممانی اور بھابھی کی خدمات حاصل کی گئی ہیں، اب اگر تمہاری تفتیش ختم ہوگئی ہو تو میں چلوں؟" آخری بات اس نے کھڑے ہو کر کہی لیکن پھر ان دونوں کی حیران سی شکلیں دیکھ کر چونک گیا۔

"یہ تم دونوں کو سانپ کیوں سونگھ گیا؟"

"کچھ نہیں، یہ تم اتنی جلدی کیوں جا رہے ہو؟" غزل نے فوراً ہی خود کو سنبھالا۔

"محترمہ غزل صاحبہ شاید آپ بھول رہی ہیں کہ ماہ دولت ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں منیجر ہیں

کیونکہ بہر حال پیسہ اس دنیا کی بہت بڑی حقیقت ہے۔"

"جانتی ہوں۔" غزل نے منہ بنایا تو اس نے مسکراتے ہوئے قدم دروازے کی طرف بڑھا دیئے۔

☆☆☆

لاہور شہر کے مضافات میں ایک کنال پر بنایا گیا یہ دو منزلہ ترمذی ہاؤس گھر کے مکینوں کی خوشحالی اور اعلیٰ ذوق کی مثال تھا، ذوالفقار ترمذی کے بعد ان کے دونوں بیٹوں عثمان ترمذی اور احمد ترمذی نے گاؤں کی کچھ زمین بیچ کر ایک چھوٹی سی لیڈر فیکٹری لگا لی اور بی جان اپنے دونوں بیٹوں، بیٹی شہلا اور بہو ریحانہ کے ساتھ شہر چلی آئیں، شہر آنے کے بعد شہلا ترمذی اور احمد ترمذی کی شادی ایک ساتھ ہوئی پھر عثمان ترمذی کے ہاں فیضان کی آمد نے گھر میں ایک چھوٹے سے کھلونے کا اضافہ کر دیا۔

اس کے ایک سال بعد ہی شہلا ترمذی جو کہ اب شہلا واجد بن چکی تھی کہ ہاں برہان کی پیدائش ہوئی تو احمد ترمذی اور ثانیہ احمد کو بھی اپنے آنگن کے خالی پن کا احساس ہوا، پھر یکے بعد دیگرے ریحان عثمان کے ہاں ذیشان اور زویا کی آمد ہوئی اور شہلا واجد کے ہاں بھی زیان اور عجیر کا اضافہ ہو گیا اور پھر آخر کار قدرت کو بھی ثانیہ احمد پر رحم آ ہی گیا اور شادی کے چار سال بعد ان کے آنگن میں بھی ایک پھول کھل گیا، لیکن کیس سرجرین ہونے کی وجہ سے کچھ کمپلیکشنز ہو گئیں اور اس پھول کی خوشبو سے اپنی ممتا کو سیراب کرنے سے پہلے ہی وہ اس دنیا سے منہ موڑ گئیں۔

ثانیہ احمد کا چلے جانا احمد ترمذی کے لئے ایک تلخ سانحہ تھا اور شاید وہ بھی اس کے بغیر زندگی ہار جاتے لیکن ننھی غزل کی معصوم کلکاریاں انہیں زندگی کی طرف واپس کھینچ لائیں جو اس بات سے بے خبر تھی کہ وہ اپنا سب سے قیمتی رشتہ کھو چکی ہے، ریحانہ عثمان کی گود کو ہی ماں کی گود سمجھ بیٹھی اور وہ بھی اس کی تائی جان کی بجائے بڑی امی بن گئیں۔

احمد ترمذی نے تو ثانیہ احمد کے بعد شادی کے بارے میں سوچا تک نہیں اور تمام تر توجہ اور محبت کا مرکز غزل کو بنا لیا، شہلا واجد نے تو بچپن میں ہی غزل کو زیان کے لئے مانگ لیا اور احمد ترمذی نے اگر اقرار نہیں کیا تھا تو انکار بھی نہیں کیا تھا، اس طرح ذیشان، زویا، غزل، زیان اور عجیر پورے خاندان میں جی فائیو کے نام سے مشہور تھے، حالانکہ بقول ذیشان کے ان میں سے کوئی بھی جینئس نہیں تھا سوائے اس کے اور یہ بات کسی حد تک صحیح بھی تھی کہ ان میں سے صرف وہ ہی تھا جو شروع ہی سے ایک آؤٹ سٹینڈنگ سٹوڈنٹ رہا تھا اور اب بھی انجینئرنگ یونیورسٹی سے انجینئرنگ کر رہا تھا جبکہ باقی سب کا شمار شروع ہی سے درمیانے درجے کے سٹوڈنٹ میں ہوتا تھا، لیکن اس کے باوجود کسی کزن نے ان کے گروپ میں شامل ہونے کی کوشش نہیں کی اور انہیں بھی کبھی کسی اور دوست کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

☆☆☆

وقت اسی طرح دبے پاؤں گزر رہا تھا پیچھے دو سالوں میں کافی تبدیلیاں ہوئیں، فیضان اور برہان کی شادیاں ہو گئیں، ذیشان کسی کورس کے سلسلے میں جاپان چلا گیا، زیان کو بھی ایم بی اے کے بعد جاب مل گئی، عجیر نے گریجویشن کے بعد پڑھنے سے انکار کر دیا کہ بقول اس کے یہ ہی بڑی مشکل سے کیا ہے، زویا اور غزل نے یونیورسٹی

میں ایڈمشن لے لیا، گاڑی آفس میں ہوتی تھی اس لئے صبح تو انہیں کوئی نہ کوئی ڈراپ کر دیتا لیکن واپسی پوائنٹ سے آنا پڑتا تھا۔

اگلے ہی دن وہ دونوں یونیورسٹی سے سیدھی پھپھو کے گھر پہنچ گئیں اور اب عجیر کے کمرے میں بیٹھیں اس سے الجھ رہی تھیں۔

"عجیر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" زویا نے پوچھا۔

"عجیر تم اس طرح کیسے کر سکتی ہو اپنے ساتھ؟" غزل نے زچ ہو کر کہا۔

"میں کہاں کچھ کر رہی ہوں جو بھی کر رہی ہے قسمت ہی کر رہی ہے۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

"تمہیں کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے کم از کم ایک بار ذیشان سے ضرور بات کرنی چاہیے۔" غزل نے مشورہ دیا۔

"فیصلے ہم نہیں کرتے فیصلے تو تقدیر کرتی ہے اور جہاں تک ذیشان سے بات کرنے کا سوال ہے تو وہ میں ہرگز نہیں کروں گی۔" اس نے قطعی لہجے میں کہا۔

"لیکن......؟"

"نہیں غزل محبت بھیک کی طرح نہیں مانگی جاتی اور ویسے بھی ہر کوئی تمہاری طرح خوش نصیب نہیں ہوتا۔"

"ہاں غزل عجیر ٹھیک کہہ رہی ہے۔" زویا نے بھی اس کی تائید کی۔

"لیکن زویا ہمیں عجیر کے لئے کچھ تو کرنا چاہیے۔" اس نے کچھ سوچتے ہوئے چٹکی بجائی۔

"لیں کیوں نہ ہم زیان سے بات کریں۔"

"نہیں غزل تم شاید بھول رہی ہو زیان ہمارا دوست ہی نہیں عجیر کا بھائی بھی ہے۔" زویا نے فوراً ہی اس کی نفی کی۔

"اوہ ہاں...... پھر اب کیا ہوگا؟"

"ارے یار تم دونوں تو خواہ مخواہ میرے لئے پریشان ہو رہی ہو، میں بالکل ٹھیک ہوں اور پھر ضروری تو نہیں کہ انسان زندگی میں جو کچھ پانا چاہے وہ اسے مل بھی جائے۔" اس نے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا لیکن اس کی آنکھوں کے بھیگے گوشے ان دونوں کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکے تھے، زویا نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

"نہیں عجیر میں تمہیں اتنی جلدی ہار نہیں ماننے دوں گی۔" غزل نے عجیر کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆

اسے یونیورسٹی جوائن کیے ہوئے ایک مہینہ ہونے والا تھا اور ابھی تک اس کی کسی سے کوئی خاص دوستی بھی نہیں تھی اب تو اسے باقاعدہ خود پر غصہ بھی آنے لگا تھا کہ اچھا خاصا بزنس کرتے کرتے کہاں خود کو پھنسایا، اس سے پہلے کو وہ کورس ادھورا چھوڑ کر واپس جاتا اتفاقاً اس کی ملاقات اپنے بچپن کے دوست علی سے ہو گئی جو وہیں سے اردو لٹریچر میں ماسٹرز کر رہا تھا، علی سے مل کر ہی اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

اس دن وہ علی سے ملنے ہی اردو ڈیپارٹمنٹ میں آیا تھا، جو اس وقت وہ لائبریری میں بیٹھا کچھ نوٹس بنا رہا تھا، وہ اس کے فارغ ہونے کے انتظار میں وہیں پلر کے پاس کھڑا ہو گیا، اچانک ہی اس نے کسی کے ہنسنے کی آواز سنی، اس ہنسی میں کچھ ایسی جھنکار تھی کہ وہ پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو گیا اور جب پلٹا تو لگا جیسے وقت تھم گیا ہے، گلابی رنگت، پنکھڑی سے لب، شہد سی آنکھیں، مسکراہٹ تھی یا کوئی بہتا جھرنا، ایک پل کو تو اسے ایسا لگا جیسے اس کے خوابوں کی شہزادی سپنوں کی دنیا سے نکل کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی ہوں

لیکن یہ طلسم جلد ہی ٹوٹ گیا کہ اسے کسی نے آواز دی تھی اور وہ فوراً ہی وہاں سے چلی گئی۔

”غزل......اس سے زیادہ خوبصورت نام کوئی ہو بھی نہیں سکتا تھا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

”کیا بات ہے فراز صاحب یہ اکیلے اکیلے کیوں مسکرایا جارہا ہے۔“ علی نے پیچھے سے آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”کچھ نہیں یار۔“

”اچھا بچو یاروں سے پردہ داری۔“

”بے فکر رہو سب سے پہلے تمہیں ہی بتاؤں گا۔“

”پرامس۔“ علی نے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے بھی وعدہ کرلیا۔

☆☆☆

غزل نے یونیورسٹی سے آکر لاؤنج میں پڑے صوفے پر بیگ اور فائل کو پھینکا اور بی جان کو وہیں تسبیح کرتے دیکھا تو اپنا غصہ ظاہر کرنے کے لئے اسے سی آن کرکے اس کے آگے جا کر کھڑی ہوگئی، وظیفہ ختم کرکے جونہی ان کی نظر غزل پر پڑی تو وہ فوراً ہی اس پر برس پڑیں۔

”اے ہے لڑکی باؤلی ہوئی ہے کیا کتنی بار منع کیا ہے کہ دھوپ سے آکر اس موئی بیماری کی جڑ کے آگے مت کھڑی ہوجایا کرو، مگر میری تو کوئی سنتا ہی نہیں۔“ اسے ٹس سے مس نہ ہوتا دیکھ کر وہ دوبارہ شروع ہوگئیں۔

”اب کیا میری آواز بھی نہیں آرہی یا اپنی زبان اس موئی یونیورسٹی میں ہی چھوڑ آئی ہے۔“ ان کے اتنے کچھ کہنے کے باوجود اپنی عادت کے برخلاف جب اس نے کچھ کہنا تو دور کی بات پلٹ کر بھی نہ دیکھا تو انہیں تشویش لاحق ہوئی اور انہوں نے اپنا لہجہ نرم کرلیا۔

”غزل بیٹا کیا بات ہے چندا ادھر آؤ میرے پاس۔“ یہ ان کے لہجے کی نمی ہی تھی کہ وہ ان کے پاس چلی آئی اور ان کی گود میں سر رکھ لیا۔

”کیا ہوا میری گڑیا کو آج اتنی خاموشی کیوں ہے؟“ انہوں نے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”کوئی بھی مجھ سے پیار نہیں کرتا کسی کو میری پرواہ نہیں ہے۔“ اس نے گود سے سر اٹھایا تو آنسو روانی سے بہنے لگے۔

”نہیں چندا ایسے نہیں کہتے۔“ انہوں نے اسے چپ کروانا چاہا تو وہ غصے میں اور ان سے دور ہوگئی۔

”نہیں میں صحیح کہہ رہی ہوں ایسا ہی ہے۔“ اس نے قطعی لہجے میں کہا۔

اس کے آنسو دیکھ کر تو وہ گھبرا گئیں اور ریحانہ بیگم کو آوازیں دینے لگیں۔

”بہو! ماہین کہاں ہو بھئی؟ دیکھو تو بچی کیسے رو رہی ہے۔“ بی جان کی آواز سن کر وہ دونوں ہی دوڑی چلی آئیں۔

”کیا ہوا میری جان؟“ ریحانہ بیگم نے آکر فوراً ہی اسے گلے لگالیا۔

”کسی کو بھی میری پرواہ نہیں ہے بڑی امی۔“ اس نے روتے ہوئے بتایا۔

”کچھ بتاؤ تو سہی غزل آخر ہوا کیا ہے؟“ ماہین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پریشانی سے پوچھا تو وہ آنسو صاف کرتی ہوئی سیدھی ہو بیٹھی۔

”بڑی امی صبح آپ فیضی بھائی کو مجھے یونیورسٹی سے واپس لانے کو کہا تھا نہ۔“

”تو کیا تم فیضان کے ساتھ نہیں آئیں؟“ ماہین نے کسی قدر حیرانی سے پوچھا۔

”نہیں وہ تو مجھے لینے ہی نہیں آئے۔“

”تو بیٹا آپ یونیورسٹی سے فون کرلیتیں۔“ ریحانہ بیگم نے کہا۔

”کیا تھا پاپا بڑے پاپا کے ساتھ کہیں گئے ہوئے تھے اس لئے فیضی بھائی نے کہا کہ وہ نہیں آسکتے۔“

”غضب خدا کا ذرا پروا نہیں ہے ان لوگوں کو بچی کی، آلینے دو آج ذرا تینوں کو میں اچھی طرح خبر لوں گی۔“ بی جان نے اس کی صورت دیکھ کر کہا۔

”جاؤ بیٹا تم جا کر چینج کرو، شاباش۔“ ریحانہ بیگم نے کہا تو وہ خاموشی سے اپنے اور زویا کے مشترکہ بیڈروم میں چلی گئی۔

شومئی قسمت کے شام کو وہ تینوں ہی اکٹھے گھر میں داخل ہوئے، بی جان نے شاید بھول بھی جاتیں لیکن وہ اب تک انہیں اتنی بار یاد کروا چکی تھیں کہ بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور اس وقت بھی وہ ان تینوں کے انتظار میں بی جان کے ساتھ لاؤنج میں ہی موجود تھی، بی جان نے بھی انہیں فوراً لائن حاضر کرلیا۔

”تم تینوں کو تو ہر وقت کام کی پڑی رہتی ہے، ذرا پروا نہیں ہے بچی کی بیچاری آج اکیلی آئی ہے یونیورسٹی سے رو رو کر بچی کا اتنا سا منہ نکل آیا ہے۔“ بی جان بولے جارہی تھیں اور وہ تینوں حیرانی سے کبھی بی جان کے ساتھ معصوم سی شکل بنائے بیٹھی غزل کو دیکھتے تو کبھی ان کے پیچھے کھڑی ماہین اور ریحانہ بیگم کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ کو۔

”لیکن بی جان زویا تو ہوتی ہے نہ اس کے ساتھ۔“ سب سے پہلے فیضان کی حیرت ٹوٹی اور شامت بھی اسی کی آئی۔

”شاباش ہے بیٹا یہ حال ہے تمہاری بے خبری کا، زویا کل کی خالہ کے گھر ہے اب کیا بچی بیچاری اس کے فرشتوں کے ساتھ واپس آتی، حد ہے لاپرواہی کی یعنی۔“ بی جان جب شروع ہوتیں تھیں تو پھر اگلی پچھلی ساری کسریں نکال کر ہی چھوڑیں تھیں، اس لئے ان کے غصے پر بند باندھنے کے لئے بڑے پاپا اس کے پاس چلے آئے۔

”اس سے پہلے کہ بی جان ہمارا کورٹ مارشل کردیں بیٹا اپنے بڑے پاپا کو معاف نہیں کرو گی؟“ انہوں نے غزل کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وہ فوراً ہی ان سے لپٹ گئی۔

”پلیز بڑے پاپا آپ ایسے مت کہیں میں آپ سے غصہ تھوڑی ہوں۔“

”تو پھر کیا اپنے پاپا سے ناراض ہو؟“ پاپا آگے آئے تو وہ بڑے پاپا کو چھوڑ کر ان کے گلے لگ گئی۔

”جی نہیں میں تو اپنے پاپا سے کبھی خفا ہو ہی نہیں سکتی۔“

”یعنی ساری ناراضگی مجھ سے ہے، اب میری تو خیر نہیں۔“ فیضان نے ڈرتے ہوئے کہا تو سب ہی ہنس پڑے۔

”چلیں کیا یاد کریں گے آپ کو معاف کیا لیکن ایک شرط پر جب تک زویا نہیں آجاتی آپ ہی مجھے یونیورسٹی سے واپس لائیں گے۔“ اس نے کمر پر ہاتھ رکھ کر رعب جماتے ہوئے کہا۔

”جو حکم جناب!“ فیضان نے جھک کر کہا تو وہ بھی ہنس پڑی۔

☆☆☆

”ایکسکیوز می مس۔“

وہ نوٹس لکھنے میں مگن تھی کہ اس پکار پر اس نے چونک کر سر اٹھایا اور اپنے سامنے ڈارک بلیو جینز اور وائٹ شرٹ میں ایک اچھے خاصے ہینڈسم

www.paksociety.com

شخص کو کھڑے پایا، دل ہی دل میں اس کی
خوبصورتی پر سکیلیٹی کو سراہتے ہوئے اس نے قدر
سخت لہجے میں کہا۔
"یس۔"
"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" اس نے
شائستگی سے پوچھا، غزل نے نظریں گھما کر دیکھا
تو وہاں موجود سارے ہی بینچ فل تھے صرف وہ ہی
تنہا بیٹھی تھی اس لئے اس نے اجازت دے دی۔
"یس وائے ناٹ۔"
"تھینکس۔" وہ جیسے ہی مسکراتے ہوئے
بیٹھا وہ فوراً ہی اٹھ گئی، اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر وہ
بھی بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔
"آپ کہاں جا رہی ہیں میں تو آپ کے
ساتھ ہی بیٹھنا چاہتا تھا۔"
"دیکھے میں کوئی مشعل ابامہ تو ہوں نہیں
جس کے ساتھ بیٹھنے کا اعزاز آپ حاصل کرنا
چاہتے ہیں۔" اس نے کس قدر تلخی سے جواب
دیا۔
"اصل میں میرا وہ مطلب نہیں تھا میں
تو......"
"آپ کا جو بھی مطلب ہو مجھے اس سے کیا
مطلب۔"
"آپ سمجھ نہیں رہیں میں...... کیسے
سمجھاؤں؟" اس نے بے بسی سے اسے دیکھا۔
"کی آپ صرف دو منٹ بیٹھ کر میری بات
سن سکتی ہیں؟"
"کیوں کیا آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟"
"جی بہت ضروری کام ہے۔"
"تو پھر کہیے میں ذرا جلدی میں ہوں۔" وہ
کھڑے کھڑے ہی سہی اس کی بات سننے کے
لئے تیار ہو گئی تو اس نے سکون کا سانس لیا۔
"مجھے فراز حسن کہتے ہیں؟"

"تو پھر؟" اس نے نا سمجھنے والے انداز میں
کہا۔
"میں یہاں فرنچ ڈیپارٹمنٹ میں ہوتا
ہوں اپنا بزنس ہے اور اکثر فرانس آنا جانا رہتا
ہوں اس لئے فرنچ لینگویج سیکھ رہا ہوں، اکلوتا
ہوں ماما کی دو سال پہلے ڈیتھ ہو چکی ہے اور
پاپا......"
"لیکن آپ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتا رہے
ہیں۔"
"کیوں میں آپ سے شادی کرنا چاہتا
ہوں۔"
"واٹ؟" اسے شاک لگا۔
"آپ کا شاید دماغ خراب ہے۔" غصے
سے کہتے اس نے جانے کے لئے قدم بڑھائے تو
وہ اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔
"مس غزل مجھے کوئی جلدی نہیں ہے آپ
اچھی طرح سوچ کر جواب دیں ابھی میرا کورس
ختم ہونے میں چار ماہ باقی ہیں۔"
"ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے اینڈ یو......"
اس نے بات کو ادھورا چھوڑا اور غصے سے پیر پٹختی
ہوئی وہاں سے چلی آئی۔
"سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو سٹوپڈ،
ایڈیٹ۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی فیضان کے انتظار میں
اپنی مخصوص جگہ جا کر کھڑی ہو گئی۔
اس نے غزل کو سامنے سے آتا دیکھ کر کار
اسٹارٹ کر لی لیکن جب وہ کوریڈور میں پلر سے
پاس ہی رک گئی تو وہ اس کی طرف چلا آیا۔
"ارے یہ تم یہاں کیوں کھڑی ہو، گھر جانے
کا ارادہ نہیں ہے کیا؟" اس نے غزل کی آنکھوں
کے سامنے چٹکی بجائی۔
"تم...... تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"
"ظاہر ہے کہ ڈیٹ مارنے تو آیا نہیں ہوں

تمہیں ہی لینے آیا ہوں۔" اس نے شوخی سے کہا۔
"بکو نہیں یہ فیضی بھائی کیوں نہیں آئے؟"
"کیوں میرے ساتھ جانے میں کوئی
اعتراض ہے۔"
"زیان!" اس نے آنکھیں دکھائیں تو وہ
بھی سیریس ہو گیا۔
"فیضان بھائی کو اچانک ہی میٹنگ میں
جانا پڑا اس لئے انہوں نے مجھے فون کر دیا، اب
چلیں کیونکہ تمہارے اس تفتیشی انداز پر سارے
لوگ مجھے گھور رہے ہیں کہ کہیں میں لڑکی اغواء تو
نہیں کر رہا۔"
"تمہیں تو میں بعد میں پوچھوں گی۔" اس
نے گاڑی میں بیٹھ کر زور سے دروازہ بند کیا تو وہ
بھی مسکراتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔
"یہ کہاں جا رہے ہو تم؟" اس نے زیان کو
گاڑی گھر کی متضاد سمت موڑتے دیکھ کر پوچھا۔
"میں نہیں ہم جا رہے ہیں، لٹریچر کی
سٹوڈنٹ ہو لیکن تمہاری گرائمر بالکل زیرو ہے۔"
"تو ہوتی رہے تم سے مطلب تم مجھے گھر
چھوڑ دو پھر جہاں جانا ہے چلے جانا۔" اس نے
روٹھے پن سے کہا۔
"اب تو ہر راستہ تم سے شروع ہو کر تم پر ہی
ختم ہوتا ہے اس لئے تنہا نہیں جانے کا سوال ہی
پیدا نہیں ہوتا۔"
"اتنا یقین ہے خود پر؟"
"صرف خود پر نہیں بلکہ ہم دونوں پر ہے۔"
اس نے اتنی گہری نظر اس پر ڈالی کہ وہ بے اختیار
ہی نظریں جھکا گئی۔
"اور اگر کبھی تنہا سفر کرنا پڑا تو؟"
"وہ دن زیان واجد کی زندگی میں کبھی نہیں
آئے گا۔" اس نے فوراً ہی کہا تھا اور اس کے
لفظوں نے غزل کی روح تک کو سیراب کر دیا

تھا۔
"یہ......" اس نے گھر کے سامنے گاڑی
روکی تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
"تمہارے ساتھ لانگ ڈرائیو کا موڈ تھا
اس لئے ذرا لمبا راستہ اختیار کیا تھا اور بس، اب
جلدی سے اترو میں لیٹ ہو رہا ہوں۔"
"اندر نہیں آؤ گے؟"
"نہیں لنچ آور میں نکلا تھا تمہیں لینے اور
اسے ختم ہوئے بھی آدھا گھنٹہ ہو چکا ہے۔"
"اوہ پھر تو تم نے لنچ بھی نہیں کیا ہو گا، چلو
فوراً اندر چلو اب کھانا کھا کے ہی جانا جہاں اتنی
دیر ہوئی ہے وہاں تھوڑی اور سہی۔" اس نے
گاڑی سے اتر کر کھڑکی میں سے اسے دیکھتے
ہوئے کہا۔
"ویسے تم بیویوں والے انداز میں پریشان
ہوتی کتنی اچھی لگتی ہو نہ۔" اس نے شوخی سے کہا۔
"زیان تم کبھی نہیں سدھرو گے۔" اس نے
جاتے جاتے گاڑی کے بونٹ پر ایک مکا مارا اور
اندر بھاگ گئی اور وہ مسکراتے ہوئے گاڑی بیک
کرنے لگا۔

☆☆☆

"زویا تم آ رہی ہو یا میں بھی ایک دو ہفتے
کی چھٹیاں کر کے گھر بیٹھ جاؤں؟" دوسری طرف
سے جیسے ہی ریسیور زویا کے ہاتھ میں گیا وہ
شروع ہو گئی۔
"ارے ارے نہ حال چال نہ سلام و دعا
بس سیدھے حکم دے دیا۔"
"زویا کی بچی بند کرو یہ داد۔" سامنے ہی بی
جان کی گھورتی نگاہوں پر نظر پڑی تو اس کی زبان
کو بریک لگ گئی۔
"اگر تم اس وقت میرے سامنے ہوتیں تو
میں تمہارا سر پھاڑ دیتی۔" اس نے آواز کو حتی

الامکان آہستہ کرنے کی کوشش کی۔
"لیکن آخر پتا بھی تو چلے کہ غزل صاحبہ کے اتنے غصے کی وجہ کیا ہے؟"
"وجہ کوئی اتنی چھوٹی نہیں ہے کہ فون پر بتا دوں۔" اس نے کن اکھیوں سے بی جان کی طرف دیکھا جو دوبارہ اپنے وظیفے میں مشغول ہو چکی تھیں۔
"تو کیا بہت بڑی ہے؟" دوسری طرف سے حیرت کا اظہار کیا گیا۔
"ایسی ویسی بڑی پورے چھ فٹ کی ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ اس چھ فٹ کی مصیبت کا نام فراز حسن ہے۔"
"کیا؟"
"ہاں یار پچھلے تین دن سے اس نے میرے ناک میں دم کیا ہوا ہے جہاں دیکھو میرے پیچھے چلا آتا ہے، اب جب تک تم نہیں آ جاتیں میں نہیں جانے والی یونیورسٹی۔"
"لیکن یہ فراز ہے کون اور تمہارے پیچھے کیوں پڑا ہے؟"
"فرنچ ڈیپارٹمنٹ کا ہے اور مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"
"کیا؟" دوسری طرف کی چیخ اتنی زوردار تھی کہ اسے ریسیور اپنے کانوں سے دور کرنا پڑا۔
"اوگاڈ یہ تو واقعی بہت بڑا مسئلہ ہے لیکن تم پریشان نہ ہو میں کل آتی ہوں تو اس سے جان چھڑانے کا بھی کوئی نہ کوئی طریقہ ڈھونڈ ہی لیں گے اوکے۔" اس نے ڈھارس دلائی۔
"اچھا تم کل ضرور آ جانا میں اب فون رکھتی ہوں کیوں کہ بی جان کے تیور بتا رہے ہیں کہ ان کی برداشت کی حد ختم ہو رہی ہے اور وہ کسی بھی وقت تسبیح رکھ کر شروع ہونے والی ہیں اوکے بائے۔" اس نے بی جان کی گھورتی نگاہیں دیکھ کر جلدی سے فون رکھا اور اوپر بھاگ گئی۔

☆☆☆

"آج یہ دونوں چاند زمین پر کیا کر رہے ہیں؟" ابھی وہ دونوں آ کر بیٹھیں ہی تھیں کہ عبیر آ گئی۔
"ہم نے سوچا بہت دن ہو گئے، کیوں نہ زمین والوں کو اپنا دیدار ہی کرا دیں۔" غزل نے اتراتے ہوئے پھپھو کے گلے میں بانہیں ڈالیں تو انہوں نے بھی مسکراتے ہوئے اس کا ماتھا چوم لیا۔
"پھپھو میں ذرا نوال بھابھی سے مل کر آتی ہوں۔" زویا اٹھ کر جانے لگی تو عبیر نے ہاتھ پکڑ کر اسے دوبارہ بٹھا لیا۔
"آج صبح ہی برہان بھائی بھابھی کو لے کر اسلام آباد گئے ہیں۔"
"بھابھی ڈلیوری کے سلسلے میں گئی تھیں، لوگ باتیں کرو میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔" وہ اٹھنے لگیں تو غزل نے انہیں روک دیا۔
"نہیں پھپھو لنچ میں بڑی امی نے اتنا کچھ کھلا دیا تھا کہ اب بالکل ہی گنجائش نہیں ہے۔"
"لیکن کھیر تو کھا سکتی ہو نہ۔"
"کھیر مائی فیورٹ، وہ تو میں ضرور کھاؤں گی لیکن تھوڑی دیر بعد۔"
"اچھا ٹھیک ہے لیکن کھا ضرور لینا میں ذرا عصر کی نماز پڑھ آؤں پھر وقت نکل جائے گا۔" پھپھو اٹھ کر چلی گئیں تو غزل اس سے پوچھنے لگیں۔
"عبیر یہ زیان کب تک آ جائے گا؟"
"آنے ہی والا ہو گا عموماً تو چھ ساڑھے چھ بجے تک آ جاتا ہے۔" عبیر تو گھڑی کی طرف دیکھا جو چھ بجا رہی تھی۔
"کیا بات ہے لگتا ہے آج خاص طور سے زیان سے ہی ملنے آئی ہو؟" عبیر نے اسے چھیڑا۔
"ارے نہیں یار میں نے سوچا چاروں مل کر پرسوں کے لئے کوئی اچھا سا پروگرام بنا لیں گے۔"
"پرسوں ایسا کیا ہے؟"
"بے وقوف پرسوں سنڈے ہے میں نے سوچا تھا کہ تم دونوں گھر آ جاؤ گے لیکن اب تو تم نہیں آ سکتے کیونکہ بھابھی بھی گھر پر نہیں ہیں، اب کیا کریں زویا؟" غزل نے زویا کی طرف دیکھا۔
"ارے اس میں سوچنے کی کیا بات ہے ہم نہیں آ سکتے تو کیا ہوا تم دونوں تو آ سکتی ہو۔" عبیر نے اس کی مشکل دور کر دی۔
"نہیں نہ ہم بھی نہیں آ سکتے۔" زویا نے کہا۔
"کیوں؟"
"کیونکہ ذیشان کا فون آنے والا ہے۔"
"ذیشان کا، لیکن تمہیں کیسے پتا؟"
"وہ ہمیشہ سنڈے کو ہی فون کرتا ہے، پچھلے سنڈے اس کا فون آیا، اس لئے مجھے یقین ہے کہ وہ اس سنڈے کو ضرور کرے گا اور مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے اس لئے میرا گھر پر رہنا ضروری ہے۔" غزل نے کچھ اس طرح کہا کہ عبیر چونک پڑی۔
"غزل تم نے اس سے کیا بات کرنی ہے؟" اس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔
"کچھ خاص نہیں بس یہی کہ عبیر اپنے پارٹنر کو بہت مس کر رہی ہے۔"
"کیا کہا؟"
"کچھ نہیں یار میں تو مذاق کر رہی تھی۔" غزل نے فوراً ہی بات سنبھال لی۔
"اچھا مذاق تو پھر وہ فراز حسن بھی شاید۔"
"یار پلیز اس کا تو نام بھی مت لو۔"
"تو پھر کیا زیان کا نام لیں؟"
"عبیر!" اس نے غصے سے گھورا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔
"زویا ویسے کیا کہہ رہے تھے موصوف؟"
"کہنا کیا ہے، بس پچھلے ایک مہینے سے دن میں ایک بار دیدار کرنے آ جاتا ہے لیکن دور سے، یہ اور بات ہے کہ اس کی نظروں کا ارتکاز اتنا گہرا ہوتا ہے کہ ہماری غزل صاحبہ اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور اس کے دیکھتے ہی وہ مسکراتا ہوا واپس پلٹ جاتا ہے۔" زویا نے تفصیل سے صورت حال بیان کی۔
"واؤ انٹرسٹنگ دیکھنے میں کیسا ہے؟" عبیر کو تھوڑا تجسس ہوا۔
"بڑی ڈیشنگ پرسنیلٹی ہے۔" زویا نے کہا تو وہ اور بھڑک اٹھی۔
"اب اگر تم دونوں نے ایک اور بار اس کا نام لیا تو میں ابھی یہاں سے چلی جاؤں گی۔"
"ارے ابھی تو میں آیا ہوں اور تم ابھی سے جانے کی بات کر رہی ہو۔" زیان نے اندر آتے ہوئے اس کی آدھی بات ہی سنی تھی، غزل کا غصہ تو اسے دیکھتے ہی غائب ہو گیا۔
"شکر ہے تمہاری شکل تو نظر آئی، اب چلو ہم دونوں کو ذرا گھر ڈراپ کر دو۔" غزل نے اسے آرام سے صوفے پر بیٹھتے دیکھ کر کہا۔
"ابھی تو میں آیا ہوں ذرا فریش ہو لوں۔"
"واہ کیا بات ہے جناب کی یہ تو کہہ نہیں سکے کہ فریش تو میں تم لوگوں کو یہاں دیکھ کر ہی ہو گیا ہوں الٹا۔" غزل نے اپنی ناراضگی ظاہر کی۔

''اوں ہوں یہ گھسا پٹا ڈائیلاگ بول کر میں اپنی پرسنیلٹی ڈاؤن نہیں کرنا چاہتا اور ویسے بھی کبھی کبھی کچھ نیا بھی ہونا چاہیے۔'' اس نے دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر صوفے کی بیک سے ٹیک لگالی اور آنکھیں موند لیں۔

''ہاں ہاں ہر بار کچھ نیا کرنے کا ٹھیکہ تو تم نے ہی لیا ہوا ہے نہ۔'' وہ پھر اس سے خفا ہوگئی تھی۔

''اب کیا کریں جب ساری دنیا سو کولڈ مجنوں بننے کی کوشش کرے تو ہم جیسے لوگ کہاں جائیں گے۔'' اس نے آنکھیں کھول کر ایک نظر اس کے غصے سے تپے چہرے پر ڈالی اور مسکراتے ہوئے پھر سے آنکھیں موند لیں۔

''زیان یو آر امپاسبل۔'' اس کی مسکراہٹ نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا جبکہ عبیر اور زویا ہمیشہ کی طرح خاموش تماشائی بنی بیٹھی تھیں۔

''یس آئی ایم، آخر کو میں زیان ہوں، زیان یعنی چاند اور دونوں ہی تک پہنچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔'' اس نے اپنی بات کا عکس اس کے چہرے پر تلاشنے کے لئے بہت خاص نظروں سے اسے دیکھا تھا اور وہ فوراً ہی گڑبڑا گئی تھی۔

''زویا چلو بڑی امی انتظار کر رہی ہوں گی۔'' اس نے فوراً ہی زویا کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا تھا اور زیان کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوگئی۔

زیان کی آنکھوں میں غزل کا اتنا گہرا عکس دیکھ کر عبیر کو اس شخص کی یاد آئی تھی جسے دل نے تو اپنا مان لیا تھا لیکن، عبیر کو کھویا ہوا دیکھ کر زویا نے اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی۔

''اے تم کہاں کھوگئیں؟''

''کہیں نہیں۔'' اس نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

''چلو میں تم لوگوں کو چھوڑ آؤں۔'' زیان کھڑا ہوگیا۔

''عبیر تم بھی چلو ذرا آؤٹنگ ہی ہو جائے گی اور راستے میں اس کنجوس سے آئس کریم بھی کھائیں گے۔'' آخری بات غزل نے اس کے قریب ہو کر بہت آہستگی سے کہی تھی لیکن پھر بھی زیان کو کچھ شاک سا ہوا۔

''یہ تم دونوں کیا کھچڑی پکا رہی ہو کہیں کچھ کھانے کا تو......'' اس نے شک کا اظہار کیا تو عبیر فوراً ہی بول پڑی۔

''نہیں نہیں ہماری آپس کی بات ہے تم لوگ چلو میں امی کو بتا کر آتی ہوں۔'' وہ اندر کی طرف بھاگی تو وہ تینوں بھی باہر کی طرف چل پڑے۔

☆☆☆

گھڑی نے بارہ بجائے تو اس نے ٹی وی آف کرکے ساتھ ہی لیٹی زویا کی طرف دیکھا جو بے خبر سو رہی تھی، ابھی وہ لائٹ آف کرکے لیٹنے ہی لگی تھی کہ فون کی بیل بج اٹھی، اس نے لائٹ آن کرکے گھڑی کی طرف دیکھا اور منہ بناتے ہوئے فون اٹھالیا۔

''ہیلو کون ہے؟'' آواز میں بھی جھنجلاہٹ نمایاں تھی۔

''کیسی ہے جی فائیو کی تتلی؟'' دوسری طرف سے بشاشت سے پوچھا گیا تھا اور وہ بیڈ پر ہی اچھل پڑی۔

''ذیشان تم، لیکن تمہیں کیسے پتا کہ فون میں نے اٹھایا ہے۔'' اس نے خوشگوار حیرت میں ڈوب کر پوچھا۔

''تم بھول رہی ہو لیکن میں نہیں بھولا گھر میں آدھی رات ٹی وی دیکھنے کی بیماری صرف تمہیں ہی ہے۔''

''لیکن تم نے آج اس وقت کیسے فون کرلیا تم تو ہمیشہ......''

''ابھی ابھی زیان سے بات ہوئی تو سوچا تم سے بھی بات کرلوں ویسے بھی پچھلی بار جب میں نے فون کیا تھا تو تم اور زویا پھپھو کی طرف گئیں ہوئیں تھیں لگتا ہے خوب مزے ہو رہے ہیں۔''

''خاک مزے ہو رہے ہیں تمہارے بغیر تو بالکل بھی مزا نہیں آرہا ہے، جانتے ہو جب سے تم گئے ہو ہم نے ایک بار بھی کیرم نہیں کھیلا۔''

''وہ کیوں؟'' دوسری طرف سے حیرت کا اظہار کیا گیا۔

''عبیر کا پارٹنر جو نہیں تھا اور زویا کو تو تم جانتے ہی ہو کو کیرم سے کتنی الرجی ہے، اچھا یہ بتاؤ واپس کب آرہے ہو، ہمارا جی فائیو تمہارے بغیر بہت ادھورا ہے۔''

''کورس ختم ہونے کے بعد اب تو تھوڑی سی آزادی ملی ہے تھوڑا سا گھوم پھر لوں پھر اگلے مہینے تک واپس آجاؤں گا۔''

''کیا بات ہے تمہارا واپس آنے کا دل ہی نہیں چاہتا کہیں وہاں کوئی پسند تو نہیں آگئی؟'' غزل نے شوخی سے چھیڑا۔

''آں ہاں، ہماری ایسی قسمت کہاں کہ وہ اتنی آسانی سے مل جائے۔''

''ہوسکتا ہے وہ تمہارے سامنے ہی ہو اور تم ہی اسے پہچان نہ پا رہے ہو؟''

''کیا مطلب؟'' دوسری طرف سے حیرانی سے پوچھا گیا۔

''ذیشان کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے محبت ہمارے آس پاس ہی ہوتی ہے اور ہم ہی اسے پہچان نہیں پاتے، کہیں تمہارے ساتھ بھی تو ایسا نہیں؟ سوچ لو اس سے پہلے کہ وقت تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے۔'' دوسری طرف ایک گہری خاموشی تھی جسے غزل نے ہی توڑا۔

''ارے ہاں میں تو تمہیں بتانا ہی بھول گئی پھپھو نے عبیر کے لئے لڑکا پسند کیا ہے، بس دو تین دنوں میں وہ فائنل کرنے والی ہیں، تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے فون رکھتی ہوں کافی رات ہوگئی ہے اچھا خدا حافظ۔'' اس نے جان بوجھ کر اس کی بات سنے بغیر فون بند کردیا اور لائٹ آف کرکے لیٹ گئی۔

''ذیشان مجھے یقین ہے تم عبیر کی محبت سے دامن نہیں چھڑا پاؤ گے۔'' سونے سے پہلے یہ آخری بات تھی جو اس نے سوچی تھی، اس کے بعد نینداس پر حاوی ہوگئی۔

آنکھ کھلی تو گھڑی دس بجا رہی تھی وہ جمائیاں لیتی ہوئی اٹھی تو سامنے ہی زویا تیار ہو رہی تھی۔

''یہ تم صبح صبح کہاں جانے کی تیاری کر رہی ہو؟'' غزل نے حیرانی سے پوچھا۔

''صبح صبح تو تم ایسے کہہ رہی ہو جیسے ابھی پانچ ہی بجے ہیں محترمہ ہوش میں آئیں دس بج رہے ہیں۔'' اس نے مڑ کر ایک نظر اسے دیکھا اور پھر بالوں میں برش کرنے لگی۔

''پھر بھی پتا تو چلے کہ کہاں کی تیاریاں ہیں؟''

''بابر کا فون آیا تھا خالہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''تو پھر؟''

''تو پھر یہ بدھو کہ مجھے جانا ہوگا۔'' وہ اس کے پاس چلی آئی اور اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے بولی۔

''کیا مطلب جانا ہوگا؟''

''مطلب یہ کہ مجھے جانا ہے خالو اور بابر انہیں اکیلے تو نہیں نہ سنبھال سکتے۔''

''یہ کیا بات ہوئی بھلا کیا تم ہی رہ گئی ہو

تیمارداری کے لئے؟"

"تو اور کون کرے گا، تین ہی تو بیٹے ہیں خالہ کے ایک نے تو شادی کے بعد سسرال کو آباد کرنے چل دیا، دوسرا امریکہ میں شادی کر کے اسی کو پیارا ہو گیا ہے، ایسے میں بابر بیچارا ماں کی دیکھ بھال کرے یا آفس جائے؟"

"بابر...... بیچارا بہت ہمدردی ہو رہی ہے کیا بات ہے؟" اس نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"بکو نہیں۔" وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم مانو یا نہ مانو دال میں کچھ کالا تو ضرور ہے۔"

"تمہیں جو سوچنا ہے سوچو میں تو جا رہی ہوں۔" اسے بچ بچ جاتا دیکھ کر غزل نے مسکین سی شکل بنالی۔

"لیکن زویا تمہارے بغیر تو میں بالکل بور ہو جاؤں گی۔"

"اب کیا ہو سکتا ہیں میں رک نہیں سکتی اور تمہیں بھی ذیشان کے فون کا انتظار کرنا ہے۔" اس نے دروازے کے پاس ہی رک کر کہا۔

"لیکن ذیشان سے تو میری دو دن پہلے بات ہو گئی تھی۔"

"کیا کہا تم نے؟" وہ حیرت زدہ سی واپس پلٹ آئی۔

"ہاں۔" اس نے رات ذیشان سے ہونے والی بات چیت من وعن دہرادی تھی۔

"پھر اب تمہیں کیا لگتا ہے؟" زویا نے ساری بات سن کر پوچھا، لیکن اس سے پہلے کہ غزل کچھ جواب دیتی ماہین چلی آئی۔

"زویا نیچے بابر آیا ہے تمہیں لینے آ جاؤ جلدی۔"

"آں...... آہ۔" غزل فوراً ہی کھانسی تھی۔

"میرے خیال میں تمہیں کف سیرپ کی اشد ضرورت ہے۔" زویا نے غصے سے اسے گھورا اور کھڑی ہو گئی۔

"تم بھی چلو غزل۔" اسے بیٹھا دیکھ کر ماہین نے کہا۔

"میں کیوں؟"

"تمہارے لئے بی جان کا حکم ہے کہ تم میرے ساتھ ذیشان کا کمرہ سیٹ کراؤ۔"

"ذیشان کا کمرہ، مگر وہ کیوں؟"

"وہ اس لئے کہ کل شام کی فلائیٹ سے وہ واپس آ رہا ہے۔"

"کیا؟" وہ دونوں ایک ساتھ چیخیں اور اس چیخ میں حیرت اور استعجاب کے ساتھ ساتھ خوشی بھی تھی جو ان کے چہروں سے صاف ظاہر تھی۔

"جی ہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کا فون آیا تھا، سیٹ کنفرم کرا کے ہی اس نے ہمیں فون کیا ہے، اب تم لوگ فوراً چلو ورنہ بی جان کا تو تمہیں پتا ہی ہے۔"

"ہاں آپ لوگ چلیں میں شاور لے کر آتی ہوں۔" وہ باتھ روم میں گھسی تو وہ دونوں نیچے چلی آئیں۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو سامنے ایک درمیانی عمر کا ڈاکٹر چہرے پر شفیق سی مسکراہٹ لئے کھڑا تھا۔

"اب تم کیسا محسوس کر رہے ہو دوست؟"

اس نے ایک ہاتھ سر پر رکھ کر اٹھنے کی کوشش کی تو ڈاکٹر نے اسے فوراً ہی ایسا کرنے سے روک دیا۔

"اوں ہوں کچھ دیر لیٹے رہو۔"

"مجھے یہاں کون لایا؟" اس نے نظریں گھما کر کسی کو تلاشنے کی کوشش کی۔

"شاید تمہارا کوئی آفس کولیگ ہے میں نے اس سے کچھ میڈیسنز منگوائی ہیں، وہ ہی لینے گیا

ہے۔" ڈاکٹر بھی اس کے پاس ہی رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

آفس کولیگ سے اسے جاوید یاد آیا جو اس وقت اس کے کیبن میں ہی موجود تھا، جب اسے تکلف محسوس ہوئی تھی اور اس کے بعد اسے کچھ یاد نہیں تھا۔

"اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"پہلے سے بہت بہتر۔"

"آج کیا ہوا تھا۔" ڈاکٹر نے پروفیشنل انداز میں پوچھا۔

"میں آفس میں بیٹھا تھا کہ اچانک سر میں درد شروع ہو گیا، میں نے ایک ڈسپرین لے لی لیکن درد کم ہونے کی بجائے اتنا شدید ہو گیا کہ میں شاید بے ہوش ہو گیا تھا آگے مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔" اس نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا جہاں اب بھی درد کی ہلکی ہلکی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

"ہوں۔" ڈاکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"کیا اس سے پہلے بھی کبھی ایسا درد ہوا ہے؟"

"اتنا شدید تو کبھی نہیں ہوا معمولی سا درد تو کبھی کبھار ضرور ہو جاتا ہے، ہاں لیکن پچھلے چھ سات ماہ سے یہ درد اکثر اور شدید ہونے لگا ہے۔"

"پھر بھی تم نے کبھی کسی ڈاکٹر سے کنسلٹ نہیں کیا؟"

"نہیں ہمارے فیملی ڈاکٹر نے تو مجھے اپنا مکمل چیک اپ کرانے کا مشورہ دیا تھا جس میں ہی کچھ مصروفیت کی وجہ سے لاپرواہی برت گیا۔"

"تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" ڈاکٹر کے لہجے میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ وہ چونک گیا۔

"کیا بات ہے ڈاکٹر اتنے معمولی سے سر درد کی وجہ سے۔"

"یہ معمولی سر کا درد نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"جب تک تمہارا پورا چیک اپ نہیں ہو جاتا کچھ نہیں کہا جا سکتا، آئی ہوپ کہ میرا شک صرف شک ہو۔"

"ڈاکٹر صاحب آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔" وہ واقعی پریشان ہو گیا تھا۔

"نہیں لیکن ابھی کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہو گا۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور پوچھتا جاوید چلا آیا، پھر اس نے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ایک ٹیبلٹ تو اسی وقت لے لی۔

"ڈاکٹر اینی تھنگ سیریس۔" جاوید نے اسے درد میں تڑپتا ہوا دیکھا تھا اس لئے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

"یو ناٹ ایٹ آل۔" ڈاکٹر نے اطمینان دلایا اور پھر جاوید سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھنے لگا۔

"اوکے ینگ مین کل تمہیں چیک اپ کے لئے ضرور آنا ہے، چونکہ میں ایک نیورو سرجن ہوں اور یہ میرا ذاتی ہسپتال ہے اور میرا نام حسن ہے۔" ڈاکٹر حسن نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اس نے بھی مسکراتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"زیان...... زیان واجد۔" اس نے بھی بالکل انہی کے انداز میں جواب دیا تو وہ مسکرا اٹھے۔

"اوکے زیان کل ملیں گے۔" وہ دونوں وہاں سے نکل گئے اور ڈاکٹر حسن سوچ میں گم ہو گئے۔

"اپنی پچیس سالہ پریکٹس میں میرا کوئی بھی

اندازہ غلط ثابت نہیں ہوا لیکن آج اس نوجوان کو دیکھ کر دل چاہتا ہے کہ ایسا ہو جائے۔" ڈاکٹر حسن نے بے اختیار سوچا۔

☆☆☆

ذیشان کے واپس آنے کی خوشی میں آج وہ پانچوں آئس کریم پارلر میں موجود تھے۔

"میں ذرا دیکھ کر آتا ہوں کہیں وہ آئس کریم لینے آئس لینڈ تو نہیں چلا گیا۔" زیان نے اٹھتے ہوئے کہا تو ان سب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

زیان کے جانے کے بعد غزل نے ذیشان اور عبیر کی طرف دیکھا تو وہ دونوں ایک دوسرے سے بے نیاز اپنے اردگرد کی چیزوں کو گھور رہے تھے، ان دونوں کا تو پتا نہیں لیکن ان کی یہ بے نیازی اسے ضرور تپا رہی تھی، اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں زویا کو اشارہ کیا اور اسے پکارا۔

"ذیشان!" اس کے پکارنے کی دیر تھی اور وہ ایسے اس کی طرف متوجہ ہا تھا جیسے نہ جانے کب سے اسی بات کا منتظر تھا۔

"ہاں بولو۔"

اس کے اس بے تابانہ انداز پر غزل نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روکی تھی لیکن اس کا لہجہ اس کے انداز کی چغلی کھا گیا تھا۔

"نہیں میں تو بس یہ کہہ رہی تھی کہ تم نے اچانک واپسی کا فیصلہ کیسے کرلیا۔"

"کیوں میری واپسی سے تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔" وہ بات تو غزل سے کر رہا تھا لیکن نظریں اس کے ساتھ بیٹھی عبیر پر تھیں، جس کی انگلیاں ٹیبل پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچ رہی تھیں لیکن ان لکیروں میں چھپا ایک لفظ اسے صاف نظر آ رہا تھا۔

"نہیں خوشی تو ہم سب کو ہی بہت ہوئی ہے، آخر ہم سب نے ہی تمہیں مس بھی بہت کیا ہے، کیوں عبیر؟" اس نے اچانک ہی عبیر کو پکارا تھا اور وہ چونک اٹھی۔

"ہاں۔"

"پھر تم نے مجھے پکارا کیوں نہیں۔" اس نے براہ راست عبیر کی طوف دیکھا تھا لیکن پھر اس کے کانپتے ہاتھوں اور زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر اس نے خود ہی اپنی بات کے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کی۔

"اور غزل کیسی چل رہی ہے تم دونوں کی یونیورسٹی۔"

"اف یہ کسے چھیڑ دیا تم نے۔" زویا نے فوراً ہی سر پر ہاتھ مارا تھا۔

"کیوں؟" اس نے حیرت زدہ سے انداز میں کہا۔

"وہ اس لئے کہ یونیورسٹی میں کیڑے نکالنا غزل کا دل پسند مشغلہ ہے۔"

"تمہیں تو بس موقع ملنا چاہیے۔" غزل نے اسے گھورا۔

"ریئلی غزل مجھے بھی تو کچھ بتاؤ۔" ذیشان کے کہنے کی دیر تھی اور وہ شروع ہوگئی۔

زیان نے ان سب کے چہروں پر بکھری مسکراہٹیں دیکھیں تو اس کے قدم ان تک آتے آتے وہیں رک گئے اور اس کے کانوں میں ڈاکٹر حسن کے الفاظ گونجنے لگے۔

"رپورٹس کے مطابق تمہیں برین ٹیومر ہے اور لاسٹ اسٹیج، لاسٹ اسٹیج۔" اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے، لیکن فوراً ہی اس نے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا کیونکہ اس پل کو وہ ہمیشہ کے لئے اپنی آنکھوں میں قید کر لینا چاہتا تھا، نہ جانے پھر زندگی میں یہ پل دوبارہ آئے نہ آئے۔

"لو زیان آ گیا۔" غزل نے ہی سب سے پہلے اسے دیکھا تھا اور وہ مسکراتا ہوا ان تک چلا آیا۔

☆☆☆

وہ دونوں کوریڈور میں کھڑی تھیں جب اچانک ہی غزل کی نظر سامنے سے آتے فراز حسن پر پڑی، وہ انہی کی طرف چلا آ رہا تھا۔

"یار زویا یہ تو ہماری ہی طرف آ رہا ہے۔"

"کون؟" اس نے بے خیالی میں آئس کریم کھاتے ہوئے پوچھا۔

"سامنے تو دیکھ۔" غزل نے اسے کہنی ماری تو اس کے ہاتھ سے چمچ چھوٹ کر کپ میں جا گرا۔

"یہ تو واقعی ادھر ہی......" اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"منہ تو بند کر، کیا پہلے کوئی لڑکا نہیں دیکھا؟" اس نے زچ ہو کر کہا۔

"دیکھا ہے لیکن اتنا ہینڈسم نہیں۔" کہہ کر اس نے فوراً ہی منہ بند کر لیا اور اسی وقت وہ بھی ان کے سامنے آ کر رکا۔

"ہیلو مس غزل۔" وہ بشاشت سے مسکرایا لیکن غزل نے جواب دینا تو دور کی بات اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا، یہ فارمیلٹی بھی زویا کو نبھانی پڑی۔

"ہیلو مسٹر فراز۔"

"اوہ امیزنگ آپ تو میرے نام سے بھی واقف ہیں۔" اس نے بھی پر زور دیا زویا کی آنکھوں میں شناسائی کی رمق دیکھ چکا تھا۔

"جی اصل میں، میں غزل کی کزن ہوں۔"

"اوہ پھر تو بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔"

"مجھے بھی۔" زویا مسکرائی تو غزل اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔

"ایکچوئیلی مجھے مس غزل سے کچھ بات کرنی تھی۔" اس نے کسی قدر جھجکتے ہوئے کہا۔

"جی ضرور کہیے۔"

"دراصل اسے سمجھ نہیں آیا کہ اس کے سامنے کہہ دے یا نہیں۔"

"دیکھئے آپ میرے سامنے بات کر سکتے ہیں۔" زویا اس کی جھجک سمجھ رہی تھی۔

"ایکچوئیلی میں نے غزل کو پرپوز کیا تھا لیکن انہوں نے ابھی تک کوئی جواب ہی نہیں دیا، نیکسٹ منتھ آپ لوگوں کے پیپرز ہونے والے ہیں اور میں اس دوران انہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تھا اور جب تک آپ کی پارٹ ٹو کی کلاسز شروع ہوئیں میں یہاں سے جا چکا ہوگا، اس لئے میں ابھی چلا آیا۔" وہ چونکہ بڑے سلیقے سے بات کر رہا تھا اس لئے زویا نے بھی بڑے تحمل سے اس کی بات سنی، زویا نے غزل کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا ورنہ وہ کب کی وہاں سے بھاگ چکی ہوتی۔

"مسٹر فراز آپ یقیناً ایک اچھے انسان ہیں لیکن ہماری مجبوری یہ ہے کہ غزل آل ریڈی انگیجڈ ہے، سو آئی ایم سوری۔"

"لیکن......؟" اسے سخت شاک پہنچا تھا۔

"میرے خیال سے اس کے بعد کچھ بھی کہنے سننے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔" زویا اور اس نے آگے جانے کے لئے قدم بڑھائے تو وہ بے اختیاری انہیں روک بیٹھا۔

"کیا میں اس خوش نصیب کا نام جان سکتا ہوں؟"

"زیان!" غزل نے اتنے اعتماد کے ساتھ اس کا نام لیا کہ اس نام کے ساتھ جڑا ہر رنگ فراز کو اس کی آنکھوں میں نظر آ گیا اور وہ شکستہ قدموں سے واپس لوٹ گیا۔

☆☆☆

"زویا...... زویا کہاں ہو تم؟" غزل باہر سے ہی پکارتی چلی آرہی تھی۔

"آنکھیں اگر استعمال کرو گی تو میں تمہیں یہیں لاؤنج میں ہی بیٹھی نظر آؤں گی۔" اس نے غزل کو لاؤنج میں آتے دیکھ لیا تھا۔

"تم دونوں یہاں بیٹھے ہو اور میں تمہیں پورے گھر میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔" اس نے زویا کے پاس بیٹھتے ہوئے اپنی سانسوں کو درست کیا جو تیزی سے سیڑھیاں اترنے کی وجہ سے اکھڑنے لگی تھیں۔

"کیوں ہمارے خلاف کیا وارنٹ نکل آیا ہے؟" ذیشان نے ٹی وی کا والیوم کم کرتے ہوئے کہا۔

"ایسا ہی سمجھ لو پتا ہے میرے پاس ایک زبردست نیوز ہے۔" اس نے پرجوش ہو کر کہا۔

"کیا؟" دونوں نے ایک ساتھ ہی پوچھا تھا۔

"بڑی امی شام کو پھپھو کی طرف جا رہی ہیں، گیس کرو کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"ایک تو تم سے ہزار دفعہ کہا ہے کہ پہیلیاں نہ بوجھوایا کرو۔"

"تو تم سے کس نے کہا تھا کہ اپنا دماغ کھاؤ۔"

"غزل!" اس نے کڑے تیوروں سے گھورا تھا۔

"زویا!" وہ کون سا پیچھے رہنے والوں میں سے تھی۔

"ارے ارے سیز فائر یہ تم دونوں کو آج کیا ہو گیا ہے؟ چلو غزل جلدی سے بتاؤ اب کیا بات ہے؟"

"آج ہماری عبیر پرائی ہو جائے گی۔"

"واٹ نان سینس۔" ذیشان فوراً ہی بھڑک اٹھا۔

"زیان صحیح کہتا ہے تم دونوں بہن بھائی ہی ڈفر ہو، بے وقوف میرا مطلب تھا کہ آج اس کی بات پکی ہو جائے گی اور شاید پھپھو ڈیٹ بھی فکس کر دیں۔"

"کیا...... لیکن یہ سب...... اتنی جلدی کیسے؟" اس کی بوکھلاہٹ نے اس کے دل کا ہر بھید کھول دیا تھا اور یہی وہ چاہتی تھی۔

"ارے جلدی کہاں پھپھو تو کب کی ہاں کر چکی ہوتیں، وہ تو بڑی امی تمہارے آتے ہی تھوڑی مصروف ہو گئیں تھیں اس لئے یہ بات اتنے دنوں تک رک گئی ورنہ تو۔" وہ بول رہی تھی اور زویا حیران پریشان سی صورت لئے ان دونوں کو دیکھے جا رہی تھی اور ذیشان تو اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی ریحانہ بیگم کے کمرے کی طرف دوڑ گیا تھا۔

"غزل یہ سب کیا ہے؟" ذیشان کے جانے کے بعد زویا جیسے اس ٹرانس سے باہر آئی تھی۔

"تھوڑی دیر ٹھہرو جاؤ ابھی پتا چل جائے گا۔" اس نے ریموٹ پکڑ کر چینل بدلنے شروع کر دیئے تو وہ بھی محض کندھے اچکا کر رہ گئی۔

"غزل یو چیٹر تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔" پانچ منٹ بعد ہی ذیشان ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"پہلے تو خود ہی گونگے کا گڑ کھائے بیٹھے تھے اور اب، وہ تو شکر مناؤ کہ تمہارے آنے کی خبر سن کر ہی میں نے بڑی امی کو سب کچھ بتا دیا تھا ورنہ اب تک بڑی امی اور پھپھو عبیر کو کسی اور سے منسوب کر چکی ہوتیں اور تم اپنی محبت کے خاتمے پر فاتحہ پڑھ رہے ہوتے۔" اس نے اتنے دنوں کا غصہ آج ہی اتارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"آپ بالکل بجا فرما رہی ہیں محترمہ غزل صاحبہ لیجئے میں ہاتھ جوڑ کر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ ہی کی وجہ سے میری ڈولتی ہوئی ناؤ کنارے پر لگی ہے۔" اس کے واقعی ہاتھ جوڑ دینے پر ان دونوں کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"ناؤ کو میں نے منجدھار سے تو نکال لیا ہے لیکن ابھی کنارے نہیں لگی۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب کہ عبیر سمجھ رہی ہے کہ بڑی امی نے میرے کہنے پر رشتہ پکا کیا ہے۔"

"تو......؟" وہ ابھی بھی نہیں سمجھا تھا لیکن زویا سمجھ گئی تھی تب ہی مسکرانے لگی۔

"اُف۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا اور زویا نے بڑی مشکل سے اپنا قہقہہ کنٹرول کیا۔

"بے وقوف اس سے پہلے کہ عبیر اس رشتے سے انکار کر دے فوراً جا کر اسے بتاؤ کہ یہ رشتہ تمہاری ہی مرضی سے ہوا ہے۔"

"لیکن کیسے بتاؤں؟ ہر وقت تو وہ بھابھی کے ساتھ ہوتی ہے۔"

"تو بدھو فون کرو۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے میں ابھی کرتا ہوں۔"

"ویسے یار غزل تم تو بڑی چھپی رستم نکلی امی سے بات بھی کر لی اور مجھے بتایا تک نہیں لیکن خیر آئی ایم ویری ہیپی۔"

"جانتی ہوں اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ میں نے صرف تمہارے بھائی ہی کی نہیں تمہاری بھی پرابلم حل کر دی ہے۔"

"میری کون سی پرابلم؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"کل شام کو جب ہم آئس کریم پارلر گئے ہوئے تھے تو تمہاری خالہ خالو اور بابر آئے تھے۔" اس نے سامنے پڑی پلیٹ میں سے بسکٹ اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔

"ہیں...... تمہیں کس نے بتایا؟"

"آج صبح ہی بڑی امی نے بتایا، وہ لوگ چاہتے ہیں کہ بابر کی شادی تم سے ہو جائے۔" اس نے غور سے زویا کی طرف دیکھا تو وہ فوراً ہی اپنی نظریں جھکا گئی۔

"پھر امی نے کیا کہا؟" اس نے بظاہر بڑے عام سے انداز میں پوچھا لیکن اس کا لہجہ اس کے انداز کی چغلی کھا گیا۔

"بڑی امی کو تو یہ رشتہ بہت پسند تھا۔"

"تھا۔" اس کے چہرے کا رنگ فق ہوا۔

"ہاں انہوں نے تو مجھ سے کہا بھی تھا کہ میں تم سے پوچھ لوں لیکن میں نے کہا کہ کوئی فائدہ نہیں کیونکہ زویا کو تو بابر بالکل بھی پسند نہیں کرتی۔" اس نے زویا کے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت دیکھی تو اس کی ہنسی چھوٹ گئی اور وہ ہکا بکا ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"بدھو تم نے مجھے اتنا بے وقوف سمجھ لیا ہے کیا؟"

"کیا مطلب؟" اس نے غائب دماغی سے پوچھا۔

"مطلب یہ ڈفر کہ میں تو اسی دن سمجھ گئی تھی محترمہ فرما رہی تھی، بیچارا بابر۔" غزل نے اس کی نقل اتاری تو فوراً ہی ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔

"ریئلی غزل تم نے واقعی امی کو......" اس کے چہرے پر خوشیوں کے رنگ پھوٹ رہے تھے لیکن وہ ابھی تک حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔

"لیجئے ایک تو میں نے اتنا بڑا کام کیا ہے

اوپر سے میرا شکریہ ادا کرنے کی بجائے مجھ پر ہی شک کیا جا رہا ہے، اس سے تو اچھا ہوتا کہ میں بڑی امی کو انکار ہی کر دیتی۔" اس نے ناراضگی ظاہر کرنے کے لئے اٹھ کر جانا چاہا تو زویا نے فوراً ہی اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

"تم دونوں سچے دوست ہو اور تم دونوں بہت اچھے ہو اور یہ حقیقتاً سچی بات ہے۔" اس نے کہا تو غزل مسکراتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی۔

"تم دونوں یہ گلے ملنے کا سیشن بعد میں پورا کر لینا، پہلے میری پرابلم حل کرو۔" ذیشان نے آ کر جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیوں اب کون سی پرابلم ہے؟" اس نے زویا سے علیحدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"اس نے فون ہی بند کر دیا وہ میری بات سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہے۔"

"تمہارے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔"

"پلیز کچھ کرو نا۔"

"ہوں، کچھ سوچتے ہیں۔" غزل نے اٹھ کر وہیں ٹہلنا شروع کر دیا۔

"کیوں نہ ہم عبیر کو گھر بلا لیں، پھر تم بات کر لینا۔" زویا نے مسکراتے ہوئے ذیشان کی طرف دیکھا تو اس نے ایسا منہ بنایا جیسے کوئی کڑوی گولی نگل لی ہو۔

"تم یہی مشورہ دے سکتی ہو مجھے معلوم تھا اس لئے بہتر ہے کہ تم اپنے چھوٹے سے دماغ پر زیادہ زور نہ ڈالو۔" اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی غزل بول پڑی۔

"واہ کیا آئیڈیا ہے غزل۔"

"اوہ میڈم اب ذرا زمین پر اتر آئیں۔" وہ سمجھ گیا تھا کہ اتنی تعریفیں زویا کو چڑانے کے لئے کی جا رہی ہیں۔

"اوکے تو سنو کل ہمارا لاسٹ پیپر ہے میں عبیر کو شاپنگ کے بہانے بلاتی ہوں، میں اس سے کہوں گی کہ یونیورسٹی کے بعد ہم میکڈونلڈ پہنچ جائیں گے وہ بھی وہیں آ جائے لیکن ہم وہاں نہیں جائیں گے بلکہ گھر آ جائیں گے اور تم وہاں جا کر اس سے مل لینا، کیسا؟" اس نے داد طلب نظروں سے دیکھا تو زویا تو اسے کافی امپریس نظر آئی لیکن ذیشان کچھ الجھا الجھا ہوا سا تھا۔

"کیا ہوا آئیڈیا پسند نہیں آیا۔"

"آئیڈیا تو اچھا ہے لیکن آج اگر امی نے جا کر......"

"افوہ تم ابھی تک وہیں اٹکے ہو، رشتے کی بات تو پہلے ہی ہو چکی ہے لیکن باقاعدہ رشتہ اس اتوار کو طے کیے جائیں گے، آج تو بڑی امی پھپھو کو ان کے پوتے کی مبارکباد دینے جا رہی ہیں، اس لئے یہ سب تیاریاں ہو رہی ہیں۔"

"غزل یو لائر۔"

"لائر کہو یا چیٹر لیکن تمہارے منہ سے سچ تو اگلوا لیا نہ۔"

"ویسے غزل یہ اندر کی باتیں تمہیں کیسے پتا چل جاتی ہیں اور یہ کون کون سے رشتے طے ہو رہے ہیں۔" ذیشان نے رازداری سے پوچھا۔

"سنڈے کو ہمیں خاص طور سے پکنک پر جانے کے لئے کیوں کہا گیا ہے ظاہر ہے کہ تم لوگوں نے نہیں سوچا ہوگا اور دوسرے کل میں نے اتفاقاً بڑی امی اور ماہین بھابھی کی باتیں سن لی تھیں، اس بار ان کا ارادہ تمام کنواروں کو شادی شدہ بنانے کا ہے۔"

"پھر تو ان کنواروں میں تم اور زیان بھی شامل ہو گے۔" ذیشان نے شوخی سے کہا۔

"صرف میں اور زیان ہی نہیں زویا اور با......" ایک دم ہی اس کی زبان کو بریک لگی تھی

اور پھر اس نے اور زویا نے وہاں سے بھاگنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا تھا اور ذیشان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ در آئی۔

☆☆☆

"آؤ زیان میں تمہارا ہی ویٹ کر رہا تھا۔" ڈاکٹر حسن نے اسے اندر آتے دیکھ کر کہا۔

"سوری سر آفس میں کچھ کام زیادہ تھا اس لئے میں تھوڑا سا لیٹ ہو گیا۔" وہ مصافحہ کر کے ان کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آفس اوکے، ہاؤ آر یو۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہوں گے۔" اس نے کھوکھلی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"تمہاری فائنل رپورٹس آ گئی ہیں اور میں نے ایکسپرٹس سے رائے بھی لے لی ہے۔" انہوں نے اپنے سامنے ایک فائل کھولی۔

"کتنا وقت ہے میرے پاس؟" اس نے بظاہر بڑے پرسکون سے انداز میں پوچھا لیکن اس کے اندر کیا کیا کچھ ٹوٹا تھا یہ صرف وہی جانتا تھا۔

"آئی ایم سوری لیکن ہم سب کی رائے یہی ہے کہ تم نے آنے میں بہت دیر کر دی، تمہارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے شاید چار ماہ یا چھ ماہ۔" انہوں نے سامنے بیٹھے نوجوان کی طرف دیکھا جو بہت حوصلے سے اپنی موت کی خبر سن رہا تھا۔

"تم اپنے گھر میں کسی کو......"

"نہیں سر میں انہیں نہیں بتا سکتا۔" اس نے قطعی انداز میں کہا۔

"تو پھر کسی دوست کو ہی بتا دو، کیونکہ اس وقت تمہیں ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو تمہارے ساتھ اس درد کی بانٹ سکے، تنہا درد سہنا بہت مشکل ہوتا ہے، اگر کوئی ساتھ ہو تو درد کی چبھن بھی کم محسوس ہوتی ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن میں انہیں اپنے ساتھ پل پل مرتا نہیں دیکھ سکتا، میری موت کو سہنا تو ان کے لئے پہلے ہی بہت مشکل ہوگا اس پر اگر ابھی سے انہیں پتا چل جائے، نہیں یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا، اسی وقت کوئی کمرے میں داخل ہوا۔

"پاپا دس از ناٹ فیئر آپ نے کہا تھا کہ آج شام میں آپ بالکل فری ہوں گے لیکن آپ تو۔" اچانک ہی اس کی نظر کرسی پر بیٹھے شخص پر پڑی تو جو اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"زیان تم۔" پہچان کا مرحلہ پہلے اس نے ہی طے کیا تھا۔

"فراز!" وہ اٹھ کر اس سے بغل گیر ہوا تو ڈاکٹر حسن نے حیران ہو کر پوچھا۔

"فراز بیٹا تم زیان کو جانتے ہو؟"

"یس پاپا ہم نے کالج کے چار سال ایک ساتھ ہی گزارے ہیں۔" پھر وہ اس کی طرف مڑا۔

"لیکن تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میں یہ جاننے آیا تھا کہ زندگی کی ڈور کب ہاتھ سے چھوٹنے والی ہے۔" ڈاکٹر حسن سے ہونے والی بات چیت کا ہی اثر تھا کہ وہ اس کے سامنے یوں کہہ گیا تھا۔

"کیا مطلب؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں چلتا ہوں پھر ملیں گے۔" اس نے جلدی سے ڈاکٹر حسن سے مصافحہ کیا اور چلا گیا۔

"پاپا یہ......" وہ ابھی تک اس کے کہے الفاظ کے زیر اثر تھا۔

"بیٹا اسے برین ٹیومر ہے۔" پھر انہوں نے اس سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔

☆☆☆

اس نے اردگرد نظر دوڑائی تو سب ہی خوش گپیوں میں مصروف تھے صرف وہ ہی اپنی ٹیبل پر تنہا بیٹھی تھی، جب اسے آئے پندرہ بیس منٹ گزر گئے تو اس کی جھنجھلاہٹ عروج پر پہنچ گئی۔

"حد ہوتی ہے یعنی مجھے وقت پر پہنچنے کی تاکید کی تھی اور خود دونوں محترمہ ابھی تک نہیں پہنچی ہیں۔"

"سوری عبیر مجھے آنے میں دیر ہو گئی۔" کوئی بہت تیزی سے آ کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھا تھا۔

"ذیشان تم اور یہاں۔"

"ہاں بس وہ پھول ڈھونڈنے میں تھوڑی دیر ہو گئی، اصلی تو ملے نہیں اس لئے میں یہ لے آیا۔" اس نے سرخ رنگ کے نقلی پھولوں کا گلدستہ اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔

"ذیشان یہ سب، میں تو یہاں غزل او، ایک منٹ۔" اسے ایک دم ہی ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی۔

"اس کا مطلب مجھے یہاں باقاعدہ پلاننگ کر کے بلایا گیا ہے۔" اس سے پہلے کہ وہ خفا ہو جاتی وہ فوراً ہی بول پڑا۔

"دیکھو عبیر کچھ بھی کہنے سے پہلے میری بات سن لو پہلے ہی میں کافی دیر کر چکا ہوں۔"

"ذیشان!"

"نہیں مجھے کہنے دو پلیز اگر آج نہیں کہہ پایا تو شاید پھر کبھی نہ کہہ پاؤں، کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟" عبیر نے نظریں اٹھائیں تو وہ اس کی آنکھوں میں محبت کے رنگ دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہی ہو، یہی نہ کہ یہ اچانک مجھے محبت کیسے ہو گئی؟"

"میں یہ کیسے سوچ سکتی ہوں کیونکہ مجھ سے زیادہ کون جانتا ہوگا کہ محبت اسی طرح اچانک کسی راز کی طرح ہم پر آشکار ہوتی ہے اور پھر ہمارے چاروں طرف رنگ ہی رنگ بکھیر دیتی ہے۔" اس نے کہا نہیں بس سوچ کے رہ گئی۔

"جانتی ہو عبیر میں نے تمہیں ہمیشہ غزل کی طرح صرف ایک دوست سمجھا لیکن اس دن جب غزل نے تمہارا نام کسی اور کے ساتھ لیا تو مجھے بہت برا لگا، مجھ سے برداشت نہیں ہوا، یوں لگا جیسے زندگی میرے ہاتھ سے چھوٹ رہی ہو، اس پل پہلی بار احساس ہوا کہ تم برسوں سے اس دل کی مکیں ہو یہ تو میں ہی بے خبر تھا، لیکن ایک بات کی تو تمہیں داد دینی ہی پڑے گی کہ فیصلہ کرنے میں میں نے دیر نہیں کی۔" اس نے جس انداز میں داد مانگی اس نے عبیر کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی، اسی وقت ذیشان کی نظر انٹرنس ڈور سے داخل ہونے والی غزل اور زویا پر پڑی۔

"یہ دونوں کہاں سے ٹپک پڑیں؟" اس کی بڑبڑاہٹ اتنی بلند ضرور تھی کہ عبیر نے بھی سن لی لیکن اس کے پلٹ کے دیکھنے سے پہلے ہی وہ دونوں ان کے پاس پہنچ چکی تھیں۔

"تم دونوں یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"تم سے ٹریٹ لینے آئے ہیں۔" غزل نے بیٹھتے ہوئے کہا تو زویا بھی مسکراتے ہوئے اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔

"وہ کس خوشی میں؟"

"یہ جو ہزار واٹ کے بلب تم دونوں کے چہروں پر جل رہے ہیں ان کے ہوتے کسی اور خوشی کی۔" اچانک ہی غزل کی نظر میز کے سینٹر میں پڑے پھولوں پر پڑی تھی۔

"یہ اتنے سڑے ہوئے پھولوں کا گلدستہ یہاں کیا کر رہا ہے؟"

"تم نے ہی تو کہا تھا کہ پھول لے کر جانا۔"

"واٹ تمہارا مطلب ہے کہ یہ پھول تم لائے ہو۔" اس نے بڑی مشکل سے اپنی چیخ کو روکا جبکہ زویا اور عبیر نے اپنی ہنسی چھپانے کے لئے سر نیچے کر لیا تھا۔

"ہاں۔" اس نے باری باری تینوں کی شکلوں کو دیکھا۔

"ذیشان تم سے بڑا ڈفر میں نے آج تک نہیں دیکھا تم لاعلاج ہو۔" پھر اس نے عبیر کی طرف دیکھا جو کافی حد تک اپنی ہنسی روکنے میں کامیاب رہی تھی۔

"میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں حالانکہ ذیشان کے ہوتے ان کا نیک رہنا مشکل ہے۔" وہ عبیر سے مخاطب ہوئی۔

"میرے خیال سے عبیر کو ابھی سے آنے والے وقت کے لئے خود کو تیار کر لینا چاہیے۔" زویا نے پرخلوص مشورہ دیا۔

"یہ تم دونوں کیا الٹی سیدھی پٹیاں پڑھا رہی ہوا سے۔" اس نے گھور کر ان دونوں کو دیکھا۔

"بے فکر رہو اب ہماری پڑھائی گئی کوئی بھی پٹی اس پر اثر نہیں کرنے والی کیونکہ محبت اندھی ہوتی ہے۔" غزل نے کہا تو عبیر اس پر چڑھ دوڑی۔

"اچھا اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے، میرا خیال ہے زیان کو تمہارے خیالات بتانے چاہئیں۔"

"اور میرے خیال سے تمہارے پیٹ کے چوہے تمہارے دماغوں میں گھس چکے ہیں، اس لئے پہلے ان کے بارے میں سوچنا چاہیے۔" زویا نے جنگ کے اثرات دیکھ کر مداخل ضروری سمجھی۔

"اچھا اب جلدی بتاؤ کہ کون کیا کیا لے گا؟" ذیشان نے پوچھا تو وہ تینوں اپنی اپنی پسند بتانے لگیں۔

☆☆☆

رات ہونے والی ساون کی پہلی بارش میں صبح کو اور بھی خوبصورت بنا دیا تھا، نیلے آسمان کو ہلکے گہرے بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا، پھوار کی طرح برستی بوندوں کو ہوا اپنے ساتھ اڑا کر لاتی اور اس کے چہرے کو بھگو ڈالتی، ہوا کی اس شرارت پر وہ مسکرا اٹھتی اور چنچل ہوا اس کی لٹوں سے کھیلتی واپس پلٹ جاتی۔

"غزل جلدی آؤ ناشتے پر سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" زویا کی آواز سن کر اس نے کھڑکی کا پٹ بند کر دیا اور نیچے چلی آئی۔

ناشتے کے بعد موسم کے تیور دیکھ کر تقریباً گیارہ بجے وہ گھر سے نکلے تھے، راستہ تو بہت اچھا کٹا لیکن گاڑی سے اترتے ہی غزل کا منہ بن گیا۔

"اس سے زیادہ بری جگہ نہیں ملی تھی تمہیں پکنک منانے کے لئے؟" اس نے ڈگی سے سامان اتارتے ذیشان اور زیان کو دیکھ کر کہا، عبیر اور زویا کی حالت بھی کچھ اس سے مختلف نہ تھی۔

"کیا کریں ڈھونڈا تو بہت لیکن ملی ہی نہیں۔" زیان کے کہنے پر سب ہی ہنس پڑے تو اس نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

"میرے خیال سے یہاں سے چلنا چاہیے، ورنہ ایسا نہ ہو کہ اس درخت پر رہنے والی بھوتنیاں اپنی کسی ساتھی کو دیکھ کر نیچے اتر آئیں۔" اس نے کچھ ہی فاصلے پر موجود ایک اونچے گھنے پیڑ کو دیکھ کر کہا۔

"زیان یو......" غزل نے ہاتھ میں پکڑی

ہوئی ٹوکری میں سے امرود نکالا اور اسے دے مارا لیکن اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ فوراً ہی سائیڈ ہو گیا اور امرود سیدھا ذیشان کے جا لگا جو بالکل زیان کے آگے ہی کھڑا تھا اور وہ سینے پر ہاتھ فوراً رکھ کر ہی بیٹھ گیا۔

"ذیشان تم ٹھیک ہو؟" وہ تینوں ہی اس کے پاس چلی آئیں۔

"یار زیان مجھے لگتا ہے کہ تم دونوں کے جھگڑوں میں کسی دن میں ضرور ضائع ہو جاؤں گا۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھے رکھے کہا۔

"لیکن ذیشان امرود تو تمہارے کندھے پر لگا تھا۔" زویا اس کی ایکٹنگ سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئی تھی۔

"بے وقوف چوٹ جہاں مرضی لگے لیکن درد تو دل ہی میں ہوتا ہے نہ۔" ذیشان نے اپنی طرف سے بڑی سمجھداری کی بات کی تھی لیکن ان سب کے مشترکہ قہقہہ پر اس نے خجالت سے سر جھکا لیا، پچھلے دو گھنٹوں سے وہ تینوں ایک دوسرے کو ہی کمپنی دے رہی تھیں، زیان اور ذیشان کو لڑکوں کا ایک گروپ بلا کر لے گیا تھا جن کے پاس کرکٹ میچ کرنے کے لئے دو لڑکوں کی کمی تھی۔

"اس سے زیادہ انجوائے تو ہم گھر پر ہی کر لیتے ہیں۔" عجیر نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا تو زویا بھی اس کا ساتھ دینے لگی۔

"واقعی اب تو باتیں بھی ختم ہو گئی ہیں۔"

"چلو پھر ہم بھی ان کے ساتھ کھیلتے ہیں۔" غزل کو جوش آ گیا۔

"پاگل ہوئی ہو کیا؟" عجیر نے کہا۔

"کیوں کیا لڑکیاں کرکٹ نہیں کھیلتیں؟"

"غزل پلیز اب تم وہ اپنے فضول قسم کے دلائل دینے نہ شروع کر دینا۔" زویا نے اس کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے۔

"چلو پھر بابر کے بارے میں بات کر لیتے ہیں، یہ ٹاپک تو فضول نہیں ہوگا، ہے نہ، تمہارا کیا خیال ہے عجیر؟"

"میرے خیال سے بس ٹھیک ہی ہے۔" وہ غزل کا اشارہ سمجھ گئی تھی۔

"اچھا اور اس ذیشان ڈفر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" اس کے تپے تپے انداز پر وہ دونوں قہقہہ مار کر ہنس پڑیں تو وہ بھی ان کی شرارت سمجھ کر مسکرانے لگی۔

"لیکن سیریسلی یار اگر بابر بھی یہاں ہوتا تو اور مزا آتا۔" غزل نے کہا۔

"اگر وہ لاہور میں ہوتا تو ضرور آتا لیکن وہ تو کراچی گیا ہوا ہے۔" اس نے اتنی افسردگی سے کہا کہ وہ دونوں مسکرائے بغیر نہ رہ سکیں۔

"میرے خیال سے اس سے پہلے کہ صورتحال خطرناک حد تک سنجیدہ ہو جائے ہمیں ماحول تبدیل کر لینا چاہیے۔" عجیر نے مشورہ دیا۔

"وہ کیسے؟" غزل نے پوچھا۔

"ہم تینوں اپنا نشانہ آزماتے ہیں۔"

"لیں۔" غزل تو فوراً ہی مان گئی اور بوریت اتنی ہو رہی تھی کہ زویا بھی احتجاج نہ کر سکی اور ان کے ساتھ مل گیا۔

وہ تینوں ہاتھوں میں امرود پکڑ کر درخت کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئیں وہ لوگ کھیلنے میں اتنے مگن تھے کہ انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔

"دیکھو ایک ساتھ مارنا لیکن خیال رہے ہمارا نشانہ زیان یا ذیشان نہیں ہیں اوکے۔" غزل کے کہنے پر ان دونوں نے بس سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

"اوکے ون ٹو تھری۔" ان کے ہاتھ فضا میں بلند ہوئے اور فیلڈنگ کرتے تین لڑکے ہڑبڑا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے، لیکن جب تک ان کی نظر ان تینوں پر پڑتی، وہ وہاں سے کافی فاصلے پر ٹہل رہی تھیں۔

پہلی دفعہ کو اتفاق سمجھ کر وہ لوگ نظر انداز کر گئے تھے، لیکن جب وہ دو دفعہ اور اسی طرح امرود ان کے سروں پر آ کر لگے تو انہوں نے وہاں سے بھاگنے میں دیر نہیں لگائی اور زیان اور ذیشان حیران پریشان سے واپس آ گئے۔

"عجیب پاگل تھے کھیل بیچ میں ہی چھوڑ کر بھاگ گئے۔"

"بھاگ کہاں بھگانا پڑا۔" غزل نے امرود اچھالتے ہوئے کہا۔

"تم......؟" زیان کو ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی کہ اتنے سارے امرود کہاں سے آئے تھے۔

کھانے کے بعد ان لوگوں نے کچھ دیر پارک میں چہل قدمی کی پھر راوی کنارے جانے کے ارادے سے وہاں سے نکل آئے، راوی کنارے پہنچے تو شام ہو چکی تھی، زیان اور غزل تو وہیں دریا کے کنارے بیٹھ گئے، عجیر، زویا اور ذیشان چہل قدمی کرنے ذرا آگے چلے گئے۔

دریا کنارے ڈوبتا ہوا سورج بہت خوبصورت لگ رہا تھا، لیکن نجانے کیوں غزل کو آج وہ بہت اداس لگا، شاید اس لئے کہ آج سے پہلے اجالے کو تاریکی میں گم ہوتے اس نے اتنے قریب سے کبھی نہیں دیکھا تھا، اسے لگا جیسے یہ ڈوبتا ہوا سورج موت کا قاصد ہے جو ان کی طرف بڑھتے موت کے سایوں اور زندگی کے خاتمے کی اطلاع دے رہا ہے، ایک دم ہی اسے شدید قسم کی گھبراہٹ ہونے لگی، اس نے فوراً ہی اپنی نظریں دریا کے ٹھہرے ہوئے پانی پر مرکوز کرنی چاہیں تھیں زیان اس کی ہر حرکت کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔" غزل نے اسے ٹالا۔

"کچھ تو ہے کیونکہ تمہارا چہرہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔"

وہ جانتی تھی کہ وہ اگر چاہے بھی تو اس سے کچھ نہیں چھپا سکتی، اس لئے مسکرانے لگی لیکن اس مسکراہٹ میں بھی درد کا احساس ہلکورے لے رہا تھا۔

"پتا نہیں زیان کیوں ایک پل کے لئے ہی سہی لیکن مجھے ایسا لگا جیسے ہی سورج اکیلا نہیں ڈوب رہا ہے بلکہ اپنے ساتھ میری زندگی بھی لے جا رہا ہے۔" ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ جن احساسات سے گزری تھی اس نے زیان کے سامنے ان خدشات کو زبان دے دی تھی، غزل کے اس خوف نے اسے بھی اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

"یہ سب تمہارا وہم ہے اور کچھ نہیں۔" زیان نے خود کو سنبھال کر اس کے ڈر کو دور کرنا چاہا، لیکن وہ کچھ زیادہ ہی خوفزدہ تھی۔

"نہیں زیان کچھ تو ہے، کچھ ہونے والا ہے۔" اس کے یہ خدشات تو اسے بھی ہولائے دے رہے تھے اور اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کے خوف کو کیسے دور کرے۔

"زیان ایک بات تو بتاؤ کیا محبت کی بھی کوئی عمر ہوتی ہے؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔

"نہیں کیونکہ محبت کا تعلق جسم سے نہیں ہوتا، محبت تو روح میں بستی ہے اس لئے ہمیشہ زندہ رہتی ہے، لیکن تمہیں آج کیا ہو گیا ہے غزل کیوں ایسی باتیں کر رہی ہو؟"

"مجھے خود نہیں پتا کہ یہ کیسا خوف ہے جو اتنی

شدت سے میرے اندر سرائیت کر رہا ہے۔"
"چلو یہاں سے اٹھو۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"زیان ایک وعدہ کرو آج۔" غزل نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔
"اگر قسمت نے ہمیں صرف چند لمحے بھی دیئے تو ہم انہیں مل کر پوری زندگی بنالیں گے۔"
"نہیں غزل میں ایسا کوئی وعدہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ لمحے میرے لئے تو زندگی بن جائیں گے لیکن تمہیں اندھیروں میں دھکیل دیں گے۔" وہ صرف سوچ کر رہ گیا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے کھڑا کیا، تب ہی وہ تینوں بھی آگئے۔
"میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے کیونکہ بارش کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔" زویا کہہ رہی تھی اور عبیر زیان اور غزل کے چہرے دیکھ رہی تھی۔
"غزل تم ٹھیک ہو؟"
"ہاں۔" وہ مسکرائی تو عبیر اسے اپنا وہم سمجھ کر سر جھٹک کر رہ گئی۔
زیان اور عبیر کو چھوڑ کر وہ تینوں گھر پہنچے تو ماہین بھابھی باہر لان میں ہی ٹہل رہی تھیں، وہ تینوں صورتحال جاننے کے لئے ان کے پاس ہی چلے آئے، ان کی پہلی اطلاع سن کر زویا تو اندر بھاگ گئی جبکہ وہ دونوں تفصیل جاننے کے لئے بے چین تھے۔
"بابا جان تو چاہتے تھے کہ تینوں شادیاں ہی اکٹھی ہو جائیں لیکن بی جان نے دونوں بیٹیوں کی شادی ساتھ کرنے سے منع کر دیا، اس لئے خالہ جان کی تنہائی کو دیکھتے ہوئے دو مہینے بعد زویا کی شادی کی تاریخ رکھی گئی ہے اور اس کے ایک مہینے بعد تمہاری اور ذیشان کی شادی اکٹھی کی جائے گی۔" ماہین کی باتیں سن کر اس کے دل سے ہر ڈر ہر خوف دور ہو گیا اور اب وہ پھر پہلے والی غزل تھی۔

"او جیو بھابھی۔" ذیشان نے نعرہ لگایا۔
"لیکن ہمارا ایم اے۔" غزل نے جان بوجھ کر منہ بناتے ہوئے کہا۔
"وہ تم دونوں اب اپنے اپنے گھر جا کر پورا کرنا۔" ماہین نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگائی تو وہ اس سے لپٹ گئی اور ذیشان کی رنگ گھماتا اندر چلا گیا۔

☆☆☆

"یار زویا یہ تمہاری پھپھو ساس کو بھی ابھی ہی فوت ہونا تھا بھلا ایک ہفتہ ٹھہر نہیں سکتی تھیں، ہائے آج ہم بیٹھے تمہارا ولیمہ کھا رہے ہوتے۔"
"بہت ذلیل ہو تم غزل۔" زویا نے اسے تکیہ کھینچ مارا جسے اس نے آرام سے کھینچ کر کے سائیڈ پر رکھ دیا۔
"شکر کرو کہ ابھی مریں، اگر جو کچھ مہینے پہلے مرتیں تو بابر صاحب کی دلہن وہ محترمہ ہوتیں جو بڑے دھڑلے سے آج کل ان کے گھر میں رہ رہی ہیں۔" عبیر نے پکوڑے کھاتے ہوئے کہا۔
"زویا ذرا خیال رکھنا سنا ہے وہ کافی خوبصورت ہے اور اوپر سے یتیم بھی، کہیں بابر بھائی کا دل پھسل گیا تو؟" اس نے راز دارانہ انداز میں اس کے پاس آکر کہا تو غصے میں زویا نے اسے دھکا دے دیا اور عبیر کی ہنسی چھوٹ گئی۔
"ویسے سیریسلی یار زویا تمہارے خالو نے یہ ٹھیک نہیں کیا، یہ کیا بات ہوئی کہ اس کی ساری ذمہ داری اپنے سر لے لی، پہلے ماں کی وجہ سے شادی لیٹ ہوئی اور اب بیٹی۔" عبیر نے سنجیدگی سے کہا۔
"لیکن وہ بھی کیا کرتے بھائی تو اس کا کوئی ہے نہیں اور بہن اسے اپنی سسرال لے جا نہیں سکتیں تھی، ایسے میں وہ بیچاری کہاں جاتی۔" زویا کو بیچ بیچ اس سے ہمدردی ہو رہی تھی۔

"بڑی ہمدردی ہو رہی ہے ایسا کرو بابر بھائی کی شادی اسی سے کرا دو بڑا ثواب ملے گا۔" غزل نے جل کر کہا۔
"غزل تم نے تو خوامخواہ کا بیر باندھ لیا ہے اس بیچاری سے۔"
"حالانکہ ہونا تمہیں چاہیے تھا۔" عبیر نے لقمہ دیا۔
"بہر حال کچھ بھی کہو تم یہ تو مانتی ہو نہ کہ اس کی وجہ سے تمہاری شادی لیٹ ہوگئی۔"
"لیکن اس میں اس کا کیا قصور اس کا منگیتر فوج میں ہے اور وہ بھی نیوی میں، دو مہینے بعد وہ آئے گا تب ہی شادی ہوگی، اب اگر خالو جان دونوں شادیاں اکٹھی کرنا چاہ رہے ہیں تو اس کیا میں برا کیا ہے؟"
"غزل اس کو کچھ بھی کہنا بے کار ہے یہ پوری طرح اپنی سسرال پر فدا ہے۔" عبیر ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہوگئی۔
"تم کہاں جا رہی ہو؟" غزل نے پوچھا۔
"صاحب بہادر کے رونے کی آواز آرہی ہے، دیکھ کر آتی ہوں کہ بھابھی کہاں ہیں۔" عبیر کمرے میں داخل ہوئی تو نوال وارڈروب میں گھسی ہوئی تھی اور وہ معصوم بلک بلک کر رو رہا تھا، اس نے جیسے ہی اسے کاٹ سے نکال کر گود میں لیا اس کا رونا بند ہوگیا۔
"بگاڑ کر رکھ دیا ہے تم لوگوں نے اسے، جہاں لٹاؤ گود میں آنے کے لئے رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیتا ہے۔" نوال نے وارڈروب سے منہ نکال کر اسے سنایا۔
"شام کو برہان کے ساتھ ڈنر پر جانے کے لئے کپڑے نکال رہی تھی ایک منٹ کے لئے اسے لٹایا تھا اور رو رو کر اس نے سارے جہاں کو ہلا کر رکھ دیا۔"

"بھابھی میں اسے نیچے لے جا رہی ہوں۔" اس سے پہلے کہ وہ مزید لن ترانیاں کرتیں عبیر اسے لے کر نیچے چلی آئی۔

☆☆☆

"ہیلو زیان کیسے ہو؟"
"ارے تم نے آج کیسے یاد کر لیا؟" دوسری طرف سے خوشگوار حیرت میں ڈوبی آواز آئی۔
"میں تو تمہیں ہر روز ہی یاد کرتی ہوں۔"
"بس صرف ہر روز۔"
"اچھا چلو پھر روزانہ چار بار۔"
"بس اتنا سا۔"
"تو پھر دس بار۔"
"اوں...... مزا نہیں آیا۔"
"اچھا تو پھر بیس بار۔" اب تو وہ باقاعدہ چڑ گئی تھی۔
"اوں ٹھیک ہے لیکن کچھ بات نہیں بنی۔" وہ جان بوجھ کر اسے چڑا رہا تھا۔
"میں ہر سانس کے ساتھ تمہارا نام لیتی ہوں، اب ٹھیک ہے۔" اس نے جل کر کہا تو وہ ہنس پڑا۔
"اتنا مت جلو ورنہ شادی کے دن پہچانی نہیں جاؤ گی اور اب جلدی سے بتاؤ کہ فون کیوں کیا ہے؟" غزل کو غصہ تو بہت آیا لیکن چونکہ ابھی اس سے کام نکلوانا تھا اس لئے پی گئی۔
"زیان دس دن بعد شادی ہے۔"
"ہاں مجھے معلوم ہے۔"
"وہ مجھے ولیمے میں پہننے کے لئے سوٹ خریدنا ہے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔
"کیا لیکن تم اور عبیر تو اپنی شاپنگ پوری کر چکی ہو نہ۔" دوسری طرف سے حیرت کا اظہار کیا گیا۔
"ہاں لیکن وہ۔"

''سمجھ گیا ضرور ویسا ہی سوٹ تمہاری کسی کزن نے سلوالیا ہوگا اور ظاہر ہے کہ اب اس سوٹ کو پہننا تمہاری شان کے خلاف ہے، ہے ناں ایک تو تم لڑکیاں بھی نہ۔''

''پلیز زیان۔'' اس نے منت کی۔

''اچھا ٹھیک ہے میں آفس سے نکل ہی رہا تھا بس آدھے گھنٹے میں پہنچتا ہوں تم تیار رہنا۔''

''تھینکس زیان یو آر دی بیسٹ۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

اس نے بھی مسکرا کر فون بند کر دیا۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد ہی زیان کی گاڑی کے ہارن کی آواز آئی تھی اور وہ بی جان کو پکارتی باہر بھاگی۔

''بی جان میں جا رہی ہوں زیان آ گیا ہے۔''

''اے ہے لڑکی کچھ تو خیال کر بچہ بیچارا ابھی آفس سے آیا ہے اسے کچھ کھلانا پلانا تو تھا۔'' بی جان کے کہتے کہتے وہ لاؤنج سے باہر جا چکی تھی۔

''ایک تو یہ لڑکیاں بھی نہ۔'' وہ بس بڑبڑا کر رہ گئیں۔

''مجھے تو لگا کہ تم ہمیشہ کی طرح انتظار کرواؤ گی، لیکن لگتا ہے کہ سدھر رہی ہو۔'' وہ گاڑی میں آ کر بیٹھی تو زیان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تمہارا مطلب کیا ہے؟ کیا کیا پہلے بگڑی ہوئی تھی۔'' وہ فوراً ہی ہتھے سے اکھڑ گئی۔

''یہ تو مجھ سے بہتر تم ہی جانتی ہو۔'' زیان نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''زیان تم مجھے مجبور کر رہے ہو کہ میں تم سے جھگڑا کروں۔''

''وہ تو تم اب بھی کر رہی ہو۔'' اسے ستانے میں اسے مزہ آ رہا تھا۔

''تم مجھے گھر چھوڑ دو مجھے تمہارے ساتھ شاپنگ نہیں کرنی۔'' وہ مکمل طور پر خفا ہو گئی۔

''اگر شاپنگ میرے پیسوں سے ہو تب بھی نہیں؟'' اس نے لالچ دیا۔

''کیا؟'' غزل کو شاک لگا کیونکہ زیان کی کنجوسی سے وہ اچھی طرح واقف تھی کہ اس نے تو کبھی عید یا سالگرہ کے علاوہ کوئی گفٹ دیا ہی نہیں تھا۔

''ابھی ابھی جو میں نے سنا، کیا وہ واقعی تم نے ہی کہا ہے؟'' اسے اپنی سماعت پر شک ہوا۔

''یقین کرو میں نے ہی کہا ہے۔''

اور پھر واقعی جب اس نے اسے سوٹ خرید کر دیا تو اس کی حیرانگی کی انتہا نہ تھی، واپسی پر بھی جب اس کے کہے بغیر ہی اس نے آئس کریم بھی کھلا دی تو اس پر تو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

''ویسے زیان یہ آج تم اتنی دریا دلی کیوں دکھا رہے ہو؟'' آئس کریم کھا کر جب وہ گھر واپس جا رہے تھے تو غزل نے پوچھا۔

''لیجئے نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔'' اس نے بات کو مذاق میں اڑانا چاہا۔

''زیان پلیز بی سیریس بتاؤ نا کیا بات ہے کچھ عرصے سے تم بہت بدل گئے ہو۔'' وہ سیریس ہوئی تو اسے بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

''انسان نہیں بدلتے وقت انسان کو بدل دیتا ہے جو پل آج ہمارے پاس ہیں بس وہی زندگی ہیں، ان لمحوں کو جینے میں ہمیں کنجوسی نہیں کرنی چاہیے کیا خبر کل ہو نہ ہو، بس میں بھی یہی کر رہا ہوں۔'' وہ بول رہا تھا اور غزل کی نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں زیان نے اس کی طرف دیکھا تو اسے گم صم سا دیکھ کر پوچھنے لگا۔

''اے تم کہاں کھو گئیں؟''

''کہیں نہیں۔'' اس نے فوراً ہی نظریں اس

کے چہرے سے ہٹا لیں۔

''زیان تم پہلے تو ایسی باتیں نہیں کرتے تھے پھر اب کیا ہوا ہے کہیں کچھ ضرور ہوا ہے؟'' اس نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے سوچا، کچھ ہونے کا احساس تو اسے پچھلے کچھ عرصے سے ہو رہا تھا جیسے زیان کے بھی کہنے پر اس نے اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا لیکن آج زیان کی باتیں سن کر وہ پھر سے الجھ گئی تھی۔

☆☆☆

یہ دس دن کیسے گزرے پتا بھی نہیں چلا اور بارات کا دن آ پہنچا، عبیر اور غزل، زویا کو پارلر سے تیار کرا کے سیدھی ہال میں پہنچی تھیں کیونکہ نکاح پہلے ہی ہو چکا تھا اس لئے سارا انتظام ہال میں ہی کیا گیا تھا، ذیشان انہیں ہال کے باہر ہی اتار کر کسی کام سے چلا گیا تھا، وہ تینوں اندر پہنچیں تو ان کی طرف کے سارے مہمان آ چکے تھے، بس بارات کا انتظار تھا، وہ دونوں زویا کو لئے دلہن کے لئے مخصوص کمرے میں پہنچیں تو بی جان اور ریحانہ بیگم وہیں موجود تھیں۔

''غزل یہ ذیشان کہاں ہے؟'' ریحانہ بیگم نے فکرمندی سے پوچھا۔

''وہ تو شاید کسی کام سے گیا ہے۔''

''ایک تو یہ لڑکا بھی نہ۔''

''کیا بات ہے بڑی امی۔''

''ارے یہ تمہارے بڑے پاپا نے صبح سے مجھے بوکھلا کر رکھا ہوا ہے اور اسی بوکھلاہٹ میں بابر کا تحفہ بھی گھر ہی بھول آئی ہوں، باقی سارے تحفے ماہین لے آئی تھی بس بابر کے لئے جو گھڑی خریدی تھی وہ تمہارے بڑے پاپا کو دکھانے کے لئے میں نے کمرے میں رکھی تھی اور وہ وہیں پڑی رہ گئی۔''

''بس اتنی سی بات ہے آپ فکر نہ کریں میں فیضی بھائی کے ساتھ جا کر ابھی لے آتی ہوں۔'' غزل نے انہیں تسلی دی۔

''نہیں فیضی کی یہاں زیادہ ضرورت ہے پتا نہیں کس وقت بارات آ جائے تم زیان کے ساتھ چلی جاؤ۔'' اسی وقت ماہین اندر چلی آئی۔

''بی جان امی باہر سب عورتیں آپ کا پوچھ رہی ہیں۔''

''امی!'' اس سے پہلے کہ وہ باہر نکل جاتیں زویا نے پکارا، انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ نم آنکھوں سے انہیں ہی دیکھ رہی تھی، وہ فوراً ہی اس کے پاس آ گئیں تھیں۔

''میں بس ابھی تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔'' انہوں نے اس کے ماتھے پر بوسہ لیا اور نم آنکھوں کے ساتھ فوراً ہی باہر چلی گئیں۔

''ماہین بھابھی خیال رکھیئے گا ورنہ یہ لڑکی ہمارے کیے کرائے پر پانی پھیرنے میں ایک منٹ نہیں لگائے گی۔'' غزل نے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا تھا لیکن مسکرانے سے اس کی آنکھوں کی نمی اور بھی واضح ہو گئی تھی۔

''تم جاؤ ہم ہیں نہ۔'' عبیر نے کہا تو وہ فوراً ہی باہر نکل آئی۔

وہ ہال سے باہر نکلی تو سامنے ہی زیان کسی سے بات کرتا نظر آ گیا، اس نے بھی غزل کو دیکھ لیا تھا اس لئے فوراً ہی اس کی طرف چلا آیا۔

''کیا ہوا؟''

''بڑی امی بابر بھائی کا گفٹ گھر بھول آئی ہیں وہ لینے جانا ہے۔''

''تم گاڑی میں جا کر بیٹھو میں آتا ہوں۔'' زیان نے چابی اس کی طرف بڑھائی اور خود واپس پلٹ گیا۔

اسے گاڑی میں بیٹھے بمشکل پانچ ہی منٹ گزرے تھے کہ وہ آ گیا۔

گاڑی چلاتے ہوئے بار بار اس کی نظریں اس کے سراپے میں الجھ رہی تھیں، نیلے رنگ کے ٹراوزر اور شرٹ پہ ہم رنگ دوپٹہ شانوں پر پھیلائے وہ دل میں اتر جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔

گھر پہنچ کر اس نے گاڑی پورچ میں لے جا کر روکی تو وہ جلدی سے اتر کر اندر بھاگی، بڑی امی کے کمرے میں گفٹ لے کر دوڑ لاک کر کے جب وہ واپس آئی تو وہ گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تا، وہ بالکل اس کے سامنے آ کر رکی اور زیان کی نظروں نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

دسمبر کی اس خنک رات میں بھی چاند پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا، چاندنی میں نہائی ہوئی اس رات میں وہ بھی اس منظر کا ہی حصہ لگ رہی تھی، شریر لٹیں اس کے چہرے کو چھونے کی خواہش میں بار بار آگے بڑھ رہی تھیں اور وہ ان کی شوخ جسارتوں سے زچ ہو کر انہیں پیچھے دھکیل رہی تھی۔

''رات یہیں کھڑے کھڑے گزارنے کا ارادہ ہے کیا؟'' غزل نے ہی اس کی محویت کو توڑا تھا۔

''کاش میں اس پل کو زندگی سے چرا سکتا۔'' اس کے لہجے میں اتنی یاسیت تھی کہ غزل بے اختیار ہی پوچھ بیٹھی۔

''کیا بات ہے زیان؟''

''پتا نہیں غزل ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے یہ آخری پل ہے جب تم میرے ساتھ ہو، میں اس پل کو روکنا چاہتا ہوں، اسے اپنی مٹھی میں قید کر لینا چاہتا ہوں لیکن یہ میرے ہاتھوں سے پھسلتا ہی چلا رہا ہے۔'' وہ اپنی مٹھی کو کبھی بند کر رہا تھا اور کبھی کھول رہا تھا، اس کی نظریں خلاؤں میں جانے کیا کھوج رہی تھیں۔

''زیان!'' غزل نے گھبرا کر اسے آواز دی لیکن اس نے تو جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا بس اسے ہی دیکھتا رہا۔

''جی چاہتا ہے کہ آج وہ ساری باتیں تم سے کہہ دوں جو برسوں سے اس دل میں موجود ہیں، آج ہر جذبے ہر احساس کو زبان دینے کو جی چاہتا ہے، بس اتنا یاد رکھنا غزل کہ زیان واجد نے خود سے زیادہ اور زندگی سے بڑھ کر جسے چاہا ہے وہ صرف تم ہو، اس لئے خیال رکھنا ان آنکھوں میں کبھی آنسو نہ آئیں ورنہ تکلیف مجھے ہی ہو گی۔''

''زیان تم ایسی باتیں کیوں کر رہے ہو مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' وہ رو دینے والی ہو گئی تو زیان نے بھی فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

''تمہارا سینس آف ہیومر بھی نہ بالکل زویا کی طرح ہوتا جا رہا ہے ہر بات کو سیریسلی لے لیتی ہو، اب چلو۔'' زیان نے اس کے سر پر ایک چپت لگائی اور گاڑی میں بیٹھ گیا کہ کہیں اس کی آنکھیں دل کے سارے بھید نہ کھول دیں۔

واپسی پر زیان نے اوٹ پٹانگ باتوں سے اس کا دل بہلانے کی کوشش کی لیکن غزل کا ذہن اس کے اس یاسیت بھرے لہجے میں ہی اٹکا رہا، کچھ ہونے والا ہے، اس بات کا احساس اسے پچھلے کچھ دنوں سے ہو رہا تھا لیکن کیا یہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور پہلی بار اپنا یہ احساس وہ کسی سے شیئر نہیں کر پا رہی تھی۔

اسی الجھن میں جب وہ ہال واپس پہنچی تو بارات آ چکی تھی، زویا کے پاس جلدی پہنچنے کے چکر میں وہ تیز تیز چل رہی تھی کہ اچانک ہی اسے ایک دھکا لگا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ گرتی کسی نے اسے تھام لیا۔

''آر یو اوکے؟'' اس نے نظریں اٹھائیں۔

''آپ؟''

''غزل آپ؟'' وہ شخص بھی حیرت سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''آج زویا کی شادی ہے لیکن آپ؟''

''بے فکر رہیں بن بلائے نہیں آیا ہوں آپ نے تو نہیں بلایا لیکن زیان کی وجہ سے ذیشان سے بھی دوستی ہے اسی کے بلانے پر آیا ہوں۔'' فراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ واقعی شرمندہ ہو گئی تھی۔

''پھر کیا مطلب تھا؟'' اس نے جان بوجھ کر بات کو طول دینے کی کوشش کی تا کہ کچھ دیر اور وہ اس کے پاس کھڑی رہے۔

''اصل میں شادی کی شاپنگ میں اتنے مصروف رہے کہ اکثر دوستوں کو بلانا بھول گئے لیکن خیر میں اپنی شادی کی دعوت آپ کو ابھی سے دے رہی ہوں باضابطہ آپ کا دوست دے دے گا۔''

''آپ کا مطلب ہے زیان؟'' وہ ایک دم چونکا تھا۔

''جی یہی زیان، اب میں چلتی ہوں اندر میرا انتظار ہو رہا ہو گا۔'' وہ چلی گئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اس معصوم سی لڑکی کی قسمت پر افسوس کرے جو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی اس سے چھننے جا رہی تھی یا اپنی تقدیر پر خوش ہو، وہ کسی کو کچھ بھی بتائے بغیر وہاں سے چلا آیا تھا۔

رخصتی کے وقت ہر آنکھ اشکبار تھی سب سے زیادہ برا حال تو غزل کا تھا جو بڑی امی کے سینے سے لگی ہچکیوں سے رو رہی تھی، ان کے خود کے آنسو بھی تھمنے میں نہیں آ رہے تھے، ادھر زویا کا بھی رو رو کا برا حال تھا، جبیر اور ماہین نے بڑی مشکل سے اسے سنبھالا ہوا تھا، اس کے آنسو تو گاڑی میں بیٹھ کر بھی نہیں تھم رہے تھے۔

رخصتی کے بعد فارغ ہوتے ہوئے بھی ایک بج گیا تھا، جبیر اور امی کو وہ غزل اور ممانی کی وجہ سے وہیں چھوڑ آیا تھا، نوال بھابھی کی بہن کل مایوں بیٹھ رہی تھی اس لئے برہان بھائی رخصتی کے بعد ہی انہیں لے کر اسلام آباد کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔

وہ اور بابا گھر پہنچے تو دو بج چکے تھے، بابا اسے سونے کی تاکید کرتے اپنے کمرے میں چلے گئے تو وہ بھی اپنے کمرے میں چلا آیا، شام سے ہی اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا لیکن اس نے خیال نہیں کیا تھا کہ اب تو اس کو درد سہنے کی عادت ہو چکی تھی، اب بھی اس نے کپڑے چینج کیے اور ڈائری لے کر بیٹھ گیا، لیکن ایک دم ہی اس کا سر چکرایا اور وہ ڈائری ایسے ہی چھوڑ کر ٹیبلٹ کھا کر لیٹ گیا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہ پھر اٹھ کر بیٹھ گیا، درد کم ہونے کی بجائے اور بڑھ گیا تھا، اس نے ایک اور ٹیبلٹ لے لی لیکن درد تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی تو زمین پر گر پڑا، اس میں اتنی بھی سکت نہیں تھی کہ ساتھ والے کمرے سے بابا کو بلا سکتا، اپنی بے بسی پر اسے بہت رونا آیا تھا، اسی وقت دروازہ کھلا اور اسے بابا کا چہرہ نظر آیا جو روزانہ کی طرح تہجد پڑھ کر اس پر دم کرنے آئے تھے۔

''زیان کیا ہوا بیٹا؟'' وہ جلدی سے اس کے پاس آئے۔

''بابا...... امی...... جبیر کو بلائیں، میرے پاس...... وقت نہیں ہے۔'' اس نے بڑی مشکل سے بات مکمل کی۔

''تمہیں کچھ نہیں ہو گا بیٹا میں ابھی بلاتا

ہوں انہیں۔" وہ جلدی سے فون تک آئے، انہوں نے مختصراً ذیشان کو بتا کر فوراً آنے کو کہا، جب وہ فون کر کے واپس لوٹے تو وہ درد میں تڑپ رہا تھا۔

"بیٹا بس ابھی ذیشان آجائے گا تم حوصلہ رکھو۔" وہ اس کا سر گود میں رکھے بھیگی آنکھیں لئے نجانے کیا کیا پڑھ کر اس دم کر رہے تھے، دس منٹ بعد ہی کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔

"بابا...... امی...... غز......" یہ وہ آخری الفاظ تھے جو اس کی زبان سے ادا ہوئے اور جو آخری منظر اس کی آنکھوں نے دیکھا وہ غزل کا آنسوؤں سے تر چہرہ تھا جو سب سے پہلے بھاگتی ہوئی اس کے کمرے میں داخل ہوئی، اس کے بعد ہر چیز تاریکی میں ڈوب گئی۔

"زیان...... آنکھیں کھولو...... زیان۔"

سب اسے بلا رہے تھے اور غزل وہیں کھڑی اپنے خدشات کو بدتر حقیقت کے روپ میں دیکھ رہی تھی۔

اپنی تسلی کے لئے فیضان اور ذیشان اسے ہسپتال لے کر بھاگے، لیکن ڈاکٹرز نے دیکھتے ساتھ ہی کہہ دیا۔

"آئی ایم سوری۔" اور اس کے ساتھ ہی سب کچھ ختم ہو گیا۔

☆☆☆

اسے شدید قسم کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا، پورے تین دن بعد آج اسے ہوش آیا وہ بھی اس وقت جب زندگی اس سے روٹھ چکی تھی۔

"زیان...... زیان...... زیان۔" آنکھیں بند تھیں لیکن ہونٹ مسلسل ایک ہی نام کی تکرار کر رہے تھے، زویا فوراً ہی اس کے پاس آئی تھی۔

"غزل...... غزل آنکھیں کھولو۔" زویا کی آواز سن کر اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں، پہلی نظر میں کمرے سمیت ہر چیز اسے اجنبی لگی لیکن زویا پر نظر پڑتے ہی جیسے ہر احساس زندہ ہو گیا تھا، زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھننے کا احساس، تنہائی کا احساس، محبت کے کھونے کا احساس اور پھر جب وہ روئی تو زویا کے لئے اس کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

وہ باہر آئی تو ذیشان اور امی سامنے ہی سے آتے نظر آگئے۔

"زویا، بیٹا کیسی ہے وہ؟" انہوں نے آتے ہی اس سے پوچھا۔

"ہوش تو آگیا ہے بہت رو رہی تھی، ابھی ڈاکٹر صاحب چیک اپ کر رہے ہیں۔" اس کی اپنی آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں۔

"آہ، کس کی نظر لگ گئی میری بچی کو خوشیوں کو۔" وہ خود بھی رونے لگیں۔

"امی اگر آپ ہی ہمت ہار جائیں گی تو اس کا کیا ہوگا؟" ذیشان نے انہیں کندھے سے تھامتے ہوئے کہا، اسی وقت ڈاکٹر صاحب باہر آئے تھے۔

"ہاؤ از شی ڈاکٹر؟" ذیشان نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

"پہلے سے بہتر۔"

"بس آپ خیال رکھیں اور زیادہ دیر اسے اکیلا نہ چھوڑیں کیونکہ بہت زیادہ رونا اس کے لئے فی الحال بہتر نہیں ہے۔"

"امی آپ لوگ اس کے پاس جائیں میں آتا ہوں۔" وہ ان دونوں کو کمرے میں بھیج کر خود ڈاکٹر کے ساتھ چلا گیا۔

☆☆☆

اسے ہسپتال سے آئے ایک مہینہ ہونے والا تھا لیکن اس کی حالت آج بھی پہلے جیسی تھی، بات کرتے کرتے اچانک رو پڑتی تھی، کئی کئی

دن کمرے سے باہر نہیں نکلتی تھی، اس کے ہونٹ تو جیسے مسکرانا بھول ہی چکے تھے، پھپھو کے گھر جانے کا حوصلہ وہ آج بھی اپنے اندر نہیں پاتی تھی، عبیر ہی اس سے ملنے آجایا کرتی تھی۔

اس دن بھی عبیر آئی تو سب ہی لاؤنج میں موجود تھے، بس ایک وہ ہی نہیں تھی، وہ اس کے کمرے میں چلی آئی جہاں کھڑکی کے پاس وہ گم صم سی کھڑی تھی۔

"غزل!" اس کے پکارنے پر بھی اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تو وہ اس کے قریب چلی آئی۔

"غزل!" اس نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا وہ چونک اٹھی۔

"کیسی ہو غزل؟" عبیر کے پوچھنے پر اس نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر باہر دیکھنے لگی، عبیر دکھ اور تاسف سے سوچنے لگی۔

"یہ وہی غزل ہے جس کے پاس باتیں کبھی ختم نہیں ہوتی تھیں لیکن آج لفظ ختم ہو گئے تھے۔" عبیر ایک سرد آہ بھر کے اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں تمہارے لئے لائی تھی۔" غزل نے پہلے اسے پھر اس کے ہاتھ میں پکڑی سیاہ جلد والی ڈائری کو دیکھا، اس کی آنکھوں میں ابھرنے والا سوال عبیر نے بخوبی پڑھ لیا تھا۔

"زیان کی ہے آج اس کے کمرے کی صفائی کی تو؟" غزل نے کسی قیمتی متاع کی طرح ڈائری اس کے ہاتھ سے لی تھی۔

"غزل اس ڈائری کے ہر لفظ سے زیان کی محبت چھلکتی ہے جو صرف تمہارے لئے تھی، اس محبت کو اپنی طاقت بناؤ کمزوری نہیں۔" عبیر نے جانے کے ارادے سے قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ غزل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"عبیر...... زیان کیوں چلا......؟" اس سے آگے اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا اور وہ عبیر کے گلے لگ کر سسک اٹھی اور آنکھیں تو عبیر کی بھی بھر آئیں تھیں لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"غزل سنبھالو اپنے آپ کو، اپنے لئے نہ سہی ہم سب کے لئے جو تم سے بہت پیار کرتے ہیں، وعدہ کرو غزل کہ تم ہماری خاطر پھر سے جینے کی کوشش ضرور کرو گی، وعدہ کرو۔" عبیر نے اسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"عبیر میں ایسا کوئی وعدہ نہیں کر سکتی جسے نبھا نہ سکوں لیکن ہاں تمہاری خاطر کوشش ضرور کروں گی۔"

"میں تمہاری اس کوشش کا انتظار کروں گی۔" عبیر نے اسے گلے لگایا اور پھر فوراً ہی وہاں سے چلی آئی کہ اسے دیکھ کر زیان کو کھونے کا احساس اور بھی بڑھ جاتا تھا اور وہ اس کے سامنے بکھرنا نہیں چاہتی تھی۔

عبیر کے جانے کے بعد وہ وہیں ایزی چیئر پر بیٹھ گئی، اس نے ڈائری کو چھو کر زیان کے لمس کو محسوس کرنا چاہا تو آنکھیں بھیگ گئیں، اس نے ڈائری کھولی تو زیان اور غزل کا نام پہلے ہی صفحہ پر جگمگا رہا تھا، شروع کی بیشتر ڈائری تو اس کی پڑھی ہی ہوئی تھی کہ اکثر وہ زیان سے چھپ کر پڑھ لیا کرتی تھی، اسے معلوم تھا کہ وہ خاص موقعوں کو اپنی ڈائری میں ضرور لکھتا ہے اس نے کچھ صفحے پلٹے تو ریڈ مارکر سے ایک تاریخ کو واضح کیا گیا تھا اور مخاطب بھی وہی تھا۔

"اب تو شک کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ موت کا وقت بھی مقرر ہو چکا ہے چار ماہ صرف چار ماہ اور اس کے بعد بہت اذیت ناک ہے موت کو پل پل اپنی طرف بڑھتا دیکھنا لیکن یہ اذیت کا احساس بھی وقتی ہے کیونکہ میرے آس پاس تم ہوتی ہو یا پھر تمہارا احساس، جس نے کسی

آکاس بیل کی طرح مجھے اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، میں ان لمحوں کو پوری طرح جینا چاہتا ہوں لیکن پھر بھی ایسا لگتا ہے جیسے تقدیر نے مجھے تم سے محبت کرنے کے لئے بہت کم وقت دیا ہے، کاش......کاش کہ۔"

آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں تھیں اور اس نے بے دھیانی میں بہت سارے صفحے پلٹ دیئے تو اچانک اس کی نظر پانچ مہینے پہلے کی ایک تاریخ پر پڑی جب ان کی شادیاں طے کی گئیں تھیں۔

یہ کیسے فیصلے ہوتے ہیں اوپر
جو نیچے عہد سارے ٹوٹتے ہیں
خوشی کے موڑ پر ہی کیوں یہ آخر
ہمارے خواب سارے ٹوٹتے ہیں

فیصلے کرتے ہوئے ہم بھول جاتے ہیں کہ ہم فیصلوں اور ارادوں سے زیادہ اٹل بھی ایک چیز ہے اور وہ ہے تقدیر جو کبھی ہمارے فیصلوں پر اقرار کی مہر لگاتی ہے تو کبھی انکار کی۔

اس کی آنکھوں سے گرنے والے آنسوؤں نے جگہ جگہ سے لفظوں کو مٹا ڈالا تھا، اس نے صفحہ پلٹ دیا۔

"میں جانتا ہوں زندگی مجھ سے لمحہ بہ لمحہ دور ہوتی جا رہی ہے، پھر بھی میں خود کو تم سے محبت کرنے سے نہیں روک سکتا تمہارا رشتہ تو میری روح سے جڑا ہے جو سانسوں کے ٹوٹنے سے بھی نہیں ٹوٹ سکتا لیکن میری محبت خود غرض نہیں ہے کہ محبت کے بدلے تمہارے دامن میں نارسائی کا عذاب ڈال دے۔"

ایک کے بعد وہ صفحے پلٹتی گئی، ہر صفحہ زیان کی محبت کا گواہ تھا اور اس کی آنکھوں سے گرنے والے آنسو اس محبت کا خراج ادا کر رہے تھے جو صرف اس کے لئے تھی، آگے کے کچھ صفحے خالی تھے اس نے بیچ مارک والا صفحہ کھولا تو وہ زویا کی شادی کی تاریخ تھی اور زیان کی زندگی کا آخری دن۔

"نجانے کیوں ایسا لگ رہا ہے اس رات کی صبح نہیں ہو گی، لیکن مجھے زندگی سے کوئی شکایت نہیں سوائے اس کے اس نے مجھے محبتیں تو دیں لیکن انہیں برتنے کا موقع نہیں دیا کہ کاش......" اس سے آگے کے صفحے خالی تھے اور غزل ڈائری کو سینے سے لگا کر سسک اٹھی تھی۔

☆☆☆

"ممانی جان!"

عبیر انہیں کھانے کے لئے بلانے آئی تو اس کی آواز سن کر انہوں نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے تھے لیکن ان کی آنکھوں کی سرخی اس پر سارے راز افشاں کر گئی تھی پھر بھی اس نے کہا کچھ نہیں کہا کہ پچھلے چھ ماہ سے جب سے اس کی شادی ہوئی تھی وہ سب اپنے اپنے آنسوؤں کا بھر اسی طرح قائم رکھے ہوئے تھے کہ کہیں کسی ایک کے آنسو دیکھ کر دوسرے کا ضبط جواب نہ دے جائے، زیان کی موت تو وہ سب مل کر سہہ گئے تھے لیکن غزل کا درد وہ بانٹ نہیں پا رہے تھے۔

"ممانی جان! بی جان آپ کا کھانے پر انتظار کر رہی ہیں۔"

"تم چلو بیٹا میں آ رہی ہوں۔" وہ خاموشی سے چلی آئی، وہ باہر آئیں تو غزل کو ڈائننگ ٹیبل پر موجود نہ پا کر پوچھنے لگیں۔

"غزل نہیں آئی؟" کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا لیکن پھر بھی وہ سمجھ گئیں ہیں کہ پچھلے دو سالوں سے وہ اسی طرح خود سے اور زندگی سے ناراضگی کا اظہار کر رہی تھی۔

"آہ، میری بچی۔" وہ کرسی پر ڈھے سی گئیں تھیں، ان کی اور بی جان کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر عبیر بھی خود پر ضبط نہ کر سکی تھی، لیکن یہ آنسو

زیان سے زیادہ غزل کے لئے تھے۔

"وقت ہم سب کے زخموں کو مٹا نہیں پایا تھا پر مندمل ضرور کر دیا تھا، لیکن غزل کے زخم آج بھی اسی طرح تازہ تھے۔" اس سے پہلے کہ وہ بکھر جاتی اس نے خود کو سنبھال لیا کہ گھر میں اس وقت ماہین بھابھی بھی نہیں تھیں جن کے ہونے سے بھی اسے بڑا حوصلہ ملتا تھا۔

"میرے خیال سے بہو اب ہمیں فراز کے لئے ہاں کر دینی چاہیے، ایک سال سے وہ ہمارے جواب کا منتظر ہے بچہ بہت نیک ہے اور پھر دیکھ بھال کیسی اپنے زیان کا دو......" ایک دم ہی انہیں احساس ہوا کہ یہ بات انہیں عبیر کے سامنے نہیں کہنی چاہیے تھی، انہوں نے مڑ کر دیکھا تو وہ بے آواز رو رہی تھی۔

"عبیر بچے ادھر آؤ۔" انہوں نے بلایا تو وہ آنسو پونچھتی ان کے ساتھ والی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھ لئے۔

"بیٹا میں جانتی ہوں تم، لیکن غزل کو اب......" انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسے اسے اپنی بات سمجھائیں لیکن عبیر نے خود ہی ان کی مشکل دور کر دی اور ان کے ہاتھ تھام لئے۔

"بی جان آپ جو کہہ رہی ہیں بالکل صحیح کہہ رہی ہیں ہمیں غزل کو منانا ہی ہو گا۔"

"بہو تم بھی......"

"نہیں بی جان یہ مجھ سے نہیں ہو گا، مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔" ان کے آنسو پھر سے بہنے لگے تھے۔

"بہو اپنے آپ کو سنبھالو اگر تم نے بھی حوصلہ ہار دیا تو ان بچوں کا کیا ہو گا۔" انہوں نے گلاس ان کی طرف بڑھایا تو انہوں نے خاموشی سے تھام لیا۔

"عبیر بیٹا اب یہ کام تمہیں کرنا ہے۔"

"میں بی جان......لیکن۔"

"ہاں بیٹا اب زویا تو یہاں ہے ہی نہیں ورنہ میں اس سے کہتی صرف تم یہی ہو جو سب سے زیادہ اس کے قریب ہو۔" انہوں نے اس کے ہاتھ تھام لئے۔

"ٹھیک ہے بی جان میں کوشش کروں گی۔" اس نے ہامی بھری تو بی جان نے تشکر بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

☆☆☆

"کیا بات ہے عبیر میں شام سے دیکھ رہا ہوں کہ تم کچھ کھوئی کھوئی سی ہو؟" وہ بیڈ پر آ کر لیٹی تو ذیشان بھی ٹی وی آف کر کے اس کے پاس ہی چلا آیا۔

"ذیشان بی جان نے مجھ پر بہت بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے، یہ مجھ سے نہیں ہو گا بہت مشکل ہے۔" اس نے ایسے کہا جیسے ابھی رو دے گی، ذیشان نے آگے بڑھ کر اسے خود ساتھ لگا لیا۔

"ارے کیا ہوا اتنی جلدی ہار مان گئیں۔" اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس نے کہا۔

"میں نے بہت کوشش کی تھی میری ہر دلیل اس کی محبت کے سامنے کمزور پڑ جاتی ہے۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"ہاں محبت کے سامنے ہر دلیل کمزور پڑ جاتی ہے لیکن محبت کے سامنے محبت کو کمزور نہیں پڑنا چاہیے۔" عبیر نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"عبیر میں مانتا ہوں کہ اس کی زندگی میں زیان کی جگہ کوئی اور نہیں لے سکتا تھا لیکن ہماری جگہ تو ہمیں ملنا چاہیے، تم زویا کو بھی فون کر کے بلا لو اور پھر ہم سب بھی تو ہیں، مجھے یقین ہے کہ اتنی

سارى محبتوں سے وہ منہ نہیں موڑ سکے گی۔"

"ذیشان!" وہ حیرت زدہ سی ہو کر اس سے الگ ہو گئی۔

"حیران ہو رہی ہو نہ جناب سب آپ کی محبت کا کمال ہے ویسے میں نے محبت صحیح کہا نہ۔" اس نے سر کھجاتے ہوئے پوچھا۔

"ذیشان تمہاری اردو آج بھی اتنی ہی بری ہے۔" عبیر نے اسے تکیہ کھینچ مارا اور اس سے پہلے کہ وہ بھاگ جاتی اس نے اسے پکڑ لیا تھا۔

☆☆☆

جیسے ہی زویا نے کمرے میں قدم رکھا اسے وہیں کھڑکی کے پاس کھڑے پایا جہاں وہ اسے چھوڑ کر گئی تھی، دکھ اور تاسف کی ایک لہر نے زویا کو اپنے گھیرے میں لے لیا، کتنی عزیز تھی اسے اپنی یہ معصوم سی کزن لیکن......

"کبھی کبھی انسان بہت چاہتے ہوئے بھی کسی کے لئے کچھ نہیں کر پاتا۔" اس بات کا احساس اسے آج پہلی بار شدت سے ہوا تھا، کمرے میں چھائی وحشت ناک خاموشی کو زویا نے ہی توڑا۔

"کتنا خوبصورت موسم ہے۔" وہ کافی کا مگ تھامے اسی کے پاس چلی آئی جو نجانے کن خیالوں میں گم تھی کہ اس کی آواز سن کر چونک اٹھی۔

"ہوں۔"

"یوں لگتا ہے جیسے آسمان سے بارش نہیں بلکہ رنگ برس رہے ہوں۔" اس نے غزل کو کافی کا مگ پکڑاتے ہوئے کہا تو اس نے خاموشی سے مگ تھام لیا اور دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"لگتا ہے کہ جو رنگ کبھی تمہیں بہت پسند تھے آج اپنی اہمیت کھو چکے ہیں۔" اس کی طویل خاموشی سے عاجز آ کر زویا نے کہا۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو، یہ رنگ، یہ موسم میرے لئے اب کوئی معنی نہیں رکھتے۔" غزل نے ایک نظر اسے دیکھا اور کافی کا مگ تھامے کھڑکی کے پاس پڑی ایزی چیئر پر آ کر بیٹھ گئی۔

"لیکن غزل کیا تمہیں نہیں لگتا کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔" اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے کافی کے سپ لینے لگی، اس کے اس لئے دیئے رہنے والے انداز کی وجہ سے عبیر نے فون کر کے زویا کو بلا لیا تھا اور پچھلے دو دنوں سے وہ اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کی کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہوئی تھی لیکن پھر بھی اس نے ہار نہیں مانی تھی۔

"زندگی بہت خوبصورت ہے غزل۔"

"جانتی ہوں۔" اس نے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

"جانتی ہوتیں تو اس سے بھاگ نہ رہی ہوتیں۔"

"میں کہاں بھاگ رہی ہوں، زندگی خود ہی مجھ سے روٹھ گئی ہے۔" اس نے ہارے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں غزل ایسا نہیں ہے۔" زویا نے قطعیت سے کہا اور اس کے ساتھ والی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔

"زندگی تو اب بھی تمہاری راہ دیکھ رہی ہے۔" اس نے غزل کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

"بس تمہیں تھوڑی سی ہمت کرنا ہو گی پھر دیکھنا یہ سارے رنگ، موسم، خوشبوئیں تمہارے ساتھ پہلے ہی کی طرح قدم سے قدم ملا کر چلیں گے۔"

"زویا...... تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ ایسا ممکن ہے۔" اس کی ہلکی بھوری آنکھوں میں دکھ ہلکورے لے رہا تھا۔

غلط کہہ رہی ہوں؟" وہ اس کے سامنے بہت سارے سوالات چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی، دروازے پر پہنچ کر اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ اپنی ہتھیلیوں میں کچھ کھوج رہی تھی۔

"غزل!" زویا کے پکارنے پر اس نے نظریں اٹھائیں تو اس کی آنکھوں کے بھیگے گوشے اس سے چھپے نہیں رہ سکے تھے۔

"یادوں کو ساتھ لے کر نہیں چلا جاتا ورنہ زندگی مشکل ہو جاتی ہے، بہتر ہے کہ ہم ان یادوں سے دل کی ایک گلی آباد کر لیں اور باقی گلیوں کے دروازے ان محبتوں کے لئے کھلا چھوڑ دیں جو اس پر مسلسل دستک دے رہے ہوتے ہیں۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا اور دروازہ کھول کر نکل گئی۔

☆☆☆

عبیر کمرے میں آئی تو وہ وہیں کھڑکی کے پاس اپنی مخصوص جگہ پر کھڑی تھی، باہر ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی لیکن اس نے اس خوبصورت موسم کو کھڑکیاں بند کر کے اندر آنے سے روک دیا تھا، عبیر نے آہستہ سے جا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"غزل تمہیں بی جان بلا رہی ہیں۔" اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"تم چلو میں آ رہی ہوں۔" اس نے کہا تو عبیر خاموشی سے پلٹ آئی۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے ماہین بھابھی کی آواز سنی تھی جو بڑے پاپا سے کہہ رہی تھیں۔

"بابا جان آپ ہی کو بات کرنا ہو گی، وہ آپ کی بات کبھی نہیں ٹالے گی۔"

وہ لاؤنج میں آئی تو بی جان، بڑے پاپا، بڑی امی، پاپا، ماہین بھابھی، عبیر یہاں تک کہ

"ہاں مجھے پورا یقین ہے تم کوشش تو کرو اور پھر ہم سب بھی تو ہیں تمہارے ساتھ۔"

"ہاں تم سب ہو، بس...... زیان۔" اس ایک نام کو لیتے ہی آنسو خود بخود بہنا شروع ہو جاتے تھے اور آج بھی ایسا ہی ہوا تھا، زویا نے کچھ دیر اسے رونے دیا کہ کہیں اگر یہ آنسو اس کے اندر رہ گئے تو ساری عمر ناسور بن کر تڑپاتے رہیں گے لیکن اگر بہہ گئے تو اس کی روح پرسکون ہو جائے گی اور واقعی تھوڑی دیر بعد جب اس نے اپنے آنسو پونچھے تو وہ کافی حد تک پرسکون ہو چکی تھی۔

"زیان تمہارے لئے کیا تھا اس کا مجھے اچھی طرح احساس ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ اب ہمارے بیچ نہیں ہے۔" اس نے بغور غزل کا جائزہ لیا جو گردن جھکائے اس کی باتیں سن رہی تھی، اس کے ہاتھوں کی حرکت اس کے اندر کے اضطراب کو صاف ظاہر کر رہی تھی، زویا نے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھے تو جیسے ان بے قرار ہاتھوں کو قرار آ گیا۔

"تمہیں اس حقیقت کو ماننا ہوگا کہ زیان جا چکا ہے لیکن زندگی ابھی باقی ہے اور تمہیں اسے جینا ہے، اس کے بغیر ہی۔" غزل نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا تھا لیکن وہ اسے نظر انداز کر گئی۔

"تمہاری زندگی صرف تمہاری نہیں ہے بلکہ اس پر ان لوگوں کا بھی حق ہے جو تم سے بہت پیار کرتے ہیں، جو صرف تمہیں ہی دیکھ کر جیتے ہیں، کیا چاچو کی آنکھیں تمہیں زندگی کی طرف نہیں بلاتیں، کیا امی اور پاپا کی محبت تمہیں نہیں کھینچتی، کیا ہم سب تمہیں ادھورے نہیں لگتے، کیا تمہیں نہیں لگتا کہ ایک محبت کے لئے اتنی ساری محبتوں سے منہ موڑنا صحیح نہیں ہے تم سوچو کیا میں

ذیشان اور فیضی بھائی کو بھی وہیں بیٹھے پایا تو اسے معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا، اس سے پہلے کہ وہ پلٹ جاتی بی جان کی اس پر نظر پڑ گئی۔

"غزل بیٹا یہاں میرے پاس آؤ۔" انہوں نے اپنے اور بڑی امی کے درمیان اس کے لئے جگہ بنائی تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں جا کر بیٹھ گئی۔

"کیسی ہے ہماری بیٹی؟" بڑے پاپا نے اسے سر جھکائے بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

"ٹھیک ہوں بڑے پاپا۔"

"تو پھر ہماری بیٹی کے چہرے پر مسکراہٹ کیوں نہیں ہے۔"

"لگتا ہے چاچو آج کل آپ نے غزل کی پاکٹ منی بند کر رکھی ہے۔" ذیشان کی یہ بے تکی بات سن کر اس نے سر اٹھایا تھا۔

"کیوں بھئی تمہیں ایسا کیوں لگا؟"

"کیونکہ غزل بیچاری کو اپنی مسکراہٹ جو بیچنی پڑی۔"

ذیشان نے اتنی بیچارگی سے کہا کہ غزل بھی اپنی بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ کو نہ روک سکی اور اسے مسکراتا دیکھ کر سب ہی کے چہرے کھل اٹھے تھے، بڑی امی نے تو اسے فوراً ہی اپنے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔

"اب لگ رہا ہے کہ سامنے بیٹھی ہوئی یہ لڑکی ہماری غزل ہی ہے۔" ماہین بھابھی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیجئے ہماری صاحبزادی بھی اپنی پھپھو کے مسکرانے پر خوشی کا بینڈ بجا رہی ہے۔" فیضان نے ننھی علیشا کے رونے کی آواز سن کر کہا، ماہین فوراً ہی اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی تھی۔

"بیٹا تم جانتی ہو نہ کہ میری کتنی خواہش تھی کہ ذیشان اور تمہاری شادی ایک ساتھ ہو لیکن

تمہارے انکار پر میں نے اپنی اس خواہش کا گلا گھونٹ دیا تھا، ہم سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں اور تمہاری خوشی ہمارے لئے ہر چیز سے بڑھ کر ہے، کیا ہماری خوشی کی خاطر، تم یہ مت سمجھنا کہ میں تم پر کوئی زور زبردستی کر رہا ہوں کیونکہ بہرحال آخری فیصلہ تمہارا ہی ہوگا۔" اس نے بڑے پاپا کی طرف دیکھا تو ان کے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ اسے ان کے چہرے پر صاف نظر آ گئی۔

"بیٹا اب تمہارے پاپا بھی تھکنے لگے ہیں زندگی کا کیا بھروسہ اب تو بس ایک ہی خواہش ہے کہ آنکھیں بند ہونے سے پہلے تمہیں اپنے گھر میں آباد دیکھ سکوں۔" پاپا نے کہا تو وہ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر سسک پڑی، بڑی امی نے اسے گلے لگا لیا تھا لیکن اس کی سسکیاں تھمنے میں نہیں آ رہی تھیں۔

"بس میری جان چپ ہو جاؤ۔" بڑی امی جتنا اسے چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھیں اتنا ہی اس کے آنسوؤں میں شدت آ رہی تھی۔

"عبیر بیٹا جاؤ اسے لے جاؤ۔" بی جان نے کہا تو عبیر فوراً ہی اٹھ کے آئی تھی، اسے سہارا دیتی وہ اسے کمرے میں لے آئی، بیڈ پر بٹھا کر اس نے غزل کو پانی پلایا تو اس کی سسکیاں بھی ذرا تھمی تھیں۔

"تم لیٹ جاؤ میں انرجائل بنا کے لاتی ہوں۔" وہ جانے لگی تو غزل نے اسے پکار لیا۔

"عبیر!" اس نے پلٹ کر دیکھا وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"جو خوشی تقدیر نے مجھ سے چھینی ہے وہ میں کسی اور سے نہیں چھین سکتی، پاپا سے جا کر کہہ دو کہ وہ اپنی خواہش پوری کریں۔"

"غزل!" عبیر فوراً ہی اس کے پاس آئی تھی

اس نے اس کا چہرہ اٹھایا تو وہ آنسوؤں سے تر تھا، وہ بھی غزل کے گلے لگ کر سسک پڑی تھی۔

☆☆☆

"فراز میں آپ سے سخت ناراض ہوں بچوں کو آپ نے ساتھ لانے کیوں نہیں دیا؟" سارے راستے وہ خاموش رہیں تھی لیکن گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنی ناراضگی کا دل کھول کر اظہار کیا۔

"کبھی کبھی میاں بیوی کو کچھ وقت اکیلے بھی گزارنا چاہیے اور بچوں کی تم فکر نہ کرو دیکھا نہیں تھا نانی کے گھر رہنے کا سن کر کتنے خوش ہو گئے تھے۔" اس نے پاؤں ٹیبل پر رکھ لئے تھے اور دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے صوفے سے ٹیک لگائے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا، جو خفا خفا سی اس کے سامنے ہی بیٹھی تھی۔

"بڑی امی کیا سوچتی ہوں گی کہ......"

"یہی سوچتی ہوں کہ دس سال ہو گئے شادی کو لیکن اس لڑکے کی دیوانگی کم ہونے کی بجائے بڑھتی ہی جا رہی ہے۔"

"فراز آپ کبھی نہیں سدھریں گے۔" وہ فوراً ہی جھینپ گئی تھی۔

"ہائے۔" اس نے ایک ہاتھ دل پر رکھ

لیا۔

”کیا کریں یہ چہرے پر کھلتے گلاب یہ نرم سی جھکی نگاہیں، کسی کے بھی دل کا قرار لوٹ لیں پھر میری کیا مجال۔“

”فراز آپ بھی نہ۔“ وہ اٹھ کر جانے لگی تو فراز نے آگے بڑھ کر اسے روک لیا، اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھاما اور دونوں گھٹنے زمین پر ٹکا دیئے پھر اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

”ریشمی غزل تم آج بھی اتنی ہی حسین ہو جتنی دس سال پہلے تھیں، بالکل کسی شاعر کی غزل کی تفسیر کی طرح اور میں فراز حسن تمہیں دیوانوں کی طرح محبت کرتا ہوں۔“

”فراز آپ کی دیوانگی کی کوئی انتہا بھی ہے۔“ اب تو وہ اتنے سالوں میں اس کی دیوانگیوں کی عادی ہو گئی تھی اس لئے مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”اگر دیوانگی کی بھی حد بندی ہونے لگی تو پھر وہ دیوانگی کیسی؟“ اس نے غزل کے سامنے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

”چلو تمہارے لئے ایک سرپرائز ہے لیکن پہلے آنکھیں بند کرو۔“ اس نے اٹھ کر غزل کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

”لیکن۔“

”شش...... کچھ نہیں بولنا بس خاموشی سے چلو۔“ اس نے فوراً ہی ٹوک دیا پھر اسے لئے ہوئے ڈائننگ ٹیبل تک آیا اور آہستہ سے اس کی آنکھوں سے ہاتھ ہٹا دیئے۔

ڈائننگ ٹیبل کے چاروں طرف موم بتیاں روشن تھیں اور درمیان کینڈلز کی مدد سے دل بنایا گیا تھا جس کے اندر کیک رکھا تھا۔

”ہیپی برتھ ڈے ٹو مائی سویٹ وائف۔“ اس نے آہستہ سے اس کی کان میں سرگوشی کی تھی اور وہ پلٹ کر اس کے سینے سے لگ گئی۔

”آپ کو یاد رہا۔“

”سانسیں لینا بھی کوئی بھول سکتا ہے بھلا؟“

”اتنا پیار کرتے ہیں مجھ سے۔“ وہ اس سے الگ ہوئی۔

”اس سے بھی بہت زیادہ کہ تمہاری آنکھوں میں چھپے آنسو بھی مجھے صاف نظر آ جاتے ہیں۔“ اس نے غزل کو بھیگی پلکوں کو چھوا تو اس کی انگلی کی پوروں پر نمی آ گئی اور وہ فوراً ہی سر جھکا گئی تھی، اس نے غزل کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اوپر کیا

”یہ آنسو جس کے لئے بھی ہوں لیکن ان میں ایک رنگ مجھے اپنی محبت کا بھی نظر آتا ہے اور میرے لئے یہی بہت ہے۔“

”فراز آپ بہت اچھے ہیں بہت ہی اچھے۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے تھے جنہیں فراز نے اپنی انگلی کی پوروں سے صاف کر دیا تھا۔

”لیکن تم سے تھوڑا کم، ہے نہ۔“ اس نے کہا تو غزل ہنس پڑی۔

”اب تم فٹافٹ تیار ہو جاؤ میں ذرا شاور لے کر آتا ہوں پھر ہم ایک اچھی سی جگہ جا کر ڈنر کریں گے اوکے۔“ اس نے پیار سے غزل کے گالوں کو چھوا تو اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا، وہ شاور لینے چلا گیا اور وہ وہیں کھڑی سوچ رہی تھی۔

وہ فراز کی محبت کے سامنے ہار ضرور گئی تھی اور اس نے پھر سے نئے موسموں کے لئے دل کے دروازے کھول دیئے تھے، لیکن دل کی ایک گلی میں آج بھی ایک ہی موسم ٹھہرا ہوا تھا، زیان کی محبت کا موسم۔

☆☆☆

مانگے ہم روکے غرور اپنا

عزہ خالد

”سائیں گھر چلیں۔“ بوڑھے ملازم نے اس پاگل شخص کو ہاتھ پکڑ کر التجائیہ انداز میں کہا۔

”ن......ن......نہیں...... میں نہیں جاؤں گا۔“ پاگل نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بوڑھے ملازم کو گھورا۔

ملازم خاموشی سے اسے دیکھے گیا، اسے اس حلیے میں دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔

کیا شان ہوتی تھی کبھی اس شخص کی مگر اب، بکھرے بال، جن میں مٹی اٹی ہوئی تھی، پھٹے کپڑے، جو نجانے کتنے عرصے سے پہنے ہوئے تھے سوٹ کا اصل رنگ مدہم ہو گیا تھا یا شاید میل کچیل میں کہیں چھپ گیا تھا، کسی دور میں اس شخص کے ملبوسات بڑے بڑے ڈیزائنر ڈیزائن کرتے تھے، مگر پچھلے پانچ سالوں سے اس کا مسکن یہ قبرستان تھا، اپنے پیاروں کے قبروں پر آنے والے لوگ شروع شروع میں اس شخص کو بہت حیرت سے دیکھتے تھے مگر اب تو اگر وہ نہ ہوتا تو زیادہ حیرت ہوتی تھی، کبھی کبھار ملازم منتیں کر کے اسے تھوڑی دیر کے لئے حویلی لے جاتے تھے مگر وہ وہاں زیادہ تر ٹک نہیں پاتا تھا، کیونکہ اس کا سکون، اس کا قرار اس قبر میں دفن تھا، اس کی عمر بتیس تینتیس سال سے زیادہ نہیں تھی مگر وہ اپنی عمر سے کئی سال بڑا لگتا تھا۔

”سائیں خدا کے واسطے گھر چلیں۔“ بوڑھے ملازم نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا، مگر وہ بچوں کی طرح زور زور سے نفی میں سر ہلانے لگا۔

”میں نہیں نہیں جاؤں گا اور تم چپ ہو جاؤ، شش...... شش...... وہ سو رہی ہے۔“ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ملازم کو خاموش ہونے کا کہا۔

اس کی اس حالت پر ملازم کی آنکھیں بھر آئیں، اسے اپنے ہاتھوں سے پالا تھا، وہ اس کا خاندانی ملازم تھا، اس کے باپ دادا بھی ان کے ملازم تھے۔

وہ سالوں سے یہاں آ رہا تھا کہ کسی طرح وہ مان جائے تو اسے حویلی لے جائے، مگر وہ تو ایک منٹ بھی اس قبر کے پاس سے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔

آٹھ بج کر پچیس منٹ پر سفید رنگ کی کرولا قبرستان کے باہر رکی، پچیس چھبیس سال کا خوبرو نوجوان گاڑی سے اترا، اس نوجوان کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی اس عمر میں بہت کم لوگوں کے چہرے پر ایسی سنجیدگی ہوتی ہے، وہ اسی قبر کے پاس آ کر رکا اور فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے پانچ منٹ تک آنکھیں بند کیے پڑھنے کے بعد اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر لئے، ایک نفرت بھری نگاہ قبر کے پاس بیٹھے اس پاگل پر ڈالی، دل میں ٹیس سی اٹھی اور دو موتی آنکھوں سے نکلے، اس نے جیب سے ٹشو نکال کر گلاسز کے پیچھے بھیگی آنکھیں صاف کی اور شکوہ کناں نظروں سے قبر کو دیکھا، اسے شکوہ تھا اس سے کہ ایک ایک بار مجھے بتایا ہوتا، میں کوئی غیر تو نہیں تھا، میں میں آپ کو

بچالیتا، یہ دکھ پانچ سالوں میں بھی کم نہیں ہوا تھا، وہ آج بھی اسے یاد کر کے ایسے ہی روتا تھا جیسے وہ کل مری ہو۔

ایک دم اس کا سر ندامت سے جھک گیا اور ٹھنڈی سانس بھرتا واپسی کے لئے مڑنے ہی لگا تھا کہ بوڑھے ملازم نے اسے پکارا۔

''آپ میرے سائیں کو معاف کر دو۔''

بوڑھے ملازم نے ہاتھ جوڑتے ہوئے التجا کی نوجوان نے تکلیف سے نچلا ہونٹ دبایا، معاف کرنا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے، کبھی کبھی، وہ کوئی اس

سے پوچھتا۔

''مجھ سے نہیں اس سے معافی مانگو، وہ معاف کر دے گی تو میں بھی معاف کر دوں گا۔'' اس نے قبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

ہاتھ جوڑے کھڑا ملازم کبھی اس نوجوان کی پشت کو اور کبھی قبر کو دیکھ رہا تھا، قبر کے پاس لگی تختی پر بہت واضح حرف میں ''بنت انوار'' لکھا تھا۔

''وہ...... وہ کیسے معاف کرے گی، وہ تو مر چکی ہے۔'' بوڑھا ملازم گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

پاگل نے حیرت سے بوڑھے ملازم کو دیکھا مگر اگلے ہی پل جیسے وہ اس کی حالت سے محظوظ ہوا تالیاں بجا کر بے تحاشا ہنستے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے اس کی نظر قبرستان کے اندر کے منظر پر پڑی، قبر کے پاس بیٹھے دیوانے پر اسے رحم آیا، مگر صرف ایک پل کے لئے۔

''تمہارے ساتھ بالکل ٹھیک ہوا زاور شاہ، تمہارا غرور پاش پاش ہو گیا تم...... تم اسے قابل تھے۔'' گاڑی کو آفس کی طرف موڑتے ہوئے اس نے نفرت سے سوچا۔

☆☆☆

''حماد جلدی کرو، دیر ہو رہی ہے۔'' عدن نے آئینے کے سامنے کھڑے حماد کو دیکھتے ہوئے بے چینی سے کہا، آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا اسے آئینے کے سامنے کھڑے تیار ہوتے۔

''ڈونٹ وری اپیا! آپ کو تو وقت پر ہی یونیورسٹی پہنچا دوں گا۔'' حماد نے مسکراتے ہوئے چابی اٹھائی اور برآمدے میں کھڑی بائیک تک آیا۔

''خبردار جو آج تم نے بائیک تیز چلائی۔'' عدن نے اسے گھورتے ہوئے کہا، حماد کوئی جواب دیئے بغیر بس مسکراتا ہوا بائیک اسٹارٹ کرنے لگا، عدن نے آگے بڑھ کر گیٹ کھولا حماد نے بائیک گیٹ سے باہر نکالی اور اسے آنے کا اشارہ کیا۔

''اللہ حافظ امی، دروازہ بند کرلیں۔'' عدن نے اپنی بکس اور بیگ اٹھاتے ہوئے کہا اور گیٹ پار کر گئی۔

حماد کے پیچھے ہوئے اس سے بائیک آہستہ چلانے کی ریکوئسٹ کرنا، نہ بھولی مگر وہ حماد ہی کیا جو مان جائے۔

بائیک مین روڈ پر آ چکی تھی آگے حسب معمول سگنل بند تھا، گاڑیاں، وین، بائیکس گرین لائٹ کے انتظار میں کھڑی تھی، انتظار کرنے والی گاڑیوں کا ہجوم دیکھ کر حماد گاڑیوں کے بیچ والی پری جگہ سے بائیک آگے نکالنے لگا، اچانک اس کی بائیک لش لش کرتی نیو برانڈ مرسڈیز سے ذرا سی ہٹ ہوئی، مرسڈیز کا دروازہ کھلا اور گھنی مونچھوں والا مغرور سا شخص گاڑی سے اترا اس کے اترتے ہی گاڑی کا پچھلا دروازہ کھلا اور اس سے باوردی شخص اترا، اس کے ہاتھ میں رائفل تھی، یہ صورتحال دیکھ کر عدن کے پسینے چھوٹ گئے۔

''دیکھ کر نہیں چلا سکتے، یہ سڑک تمہارے باپ کی نہیں ہے۔'' اس نے قہر آلود نگاہ حماد پر ڈالی، اس کی آواز بہت پر جلال اور رعب دار تھی۔

''باپ تک جاتے......'' حماد بولنے ہی لگا تھا کہ عدن نے اس کا کندھا دبا کر چپ ہونے کو

کہااور فوراً بولی۔
”ایم...... ایم سوری، غلطی ہو گئی ہم معذرت خواہ ہیں۔“ عدن نے معذرت کی، اس کی نظر عدن پر پڑی تو جیسے اٹھنا بھول گئی۔
”اٹس اوکے۔“ وہ دوبارہ اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا، مسلح شخص نے بھی اس کی تقلید کی۔
”اپیا آپ کو کیا ضرورت تھی اس سے ایکسکیوز کرنے کی۔“ حماد نے ناراضگی سے پوچھا۔
”ایسے لوگوں سے بحث نہیں کرتے، یہ لوگ ذرا ذرا سی باتوں پر دشمنیاں پال لیتے ہیں ہم جیسوں کو تو یہ چیونٹیوں کی مانند سمجھتے ہیں جب دل چاہتا مسل دیتے ہیں۔“ عدن کی بات سن کر گاڑی میں بیٹھا شخص مسکرا دیا اپنی کلاس کے بارے میں اس کا تبصرہ اسے بے حد بھایا۔
گرین لائٹ آن ہوئی اور تمام گاڑیاں اپنی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئیں، حماد نے بائیک یونیورسٹی والے سڑک پر موڑ لی، عدن کو یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد اسے کالج جانا تھا، انہیں بالکل اندازہ نہ ہوا کہ وہ مرسڈیز ان کا تعاقب کر رہی ہے، گاڑی میں بیٹھا مغرور، رعب دار شخص عدن کے بھولے، معصوم سے چہرے کو دیکھ کر دل ہار بیٹھا تھا۔

☆☆☆

آج پھر اس شخص کو لینڈ کروزر میں دیکھ کر اس کا شک یقین میں بدل گیا، عدن کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرائے، پچھلے کئی دنوں سے اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ شخص اس کا پیچھا کر رہا ہے۔
”لو بھئی اپیا، تمہارا اسٹاپ آ گیا۔“ یونیورسٹی کے سامنے بائیک روکتے ہوئے حماد نے کہا، عدن فوراً بائیک سے اتری اور تیزی سے آگے بڑھ گئی، حماد نے بائیک کالج کی طرف موڑ لی۔
اپنے ڈپارٹمنٹ کی طرف بڑھتے ہوئے اس کی نظر ہنیہ پر پڑی۔
”آ گئی میری جنت ”میری عدن“۔ ہنیہ نے اسے دیکھتے ہی جوش سے کہا۔
”کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں، اتنی دیر کیوں کر دی؟“
”حماد کا تو تمہیں پتہ ہے نا، تیار ہونے میں کتنا ٹائم لگاتا ہے۔“ عدن نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”اس موٹو کو تو میں کسی دن تمہارے گھر آ کر پوچھوں گی۔“
”ہاں آنا کسی دن، وہ بھی تمہارا بہت پوچھتا ہے۔“
”دیکھو، کسی دن وقت نکال کر آؤں گی۔“ ہنیہ نے اپنے بیگ سے چاکلیٹس نکالتے ہوئے کہا، ایک عدن کی طرف بڑھائی مگر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
”ہنی میں بہت پریشان ہوں۔“
”کیوں کیا ہوا؟“ ہنیہ نے فکر مندی سے اسے دیکھا۔
”ایک شخص روز میرا پیچھا کرتا ہے۔“ عدن نے پریشانی سے کہا۔
”تم ایسے ہی پریشان ہو رہی ہو، ہو سکتا ہے تمہارا وہم ہو۔“
”نہیں وہم نہیں ہے۔“ عدن نے اسے اس دن والا واقعہ سنا دیا، جب حماد کی بائیک اس کی گاڑی سے ٹکرائی تھی۔
”تو تم انکل سے بات کرو۔“ ہنیہ نے اسے مشورہ دیا۔
”نہیں۔“ عدن نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔
”پتہ نہیں بابا کا کیا ری ایکشن ہو۔“
”پھر حماد سے بات کرو، اسے بتاؤ کہ وہ شخص ان کا پیچھا کرتا ہے۔“
”ن...... نہیں بالکل نہیں، حماد ابھی چھوٹا ہے بہت جذباتی ہے وہ غصے میں اس شخص سے لڑ پڑے گا اور یہ میں نہیں چاہتی وہ کسی سے لڑے۔“ عدن نے فوراً اس کا مشورہ ریجیکٹ کر دیا۔
”پھر ایسا کرو، اس مسئلے کو ایسے ہی چھوڑ دو، تمہاری طرف سے کوئی حوصلہ افزائی نہ پا کر وہ خود ہی تمہارا پیچھا چھوڑ دے گا۔“
”وہ بہت ڈھیٹ ہے، مجھے نہیں لگتا کہ وہ میرا پیچھا چھوڑے گا۔“ عدن نے پریشانی سے اسے دیکھا۔
”بلکہ یوں لگتا ہے جیسے وہ مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے۔“
”تو ٹھیک ہے نا بات کر لو، پوچھ لو اس سے کہ بھائی تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔“ ہنیہ نے چاکلیٹ کھاتے ہوئے کہا۔
”م...... میں کیسے بات کر سکتی ہوں، مجھے بہت خوف آتا ہے اس شخص سے اس کے ارادے مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگتے۔“
”تو بابا کوئی تو سلیوشن ہوگا اس پرابلم کا؟“
”ہاں ہے میں سوچ رہی ہوں پڑھائی چھوڑ دوں۔“
”ک...... ک...... کیا؟“ ہنیہ حیرت سے چلائی۔
”تمہارا دماغ ٹھیک ہے تم ایک شخص سے ڈر کر اپنا مستقبل تباہ کر لو گی؟“ ہنیہ نے افسوس سے اسے دیکھا۔
”تو پھر میں کیا کروں؟ مجھے خوف آتا ہے اس کے ارادے مجھے ٹھیک نہیں لگتے۔“ عدن نے بیچارگی سے اسے دیکھا۔
”ایسا کرتے ہیں اس کے خلاف رپورٹ درج کروا دیتے ہیں۔“ ہنیہ نے اپنی سمجھ میں زبردست آئیڈیا دیا۔
ہنیہ کے مشورے پر عدن کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔
”تمہارا کیا خیال ہے میری رپورٹ پر پولیس کی پوری نفری اس امیر زادے کو گرفتار کرنے پہنچ جائے گی؟“ عدن نے استہزائیہ انداز میں کہا۔
”آپ کون سے دور میں جی رہی ہیں ہنیہ وقار ایسے تو وہ شخص میرے لئے اور بھی مشکلات کھڑی کر دے گا۔“
”مگر عدن پھر بھی......“ ہنیہ کچھ بولنے ہی لگی تھی کہ عدن کے اسے چپ ہونے کا اشارہ کیا۔
”ثمرہ آ رہی ہے ہم اس ٹاپک پر بعد میں بات کریں گے۔“ عدن نے آہستگی سے کہا اور سامنے آتی ثمرہ کو دیکھنے لگی۔

☆☆☆

وہ تین دن سے یونیورسٹی نہیں جا رہی تھی ثریا بیگم کے پوچھنے پر کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتی، حماد ابھی کچھ دیر پہلے ہی کالج کے لئے نکلا تھا۔
ثریا بیگم پڑوس میں کسی کی عیادت کے لئے گئی ہوئی تھی عدن نے ناشتے کے برتن سمیٹے اور کچن کی طرف چل دی، وہ برتن دھونے ہی لگی تھی کہ فون بجنے کی آواز سن کر اس نے صافی سے ہاتھ صاف کیے اور کمرے میں آ کر فون اٹھایا۔
”ہیلو۔“ کچھ دیر بعد دوسری طرف سے

بھاری بھر کم آواز آئی۔

"تم اتنے دن سے یونیورسٹی کیوں نہیں آ رہی؟" عدن نے سیکنڈوں میں اس شخص کی آواز پہچان لی، اس کی اتنی بے تکلفی پر عدن حیران رہ گئی۔

"عدن...... تم ٹھیک تو ہونا؟" اس کی زبان سے اپنا نام سن کر عدن کے اوسان خطا ہو گئے۔

"آ...... آپ کو میرا نام کیسے پتہ چلا؟" وہ بہت مشکلوں سے پوچھ پائی۔

"تم صرف نام کی بات کر رہی ہو، مجھے تو یہ بھی پتہ ہے کہ تم اس وقت گھر میں اکیلی ہو۔" عدن کو اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"یہ شخص اتنا باخبر ہے۔"

"کیا چاہتے ہیں آپ؟ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہیں؟"

"بتا دیں گے، بتا دیں گے، ایسی بھی کیا جلدی ہے، تمہارا ہمارا تو اب زندگی بھر کا ساتھ ہے۔" کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔

☆☆☆

"کیا؟" ثریا بیگم اس کے جواب پر حیران رہ گئی۔

"مگر کیوں؟ کیوں چھوڑ دی پڑھائی؟" آج دو ہفتے ہو گئے تھے اسے یونیورسٹی نہ جاتے ہوئے، وہ روز امی سے کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیتی تھی مگر آج ان کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اس نے یونیورسٹی چھوڑ دی ہے۔

"بس بہت پڑھ لیا، اب اور پڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"مگر اس وقت تو اتنی ضد کر کے ایڈمیشن لیا تھا۔" ثریا بیگم نے عدن کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس اب دل نہیں چاہتا۔" عدن نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے انہیں دیکھا۔

"امی...... آ...... آپ میری شادی کر دیں۔" وہ بہت مشکلوں سے بول پائی۔

ثریا بیگم ہق دق رہ گئی اس کی بات سن کر، وہ شادی کے نام پر واویلا مچا دیتی تھی اور آج اپنے منہ سے کہہ رہی تھی۔

"آپ ہی کہتی تھی نا کہ آپ میری شادی کرنا چاہتی ہیں تو کر دیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اب۔" ثریا بیگم کے چہرے کا بدلتا رنگ دیکھ کر وہ جلدی سے بولی اور ڈسٹر اٹھاتے ہوئے اسٹینڈ پر رکھے شوپیس صاف کرنے لگی، ثریا بیگم نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"کیا ہوا ہے عدن؟" ان کی آنکھوں میں خوف تھا عدن نے کبھی ان سے ایسے نظریں نہیں چرائی تھیں، امی کو اپنی طرف مشکوک نظروں سے دیکھتا پا کر اسے دکھ ہوا۔

"کچھ نہیں ہوا امی۔" اس نے بہت مشکلوں سے آنکھوں میں آتے آنسو روکے۔

"پھر کیوں اچانک پڑھائی چھوڑ دی اور اب شادی کا کہہ رہی ہو؟"

"میں چاہتی ہوں کہ آپ لوگ جلد از جلد میرے فرض سے سبکدوش ہو جائیں، یہ...... دنیا بھیڑیوں سے بھری پڑی ہے، مجھے...... مجھے لوگوں سے خوف آتا ہے۔" کتنا مشکل تھا اپنے منہ سے اپنی شادی کی بات کرنا مگر اس نے ہمت کر کے کہہ دیا اور اب ان کے سوالوں کے جواب، ثریا بیگم کی نظریں اب بھی اس پر گڑی ہوئی تھی اور وہ صحیح معنوں میں گھبرا رہی تھی۔

وہ کیا بتاتی، وہ کہیں بھی جاتی اسے اپنے

تعاقب میں گاڑیاں نظر آتی ہیں، وہ اس ساری صورتحال سے بہت پریشان تھی وہ جلد از جلد اس پریشانی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔

"کس سے کرو گی شادی؟" ثریا بیگم نے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"آپ خالہ سے بات کرلیں، مجھے اب عمر سے شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" وہ کہہ کر رکی نہیں بھاگتے ہوئے کمرے سے چلی گئی۔

ثریا بیگم شاکڈ سی اس کی پشت دیکھے گئی، ابھی کچھ دن پہلے کی بات تھی جب ان کی بہن نے عدن کا رشتہ مانگا تھا اپنے بیٹے عمر کے لئے، اس وقت عدن نے فوراً انکار کر دیا تھا۔

"چار سال تک میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے ماسٹرز کرنا ہے اور اس کے بعد لیکچرز شپ، اور عمر سے تو میں پھر بھی شادی نہیں کروں گی۔"

☆☆☆

مہرو خالہ آ کر عدن کو انگوٹھی پہنا گئی تھی شادی کی تاریخ دو مہینے بعد رکھی گئی تھی، ہبیہ کا فون آیا ہوا تھا وہ عدن سے بہت ناراض تھی۔

"یہ میں کیا سن رہی ہوں تم عمر سے شادی کر رہی ہو؟"

"ہاں۔"

"پر کیوں؟" ہبیہ کی جھنجھلائی ہوئی آواز آئی۔

"کیا کمی ہے عمر میں؟" عدن نے اس سے ہی سوال کر دیا۔

"کمی؟ یہ تو تم خود سے پوچھو نا، کچھ دن پہلے تم ہی اس کی شان میں قصیدے پڑھتی تھی۔" ہبیہ نے اسے یاد دلایا۔

"وہ اتنا برا بھی نہیں ہے اور اب تو عمر ہی کیا اگر اس سے گیا گزرا بھی کوئی ہوتا تو اس سے بھی شادی کے لئے تیار ہو جاتی۔"

"ت...... ت...... تم پاگل ہو گئی ہو کیا؟" ہبیہ غصے سے بولی۔

"تم جو مرضی سمجھ لو، تمہیں اندازہ نہیں ہے میری جان ہر وقت سولی پر لٹکی رہتی ہے میں راتوں کو سو نہیں پاتی، مجھے لگتا ہے وہ شخص کسی لمحے بھی آ جائے گا اور...... اور سب ختم ہو جائے گا۔"

"عدن وہ تمہیں کھا نہیں جائے گا، کیوں ڈر رہی ہو اس سے اتنا؟"

"قبر کے عذاب کا مردے کے علاوہ کسی کو پتہ نہیں ہوتا، میں تمہیں کیسے بتاؤں میں ڈر ڈر کر جی رہی ہوں، گھر سے نکلوں تو کسی گاڑی کو اپنے تعاقب میں دیکھ کر میری جان نکل جاتی ہے، کہیں نہ کہیں وہ شخص مسکراتا ہوا مجھے دیکھ رہا ہوتا ہے، روز فون کرتا ہے وہ بھی اس وقت جب کوئی گھر پر نہیں ہوتا، اسے سب پتہ چل جاتا ہے، وہ ہر وقت مجھے دیکھ رہا ہوتا ہے بلکہ مجھے تو یوں لگتا ہے وہ اب بھی مجھے دیکھ رہا ہو گا۔" عدن خوفزدہ سی اردگرد دیکھ رہی تھی۔

"وہ خدا نہیں ہے جو ہر جگہ موجود ہو۔" ہبیہ کو اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا۔

"تم نے اسے دیکھا نہیں ہے اس میں اتنا تکبر ہے کہ جیسے وہ خدا ہو، وہ ایسے اٹل انداز میں بات کرتا ہے کہ جو کہہ رہا ہے وہ ضرور ہو گا، اس نے مجھے کہا ہے وہ مجھے ہر قیمت پر حاصل کرلے گا وہ...... وہ کسی دن آ جائے گا مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"اب اتنا بھی اندھیر نہیں ہے کہ وہ تمہارے گھر تک پہنچ جائے۔"

"اندھیر...... اندھیر ہی تو مچا ہوا ہے یہ کوئی

عمر بن خطاب کا دور نہیں ہے کہ میں بے فکر ہو جاؤں کہ خلیفہ وقت میرے ساتھ انصاف کریں گے یہاں تو انصاف بکتا ہے اور وہ بہت امیر ہے۔" دوسری طرف ھنیہ نے اس کی بات سن کر ٹھنڈی سانس بھری۔

"تمہیں سمجھانا فضول ہے، میں تو بس دعا کر سکتی ہوں کہ اللہ تمہیں خوش رکھے۔" ھنیہ نے دل سے دعا دی اور اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا، عدن نے کریڈل رکھا ہی تھا کہ فون دوبارہ بجا۔

"ہیلو۔" عدن نے ڈرتے ہوئے دوبارہ کریڈل اٹھایا۔

"تم فوراً سے پیشتر منگنی توڑ دو۔" دوسری طرف سے حکمیہ انداز میں کہا گیا۔

"تم میرے لئے بنی ہو عدن، تم صرف زوار شاہ کے لئے بنی ہو۔" دوسری طرف سے اٹل انداز میں کہا گیا عدن ڈر سے کانپ گئی اس نے فون بند کر دیا۔

"میرے خدا۔" عدن دونوں ہاتھوں سے سر تھامتے ہوئے صوفے پر ڈھے گئی۔

☆☆☆

"حماد! کیوں ضد کر رہے ہو؟ مجھے بازار نہیں جانا، میری ساری شاپنگ امی کر لیں گی نا۔" حماد کافی دیر سے اسے بازار چلنے کو کہہ رہا تھا مگر وہ انکاری تھی۔

"آپ کی شاپنگ۔" حماد مسکرایا۔

"اپیا میں آپ کی شاپنگ کے لئے پریشان نہیں ہوں، بلکہ مجھے تو یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ آپ کے بعد میری شاپنگ کون کرے گا؟ اس لئے سوچ رہا ہوں دو تین سال تک کی شاپنگ ابھی اسٹاک کر لوں، پھر تو آپ چلی جائیں گی۔" حماد نے اداسی سے کہا۔

عدن نے پیار سے اسے دیکھا وہ اس کے جانے کا سوچ سوچ کر اداس تھا عدن فوراً جانے کے لئے تیار ہو گئی۔

"دو منٹ رکو، میں بس چادر لے کر ابھی آتی ہوں۔" عدن کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"امی اپیا کے بغیر گھر کتنا سونا ہو جائے گا۔" حماد نے ثریا بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس بیٹا، بیٹیوں کو تو ایک نہ ایک دن جانا ہی ہوتا ہے۔" ثریا بیگم نے پیار سے بیٹے کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"چلو۔" عدن بڑی سی چادر اوڑھے باہر آئی، حماد نے بائیک کی چابی لی اور بائیک پر بیٹھی خوفزدہ نظروں سے اردگرد دیکھ رہی تھی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ گھر سے باہر نہیں نکلے گی مگر آج حماد کی خوشی کے بازار آ گئی تھی۔

حماد کے ساتھ مختلف دکانوں پر پھرتے ہوئے وہ اچھی خاصی تھک چکی تھی حماد کو اس کی چوائس بہت پسند تھی۔

"اپیا آپ دو منٹ یہیں بیٹھیں، میرا ایک دوست نظر آ گیا ہے میں اس سے مل کے آتا ہوں، بس دو منٹ۔" حماد اسے شاپرز پکڑا کر دوست کا کہہ کر دکان سے نکل گیا۔

عدن پانچ منٹ تک انتظار کرتی رہی، دکاندار کو عجیب سی نظروں سے اپنی طرف دیکھتا پا کر خوف سے اس کا دل بیٹھنے لگا، عدن نے شاپرز اٹھائے اور دکان سے باہر نکل آئی۔

"اف حماد کتنے غیر ذمے دار ہو تم۔" عدن کو اس کی غیرت داری پر غصہ آیا۔

"پتہ نہیں کس طرف گیا ہے؟" عدن نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے اندازہ لگانا چاہا، دائیں طرف کافی دور بلیو شرٹ میں کھڑا لڑکا نظر آیا۔

"وہ رہا حماد۔" عدن تیزی سے دائیں طرف چلنے لگی، رش کی وجہ سے اچھی خاصی گلیاں بھی چھوٹی پڑ گئی تھی۔

کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد عدن کو اندازہ ہوا وہ حماد نہیں ہے، عدن نے پریشانی سے اردگرد دیکھا۔

"اتنے رش میں کہاں ڈھونڈوں اسے۔"

"ایسا کرتی ہوں تمی کے گھر چلی جاتی ہوں وہاں سے حماد کو فون کر دوں گی۔" عدن کو اپنی کلاس فیلو تمکین یاد آ گئی وہ بازار سے تھوڑے فاصلے پر رہتی تھی۔

"کتنا کمینہ تھا وہ دکاندار، جب تک حماد تھا کیسے باجی باجی کر رہا تھا اور اس کے جاتے ہی کتنی بری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔" مین گلی تک پہنچتے ہی اسے دکاندار یاد آیا۔

"اور حماد تمہاری تو آج خیر نہیں ہے۔" بازار سے نکلتے ہی اس نے دل ہی دل میں حماد کو مخاطب کیا، وہ زندگی میں پہلی بار یوں تنہا

اس نے خوفزدہ نظروں سے اردگرد دیکھا اور تیز تیز چلنے لگی، ابھی اس نے کچھ ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ ایک کیری اس کے پاس آ کر رکی، پھرتی سے دو بندے اس میں سے نکلے، ایک کے ہاتھ میں رائفل تھی دوسرے اس کا بازو پکڑ کر اسے کیری میں ڈالا، عدن نے فوراً دروازے سے نکلنے کی کوشش کی، مگر اگلے ہی پل اس شخص نے اس کے منہ پر رومال رکھ دیا، کچھ ہی دیر میں وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہو گئی۔

"سائیں کام ہو گیا۔" اس کے بے ہوش ہوتے ہی اس شخص نے فون پر نمبر ملا کر کسی کو بتایا۔

"ایسا کرو بی بی کو پورے عزت و احترام سے حویلی لے آؤ۔"

☆☆☆

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا آخر اپیا گئی کہاں؟" حماد نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پریشانی سے کہا، انوار احمد بھی سر پکڑے بیٹھے تھے۔

"خدا جانے میری بچی کہاں ہو گی، یا اللہ میری عدن کی حفاظت کرنا۔" باہر پھیلے اندھیرے کو دیکھ کر ثریا بیگم کا دل دہل رہا تھا، رات کے نو بج چکے تھے حماد اور انوار احمد پورا شہر چھان چکے تھے مگر عدن کا کچھ پتہ نہ تھا۔

"ابو پولیس میں رپورٹ درج کروا دیتے ہیں۔" حماد نے پریشانی سے خاموش بیٹھے باپ کو دیکھا۔

"خبردار جو رپورٹ کا نام تو...... کیوں میری بچی کی عزت کا بھی تماشہ بنانا چاہتے ہو۔" انوار احمد ایک دم بھڑک اٹھے۔

"ثریا بیگم اس نے ہماری عزت مٹی میں رول دی ہے، کیسی تربیت کی تھی تم نے اس کی، کیسی ماں ہو تم؟ تمہیں پتہ بھی نہیں چلا کہ تمہاری بچی یہ گل کھلانے والی ہے۔" انوار احمد غصے سے چیخ رہے تھے، ثریا بیگم سینے پر ہاتھ رکھے حیرت سے نفی میں سر ہلا رہی تھی، حماد حق دق سا انہیں دیکھے گیا۔

"اپیا ایسی نہیں ہیں، اپیا ایسی کیسے ہو سکتیں ہیں۔" حماد نے بے یقینی سے دونوں کو دیکھا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

"پر میں نے تو انہیں کہا تھا میرا انتظار کرنا پھر، پھر وہ کیوں گئی وہاں سے۔" حماد کے ذہن میں فوراً یہ سوال آیا، اسے دکاندار کی بات یاد آئی۔

"وہ تو آپ کے جانے کے فوراً بعد ہی چلی

گئیں تھی۔" دکاندار کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی، حماد کے ذہن میں فوراً شک ابھرا۔

"ایپا...... یہ تم نے کیا کیا...... تم...... تم اتنی خودغرض کیسے ہوگئی یہ بھی نہیں سوچا کہ تمہاری اس حرکت کے بعد ہم لوگوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔" حماد کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اسے عدن سے یہ امید نہیں تھی۔

"ثریا بیگم اس سے پوچھتی تو سہی تم، وہ جہاں کہتی میں وہیں اس کی شادی کر دیتا۔" اندر سے انوار احمد کی آواز آرہی تھی۔

"عدن ایسی نہیں ہے، میری بچی کبھی ایسا کام نہیں کر سکتی۔" ثریا بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

"اس نے......اس نے مجھے خود کہا تھا کہ وہ عمر سے شادی کرے گی، پھر وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے؟" ثریا بیگم کی بات پر صحن میں کھڑا حماد بھی چونکا۔

"ہاں انوار، اس نے خود کہا تھا کہ وہ مزید نہیں پڑھنا چاہتی اور وہ عمر سے شادی کے لئے تیار ہے؟"

"پھر...... پھر اس نے یہ سب کیوں کیا؟" انوار احمد اور حماد کے ذہن میں یہی سوال تھا۔

☆☆☆

"سائیں بی بی کو ہوش آگیا۔" ملازمہ نے آکر بتایا، تو زوار شاہ اٹھا اور ملازمہ کے ساتھ ہی چل پڑا۔

عدن کمرے کے بیچ میں کھڑی ہوئی تھی وہ دروازے کی طرف جانا چاہ رہی تھی مگر ملازمہ نے اس کا بازو سختی سے پکڑا ہوا تھا۔

"مجھے جانے دو۔" عدن نے اپنا ہاتھ چھڑوانا چاہا۔

"جانے دو مجھے، اندھیرا ہو گیا ہے میرے ماں باپ مر جائیں گے۔" عدن نے التجائیہ انداز میں اس ملازمہ کو دیکھا، ملازمہ نے فوراً بازو چھوڑ دیا، عدن نے فوراً دروازے کی طرف بڑھنا چاہا مگر دروازے میں ایستادہ زوار شاہ کو دیکھ کر وہ وہیں رک گئی، زوار شاہ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"قاضی صاحب آنے والے ہیں، ملازم کو بھیجا ہے لینے کے لئے۔"

"م......میں...... میں تم جیسے غلیظ انسان سے شادی نہیں کروں گی۔" عدن نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے نفرت سے اسے دیکھا۔

"یہ تمہاری مرضی ہے، شادی کروگی تو بھی تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے نہیں کروگی تو بھی میرے ساتھ رہنا ہے۔" عدن اس کی بات پر خوف سے کانپی۔

"میں جو چاہتا ہوں وہی کرتا ہوں، مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

"خدا بھی نہیں؟" عدن کی بات وہ اک پل کے لئے سٹپٹایا مگر اگلے ہی پل نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"نہیں، وہ بھی وہی کرتا ہے جو میں چاہتا ہوں، میں نے تمہیں چاہا اس نے بغیر رکاوٹ کے تمہیں میرے سامنے لا کھڑا کیا، اب تمہیں میری ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا، کوئی نہیں۔" زوار شاہ کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

"اتنا غرور، اتنا تکبر۔"

"تم نے میرے ماں باپ کی عزت خاک میں ملا دی، میں تمہارا غرور خاک میں ملا دوں گی زوار شاہ۔" عدن اسے دیکھتے ہوئے الٹے قدموں چلنے لگی۔

زوار کا قہقہہ بلند ہوا، اس کا ہنسنا بجا تھا بھلا وہ بے بس لڑکی کیسے اس کا غرور خاک میں ملا سکتی ہے اسے اس کی معصومیت بہت بھائی۔

"میں تمہیں بتاؤں گی زوار شاہ تمہاری اوقات کیا ہے۔" عدن نے آنکھوں میں آنسو لئے اس متکبر انسان کو دیکھا جو بے تحاشا ہنس رہا تھا۔

عدن نے ٹیبل پر رکھی فروٹ باسکٹ سے چھری اٹھائی زوار شاہ کی ہنسی کو بریک لگی وہ اس کی طرف بڑھنے ہی لگا تھا کہ عدن نے لمحہ بھی ضائع کیے بغیر چھری اپنی کلائی پر چلالی۔

"عدن!" زوار شاہ چلایا۔

"بختو!" عدن کی کلائی سے بہتے خون کو دیکھ کر زوار نے چیختے ہوئے ملازم کو آواز دی۔

"کہاں مر گئے تم سب۔" اگلے ہی پل دروازہ کھلا اور دو ملازم "جی...... جی سائیں" کرتے اندر آئے، اندر کا منظر ان کے لئے بھی حیرت انگیز تھا، فرش پر پڑی عدن کے ہاتھ سے نکلتا خون دیکھ کر وہ بھی حواس باختہ ہوگئے۔

"گاڑی نکالو جلدی۔" زوار شاہ نے حکم دیا، ملازم فوراً کمرے سے نکل گئے۔

"سائیں گاؤں والا ڈاکٹر تو اپنے گھر والوں کے ملنے شہر گیا ہوا ہے۔" ملازم نے اسے آگاہ کیا۔

زوار شاہ نے گاڑی شہر والی سڑک پر موڑ لی۔

"جلدی کرو، گاڑی تیز چلاؤ۔" زوار شاہ ہر تھوڑی دیر بعد چلاتا، زندگی میں پہلی بار اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے، ایک گھنٹے بعد وہ ہاسپٹل پہنچے۔

"Sorry she has died" ڈاکٹر

نے پروفیشنل انداز میں کہا۔

''عدن کیسے مر سکتی ہے، زندگی میں کبھی ایسا ہوا ہی نہیں ہے کہ میں نے کچھ چاہا ہو اور مجھے نہ ملے۔'' زوار شاہ حیرت سے گنگ ڈاکٹر کو دیکھے گیا۔

''آپ لوگوں نے بہت دیر کر دی لانے میں۔'' ڈاکٹر نے افسوس سے زوار شاہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''وہ کیسے مر سکتی ہے عدن...... عدن نہیں مر سکتی۔'' کچھ دیر بعد زوار شاہ گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھا بچوں کی طرح دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔

''تمہیں میری ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔''

''خدا بھی نہیں؟''

''نہیں۔'' کہیں دور تقدیر ہنس رہی تھی، وہ تقدیر کو اپنے تابع سمجھتا تھا، مٹی سے بنے اس بت کو تکبر اور غرور کیسے راس آسکتا ہے۔

''اے ابن آدم! تمہیں خاک سے بنایا تھا اور اسی میں تمہیں دفن ہونا ہے پھر یہ غرور کیوں؟ جلد یا بدیر یہی تمہارا مقدر ہے تمہارے جیسے نجانے کتنے نقش مٹی میں مٹی ہو چکے ہیں ان کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔''

اس نے واقعی زوار شاہ کا غرور خاک میں ملا دیا، پچھلے پانچ سالوں سے ہوش و خرد سے بیگانہ تھا اب تک تو اسے اپنا نام بھی بھول گیا تھا یاد تھا تو بس عدن، بھلا جنت بھی کبھی دنیا میں ملتی ہے؟

☆☆☆

آج اتوار تھا وہ خوبرو نوجوان اپنے مقررہ وقت پر قبرستان پہنچ گیا تھا، قبر کے پاس کھڑے ہو کر اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، دو موتی آنکھوں سے نکلے، اس نے معمول کی طرح جیب سے ٹشو نکالا اور گلاسز کے پیچھے بھیگی آنکھیں صاف کیں۔

''اپیا ایک بار ایک بار مجھے بتایا تو ہوتا۔'' حماد نے شکوہ کناں نظروں سے قبر کو دیکھا۔

''میں اس شخص کی جان لے لیتا۔'' حماد نے نفرت بھری نظر اس پاگل پر ڈالی۔

آج سے پانچ سال پہلے حماد نے اسے جان سے مارنا چاہا تھا، مگر ثریا بیگم نے اسے قسم دے دی۔

''حماد...... میں تمہیں قسم دیتی ہوں، تم اسے نہیں مارو گے، میں...... میں عدن کی ماں ہوں، میں حشر کے دن اس شخص کا گریبان پکڑوں گی، وہ میرا انصاف کرے گا۔'' ثریا بیگم نے آسمان کو دیکھا تھا۔

''تم اس شخص کے خون میں اپنے ہاتھ نہیں رنگو گے۔'' وہ قسم آج بھی حماد کو یاد تھی۔

ملازم روز کی طرح آج بھی اس کے پاس بیٹھا تھا، وہ آج بھی اپنے سائیں کی منت کر کر کے تھک گیا تھا۔

''آپ میرے سائیں کو معاف کر دو۔'' وہ آج پھر حماد سے التجا کر رہا تھا۔

''اس سے مانگو معافی، میں کون ہوتا ہوں معاف کرنے والا۔'' حماد کہہ کر رکا نہیں، بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ کیا بتاتا وہ تو خود پشیمان ہے وہ تو آج تک اس لمحے کو کوستا ہے جب اس نے عدن پر شک کیا تھا۔

''اپیا مجھے معاف کر دینا، میں نے تم پر شک کیا تھا۔'' وہ اس ایک لمحے کی معافی پچھلے پانچ سالوں سے مانگ رہا تھا۔

☆☆☆

"السلام علیکم بھابھی! کیسی ہیں آپ؟" رخشندہ بیگم نے کافی گرمجوشی سے حمیدہ بیگم کو سلام کیا تو کشمش کے دانے صاف کرتی حمیدہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوئیں، انہیں کم از کم رخشندہ بی بی کے آنے کی امید ہرگز نہیں تھی، ورنہ یوں صحن میں بیٹھ کر یہ کام نہ کرتیں بلکہ باورچی خانے میں بھی اسے انجام دے لیتیں، جہاں کم از کم رخشندہ کے آنے پر چھپا تو سکتی ہی تھیں، لیکن رخشندہ کے آنے کا پتہ بھی تو تب ہی چلتا تھا جب وہ سر پہ پہنچ جاتی تھیں۔

"آئے ہائے رخشندہ کیسے بلی کی چال چلتی ہو پتا ہی نہیں چلتا کب سر پہ آ کھڑی ہوتی ہو۔" حمیدہ بیگم نے اندر کی کھولن لہجے میں سمو کر کہا، لیکن رخشندہ صاحبہ اس طرف متوجہ ہی کب تھیں ان کے دھیان کی سوئی تو کشمش میں اٹکی ہوئی تھی۔

"ارے واہ بھابھی کشمش صاف کی جا رہی ہے۔" مٹھی بھر کشمش قبضے میں لے کر پھانکتے ہوئے رخشندہ بیگم کا لہجہ حمیدہ بیگم کو تپا ہی تو گیا۔

"ظاہر ہے کشمش ہی ہے تو وہی صاف کر رہی ہوں اب بادام تو صاف کرنے سے رہی۔" حمیدہ بیگم کی بات پر رخشندہ بی بی نے زور و شور سے سر ہلایا۔

"ہاں بھابھی یہ تو ہے، خیر لگتا ہے کوئی موسمی پکوان بنانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں چلیں جو بھی پکے گا گھر آ ہی جائے گا۔" رخشندہ صاحبہ کی بات پر حمیدہ بیگم پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں۔

"خود تو کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ ایک پلیٹ سالن ہی بھجوا دیں اور ہمارے ہاں بس نہیں چلتا کہ سب کچھ سمیٹ کر چلتی بنیں۔" حمیدہ بیگم کی بڑبڑاہٹ رخشندہ صاحبہ کے پلے نہیں پڑی تھی جبھی ایک بار پھر سے ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"کیا کہہ رہی ہیں بھابھی مجھے سنائی نہیں دیا۔"

"کچھ نہیں میں نے کیا کہنا ہے تم بتاؤ کس لئے تشریف آوری ہوئی ہے؟" حمیدہ بیگم نے بات پلٹی۔

"ارے ہاں بھابھی وہ میں نے کہنا تھا کہ ذرا پانچ سو تو ادھار دے دیں، کل پرسوں تک واپس کر دوں گی۔" رخشندہ بیگم نے بلا آخر وہ بات کہہ ہی دی جس کے لئے آنے کی زحمت کی تھی۔

"آئے ہائے رخشندہ ابھی پچھلے ہفتے تو تم مجھ سے ہزار روپیہ لے کر گئی تھیں، پہلے وہ تو واپس کرو الٹا تم نیا ادھار مانگنے آ گئیں۔" حمیدہ بیگم گویا اچھل ہی تو پڑیں۔

"اوہو...... بھابھی کیسی غیروں والی باتیں کرتی ہیں میں بھلا آپ کے پیسے لے کر بھاگ تھوڑی جاؤں گی وہ تو بس اچانک ضرورت آ پڑی جیسے ہی فہد کے ابو کو تنخواہ ملی میں آپ کے پیسے اکٹھے ہی واپس کر دوں گی۔" رخشندہ بیگم نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے بات سمیٹی۔

"نہیں بھئی ابھی تو میرے پاس نہیں ہیں پیسے بلکہ مجھے خود سے اشد ضرورت ہے اس لئے تم کوشش کرو کہ پچھلے پیسے ذرا جلدی چکا دو۔" حمیدہ بیگم نے بھی ہری جھنڈی دکھائی۔

"توبہ ہے بھابھی آپ نے تو صفا چٹ جواب ہی دے ڈالا خیر پھر یوں کریں کہ وہ جو پرسوں آپ بیڈ شیٹ لائی تھیں وہ مجھے دے دیں، کل میری نند کی بیٹی اور داماد دعوت پہ آ رہے ہیں تو میں نے سوچا کہ وہ ہی بچھا لوں پھر آپ کو بعد میں پیسے دے دوں گی ابھی تو دعوت پہ ہی کافی خرچا اٹھ جائے گا۔" رخشندہ بی بی نے فوراً سے نئی فرمائش جڑ دی۔

"نہیں بھئی وہ تو میں بہت دل سے حسن کے کمرے کے لئے لائی تھی اپنے بچے کی چیز یوں تھوڑی اٹھا کے دے دوں کسی کو۔" حمیدہ بیگم نے بدکتے ہوئے جواب دیا۔

"بھابھی دیکھیں ناں اب یوں تو نہ کریں پرایا بچہ اب اتنی دور سے میرے گھر آئے گا تو میں یوں گندے سندے گھر میں اس کو بٹھاؤں......؟ آخر عزت بھی کوئی چیز ہے۔" رخشندہ بیگم پھر سے شروع ہو چکی تھیں اور بلا آخر حمیدہ بیگم کو اپنی جان چھڑوانے کے لئے وہ بیڈ شیٹ دینا ہی پڑی اور یوں قرض کے ہزار روپوں کے ساتھ ان ساڑھے آٹھ سو کا بھی اضافہ ہو گیا تھا جن کی ادائیگی دور دور تک ہوتی نظر نہ آ رہی تھی۔

☆☆☆

بیرونی دروازے کی گھنٹی بجنے کی آواز پر حمیدہ بیگم کا چاول صاف کرتا ہاتھ رک گیا اور چاولوں سے بھری پرات سرکاتی وہ دروازہ کھولنے چل دیں۔

"السلام علیکم حمیدہ خالہ!" دروازہ کھولنے پر دو گھر چھوڑ کر احسان اللہ صاحب کی چھوٹی بہو ثناء مسکراتی ہوئی ان کے گلے آ لگی۔

"وعلیکم السلام بیٹا! کیسی ہو بڑے عرصے بعد چکر لگایا۔"

اپنے شوہر کے ساتھ دوسرے شہر میں مقیم تھی اور ہفتہ دو ہفتہ بعد چکر لگاتی رہتی تھی اب کی بار مہینہ بھر بعد ان کی آمد ہوئی تھی۔

"جی خالہ وہ بس بچوں کے امتحان تھے اس لئے اور پھر مجھے آئے ہوئے بھی چار پانچ دن ہو گئے ہیں، مہمانوں کی وجہ سے نکلنا نہیں ہوا اب کچھ فراغت ملی تو سوچا آپ کی طرف چکر لگا لوں۔"

ثناء ان کے ساتھ چلتی ہوئی اندر کی طرف بڑھ آئی ابھی حمیدہ بیگم ٹھیک سے اس سے حال احوال بھی پوچھ نہ پائی تھیں کہ رخشندہ بی بی ٹپک پڑیں اور اپنے بے تکلفانہ انداز سے گفتگو شروع کر دی۔

"آپ کو پہلی بار دیکھا ہے؟" ان کے بے تکلفانہ انداز اور خلوص نے ثناء کو بے حد متاثر کیا تھا۔

"جی ہمیں کچھ عرصہ ہی ہوا ہے اس محلے میں منتقل ہوئے حمیدہ بھابھی رشتہ دار ہیں ہماری۔"

حمیدہ بیگم ثناء کی خاطر تواضع کے خیال سے کچن میں گئی ہوئی تھیں اور رخشندہ صاحبہ کے پاس کافی وقت تھا، سو جبھی رخشندہ، ثناء کو کمپنی دینے لگیں اور اس دس منٹ کے عرصہ میں ثناء کو اچھی طرح سے ازبر ہو گیا تھا کہ رخشندہ صاحبہ کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے، بیٹی میٹرک میں تھی جبکہ بیٹا آٹھویں کلاس کا طالبعلم تھا اور دونوں بہن بھائی حد سے بڑھ کر نخریلے ایسے میں ثناء رخشندہ آنٹی کی ایک وقت میں تین تین ہانڈیاں پکانے کی ہمت کی داد دیئے بنا نہ رہ سکی جو بچوں کے ساتھ ساتھ ان کے باپ کی پسند کو بھی مدنظر رکھتیں تھیں اور اس طرح گھر میں سب کو من پسند کھانا مل جاتا تھا، حمیدہ بیگم کی واپسی کے بعد بھی رخشندہ بیگم کا موضوع گفتگو ان کی فیملی ہی تھی، ثناء کے ساتھ پر تکلف چائے کا لطف لینے کے بعد اب وہ بھی ثناء کے ساتھ ہی جانے کو تیار کھڑی تھیں، ان دونوں کو رخصت کرنے کے بعد چائے کے برتن سمیٹتی حمیدہ بیگم سوچ رہی تھیں کہ ثناء سے اس کے بچوں کا حال احوال تو پوچھ ہی نہ سکیں، خیر اگلی بار سہی، سر جھٹک کر انہوں نے پانی کا نل کھولا اور برتن اس کے نیچے رکھ کر دھونے میں مصروف ہو گئیں۔

☆☆☆

سباس گل

"سیفی! پاپا ٹھیک تو ہو جائیں گے ناں۔"
سونیا نے بھیگتی آنکھوں سے سیف الرحمٰن کو دیکھتے ہوئے نم لہجے میں استفسار کیا، نعمان ملک، سونیا کے پاپا اس وقت ہوسپٹل میں موجود تھے، انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور سونیا اپنے تایا زاد سیف الرحمٰن اور مما زائرہ ملک کے ساتھ ہوسپٹل میں موجود تھی، نعمان ملک کی حالت اب خطرے سے باہر تھی، مما انہیں دیکھنے کے لئے گئیں تھیں، جبکہ سونیا اور سیف ایمرجنسی وارڈ کے باہر پریشان اور فکر مند کھڑے تھے۔

"انشاءاللہ! چچا جان بہت جلد صحت یاب ہو کر گھر جائیں گے، تم پریشان مت ہو، ابھی ڈاکٹر نے بتایا ہے ناکہ ان کی حالت خطرے سے باہر ہے، بس تم اللہ سے دعا کرو وہ چچا جان کو جلد اچھا کر دیں گے۔" سیف نے اسے بہت نرم لہجے میں رسانیت سے سمجھایا، سیف، سونیا کو نہ صرف پسند کرتا تھا، بلکہ اس سے محبت بھی کرتا تھا مگر اس نے کبھی اپنے پیار کا اظہار نہیں کیا تھا سونیا سے، وہ سونیا کا بہت اچھا دوست تھا، کزن تھا اس لئے اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی اور اب جب پاپا کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا تو سونیا نے فوراً سیف کو کال کر کے بلایا تھا اور وہ اس کی کال پر فوراً متفکر سا دوڑا چلا آیا تھا، وہ جانتا تھا کہ ایسی صورتحال میں سونیا کتنی پریشان ہوگی

"یہ سب اس منحوس، بے ایمان شخص ریاض بٹ کی وجہ سے ہوا ہے اس نے کس چالاکی سے

مکمل ناول

جعلی پیپرز بنوا کر پاپا کو ڈیفالٹ قرار دلوایا اور فیکٹری اپنے نام کرالی، پاپا نے تو کبھی کسی لون کا ذکر نہیں کیا تھا، پھر ایسے کیسے ہو سکتا ہے سیفی؟“

”سونیا پلیز تم اس وقت صرف اپنے پاپا کے لئے دعا کرو، کاروبار کی فکر مت کرو، میں سب دیکھ لوں گا، ریاض بٹ کو اپنے اس فراڈ کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑے گا، تم دیکھنا تمہارے پاپا کا بزنس انہیں ضرور واپس مل جائے گا۔“ سیف نے اسے دیکھتے ہوئے پرامید لہجے میں تسلی دی۔

”مگر کیسے؟“

”کہا نا تم بزنس کے بارے میں کچھ مت سوچو۔“

”سیفی! تم ہی بتاؤ میں کس سے کہوں کے میرے پاپا کو اس مشکل سے نکالے؟“ وہ باقاعدہ رو رہی تھی۔

”بھول گئیں بائی ڈیئر کزن، تم مجھے تو کہا کرتی تھیں کہ اپنے غم اور مشکلات صرف اللہ کو بتایا کرو، اس یقین کے ساتھ کہ وہ تمہیں جواب بھی دے گا اور تمہاری تکلیف بھی دور کر دے گا۔“ سیفی نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے یاد دلایا۔

”آج پتا چلا کہ دوسروں کو نصیحت کرنا بہت آسان ہوتا ہے اور اس پر خود عمل کرنا مشکل اور یہ بھی کہ تمہیں میری کہی ہوئی باتیں یاد رہتی ہیں۔“ وہ مجروح سی مسکراہٹ لبوں پر لا کر اس کو دیکھ کر بولی۔

”تمہاری کہی ہوئی سب باتیں مجھے یاد رہتی ہیں۔“ سیف نے اس کی چمکتی رنگت والے سندر صبیح چہرے کی دلکشی، معصومیت اور کم سنی کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”اچھا، وہ کیوں؟“ سونیا نے آنکھوں میں حیرت سموئے اسے دیکھا تو وہ شرارت سے بولا۔

”اکیس برس کی عمر میں تم افلاطونوں جیسی باتیں کرو گی تو تمہارا فلسفہ یاد تو رہ ہی جائے گا نا۔“

”خیر اب میں ایسا بھی کچھ نہیں کہتی۔“

”ہاں بھئی!“

کہنے والوں کا کچھ نہیں جاتا
کہنے والے کمال کرتے ہیں

سیف نے سرد آہ بھر کے یہ شعر پڑھا تو سونیا نے الجھن آمیز نظروں سے بھنویں سکیڑ کر اس کے چہرے کو دیکھا وہ اس کے اس انداز پر بے ساختہ ہنس پڑا۔

نعمان ملک کی حالت اب بہت بہتر تھی اور ڈاکٹرز نے انہیں گھر جانے کی اجازت بھی دے دی تھی، سونیا کے تایا رحمٰن ملک اور تائی صائمہ بیگم بھی، نعمان ملک کی مزاج پرسی اور عیادت کو ہوسپٹل اور گھر آتے رہے تھے، اسی دوران سونیا کو مما، پاپا مسلسل ذہنی دباؤ اور پریشانی میں مبتلا دکھائی دیئے، یونیورسٹی میں دسمبر کی چھٹیاں تھیں اور اس کی یہ چھٹیاں پاپا کی بیماری، تیمارداری میں گزر رہی تھیں، وہ پاپا کی صحت یابی کے لئے بہت دعائیں مانگتی تھی، مگر نجانے کیوں جب بھی وہ پاپا کے سامنے جاتی وہ اسے دیکھ کر مزید پریشان اور دکھی ہو جاتے اور کچھ بھی نہ سمجھ پاتی کہ پاپا اسے اتنی حیرت اور فکر سے کیوں دیکھتے رہتے ہیں۔

ابھی وہ پاپا کے لئے تازہ پھلوں کا جوس نکال کر انہیں دینے کے لئے آ رہی تھی کہ پاپا کے کمرے کے قریب پہنچی تو اس کے کانوں میں مما، پاپا کی آوازیں پڑیں، پاپا، مما سے کہہ رہے تھے کہ۔

”ذائرہ! مجھے اپنی صحت کی وجہ سے زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں رہا، میں چاہتا ہوں کہ سونیا کی شادی جلد از جلد کر دوں تا کہ وہ اپنے گھر کی ہو جائے اور میں سکون سے مر سکوں۔“

”اللہ نہ کرے، مریں آپ کے دشمن، آپ کیوں ایسی باتیں کر رہے ہیں؟ ڈاکٹرز نے کہا ہے کہ اب آپ بالکل تندرست ہیں، دوائیں، آرام اور مناسب غذا لیں گے تو اور بھی اچھے ہو جائیں گے۔“ ذائرہ ملک نے تڑپ کر کہا ادھر دروازے کے قریب کھڑی سونیا بھی پاپا کے باتیں سن کر تڑپ اٹھی تھی، وہ ایسی حالت اور حالات میں بھی اس کے لئے پریشان ہو رہے تھے، اس کے مستقبل کا سوچ رہے تھے، اسے پاپا پر بے اختیار پیار آنے لگا، آنکھیں بھیگنے لگیں تو وہ جوس کا گلاس لئے واپس پلٹ گئی۔

”لیکن کب تک میری حالت اور گھر کے بزنس کے حالات آپ کے سامنے ہیں، میں نہیں چاہتا تھا کہ ہماری بیٹی پر ان بگڑتے ہوئے حالات کا کوئی منفی اثر پڑے، اس لئے اس کی شادی اور عزت سے رخصتی ہی اس مسئلے کا حل ہے۔“ نعمان ملک نے کہا۔

”لیکن نعمان! سونی تو ابھی پڑھ رہی ہے۔“

”تو کیا ہوا؟ پڑھائی تو شادی کے بعد بھی مکمل ہو سکتی ہے، بس آپ سونی کی شادی کی تیاری کریں، جو رقم سونیا کے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہے وہ نکلوا لیں اس سے پہلے کے وہ اکاؤنٹ بھی فریز کر دیا جائے، فوراً رقم نکلوا کر شادی کی ضروری تیاری کریں، زیور تو گھر پر ہی ہیں ناں۔“ نعمان ملک نے سنجیدہ، تھکے تھکے اور بے جان لہجے میں کہا۔

”جی زیور تو گھر میں لاکر میں رکھے ہیں، انشاء اللہ سب ہو جائے گا آپ بس ٹینشن نہ لیں اور ہاں سب سے اہم بات تو ہم نے نوٹس ہی نہیں کی، بیٹی کی شادی کے لئے لڑکا بھی تو ضروری ہے شادی کیسے ہو گی سونیا کی اور کس کے ساتھ ہو گی؟ وہ بھی اتنی ایمرجنسی میں؟“ ذائرہ ملک نے سنجیدگی سے سوال کیا تو نعمان ملک چونک کر ان کو دیکھنے لگے، یوں جیسے انہوں نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو۔

☆☆☆

”ہیلو سونیا ڈارلنگ! کیسی ہو، کہاں ہو؟ قسم سے تم نے تو جان ہی نکال دی تھی میری، دو دن سے ٹرائی کر رہا ہوں مگر تم نے میری کال اٹینڈ کرتی ہو نہ میسج کا جواب دیتی ہو واٹس ہیپنڈ بے بی؟“

”انور! تمہیں چین نہیں آتا میں نے تمہیں ایس ایم ایس کیا تھا کہ میرے پاپا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور تم پھر بھی شعر و شاعری سینڈ کرتے رہے یہ نہیں کہ پاپا کا حال ہی پوچھ لو، نہ یہ خیال آیا تمہیں کہ میں کتنی پریشان ہوں آج کل۔“ سونیا نے باوجود ضبط کے بہت سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں بات کی تھی انور سے جو اس کا یونیورسٹی فیلو تھا اور اول درجے کا فلرٹ اور فراڈ نیچر کا شخص تھا، سونیا سے کافی سنیئر تھا، سینئر کیا گزشتہ چار سال سے یونیورسی میں قدم جمائے بیٹھا تھا، نہ پڑھتا نہ پاس ہوتا تھا، بس لڑکیوں سے افیئر چلانے میں ڈگری حاصل تھی اسے اور لگتا تھا گرلز افیئرز میں ہی ماسٹرز بلکہ پی ایچ ڈی کرنے کے لئے اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا اور سونیا کے ساتھ ساتھ دو اور لڑکیاں نائلہ اور تمکین بھی آج کل اس کی ہٹ لسٹ پر تھیں، خوبصورت لڑکیوں سے دوستی، فلرٹ کرنا، ڈیٹس پر جانا اس کا من پسند مشغلہ تھا، زمیندار کا بیٹا تھا اس لئے تعلیم کو اس نے کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا تھا، جیسے تیسے سفارش کروا کے یونیورسٹی تک پہنچ تو گیا تھا مگر اب اس

کا دل یہاں سے جانے کو نہیں کرتا تھا، دل تو اس کا بیک وقت کئی لڑکیوں کے آس پاس ہمک رہا ہوتا تھا اور تو اس میں کچھ خاص نہ تھا بس لب و لہجہ بہت دلنشین اور شاعرانہ تھا، لڑکیوں کے حسن و جوانی کے قصیدے پڑھ کر پیار بھرے اشعار ان کی سماعتوں میں انڈیل کر وہ انہیں اپنی طرف متوجہ کیا مائل بھی کر لیتا تھا، لڑکیاں بے چاری اس کی اس عادت کو محبت سمجھ کر اس کے پیچھے چلی آتیں اور وہ انہیں اپنی تسکین جان بنا کر مٹا کر اور بالآخر ٹھکرا کر کسی نئے شکار کی طرف گھات لگا کر بیٹھ جاتا تھا، سونیا نوخیز ان چھوئی کلی تھی، کلیوں جیسا، دودھ اور میدے سے گندھا سفید رنگ جن میں گلاب کی سرخی بھی گھلی تھی، اسے ایک پاکیزہ روح کی طرح پیش کرتا تھا، سونیا اپنے نام کی طرح سونی تھی، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جو ہر آن ذہانت کی، شرارت کی چمک سے دیکھنے والوں کو خیرہ کرتی تھیں، ستواں ناک، بھرے بھرے گال، شنگرفی ہونٹ، تیر کمان سے ابرو جیسے قدرت نے بڑی فرصت سے اس کے نین نقش کو تراشا تھا، اس پر مناسب قد، بھرا بھرا صحت مندی کی چغلی کھاتا جسم، سیاہ زلفیں، ریشمی تاروں کی طرح لہراتی بل کھاتی اس کی نازک کمر پر آبشاروں کی یاد دلاتی تھیں، وہ ہنستی مسکراتی تو اس کے دہن میں سفید موتیوں سے جڑے چمکدار دانت اور بھی حسین بنا دیتے تھے۔

ایسے میں انور بیگ تو کیا کوئی بھی مرد اس کے عشق میں گرفتار ہو سکتا تھا اور انور تو تھا ہی گھاگ کھلاڑی اس فیلڈ کا وہ بھلا کیسے اتنی حور شمائل پری وش لڑکی کو دیکھ کر کنی کترا کر گزر جاتا اس نے تو پہلے دن ہی سونیا کو اس کے ڈیپارٹمنٹ تک پہنچا کر اسے ریگنگ، فسٹ ایئر اینڈ نیو کمر فول بنانے سے بچا کر اس کے دل میں اپنے لئے سوفٹ کارنر بنا لیا تھا اور پھر دھیرے دھیرے وہ سونیا کی مدد کے بہانے اس سے روز ملنے لگا اور پھر سے دوستی کر لی اور اس کے حسن و دلکشی کی شان میں اشعار سناتا تو سونیا جیسی کم عمر اور معصوم لڑکی شرما جاتی، وہ بظاہر اس کی بری شہرت کی وجہ سے اس سے بچنے، چھپنے کی کوشش کیا کرتی تھی، مگر وہ اس پر نظر رکھتا تھا جبھی اسے ڈھونڈ لیتا تھا، اس کو لنچ، ڈنر اور چائے، کافی کی آفر کرتا مگر وہ سلیقے سے معذرت کر لیتی، شاید یہ اس کے والدین کی تربیت کا اثر تھا کہ وہ انور کے ساتھ کبھی یونیورسٹی کی کینٹین پر چائے، کافی پینے نہیں گئی تھی آج تک۔

یونیورسٹی میں کچھ لڑکیاں اسے انور کی منفی سرگرمیوں کے بارے میں بتاتیں اور اسے اس سے بچ کر رہنے کی تاکید کرتیں، اسی ڈر کی وجہ سے وہ بظاہر انور سے دور رہنے اور اسے نظر انداز کرنے کی پوری کوشش کرتی۔

لیکن تنہائی میں اکیلے میں سونیا کو انور کے وہ پیار بھرے اشعار وہ دلربا باتیں وہ اس کے حسن کی مداح سرائی یاد آنے لگتی جو اس کے تن من کو گدگداتی، آنکھوں میں سپنے سجاتی، ہونٹوں پر مسکان کے پھول کھلایا کرتی تھی، یہ شاید اس کی کم عمری کا تقاضا تھا، کچی عمر تھی سپنے دیکھنے کی عمر تو اسے ایسی پیار بھری تعریف خوشی کا احساس دلاتی تھی، خوابوں کی دنیا میں بہا لے جاتی تھی، انور کے افیئرز کے چرچوں اس کی بیڈ ریپوٹیشن کے باوجود وہ بس اسی بات میں خوش تھی کے وہ اس کی تعریف کرتا ہے، اس سے اظہار محبت کرتا ہے اس کے ساتھ وقت، زندگی بتانے کی باتیں کرتا ہے، مگر یہ بھی سچ تھا کہ سونیا نے کبھی اس کی پذیرائی نہیں کی تھی، اس کے جذبوں کو ہوا نہیں دی تھی، اس کی خراب شہرت کی وجہ سے اس کو نظر

انداز کرنے کی کوشش کرتی اور اس کا ایک شوخ جملہ، ایک پیار بھرا شعر پورا دن اس کے کانوں میں گونجتا رہتا، اس کے ہونٹوں پر مسکان بکھیرے رہتا انور کو بہت غصہ تھا کہ ابھی تک وہ سونیا کو یونیورسٹی کی کینٹین تک ساتھ نہیں لا سکا تھا، اس کا یہ گریز، یہ معصومیت اور کم سن حسن اسے بے کل کیے رکھتا تھا اور وہ اپنی سہیلیوں کے جھرمٹ میں خود کو اس سے محفوظ سمجھا کرتی تھی، بے شک اسے انور کی باتیں اچھی لگتی تھیں، لیکن وہ اس کے ساتھ جڑی بری شہرت کو اپنے نام نہیں کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی وہ اس کی محبت میں مبتلا تھی، یہ خوشی تھی تو صرف اپنی تعریف سننے کی اپنے حسن کو سراہے جانے کی اور وہ خود بھی اس حقیقت سے بے خبر تھی، وہ اس سب کو محبت سمجھتی تھی مگر اس سے محبت کرتی نہیں تھی، وہ اس سے عمر میں کم از کم نو برس بڑا تھا، سانولی رنگت، گھنگھریالے بال، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جنہیں شرابی آنکھیں کہا جائے تو درست ہو گا، اونچا لمبا قد، کسرتی بدن وہ ایک دیہاتی مرد تھا پورے کا پورا اور شہر میں آ کر اسے لگتا تھا کہ اس کا کام بس لڑکیوں کو چکر دینا ہی ہے، پڑھائی محض بہانہ تھی۔

اس کی نگاہیں ہر وقت آوارہ گردی کرتی رہتی تھیں، اس کی لچھے دار پیار بھری تعریف و ستائش میں ڈوبی باتیں سونیا جیسی لڑکیوں کو اس کے دام الفت میں پھنسا لیتی تھیں۔

"ارے سونیا ڈارلنگ! چل یار تمہارے پاپا زندہ ہیں، مرے تو نہیں ہیں ناں جو تم پریشان اور بدحواس ہوئی جا رہی ہو، یہ بتاؤ کہیں ملاقات ہو سکتی ہے کیا؟" انور نے بے پرواہی سے کہا تو سونیا کو اس کی بے حسی پر غصہ آنے لگا، اس نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔

"کیوں مجھ سے ملاقات کی ضرورت کیوں پڑ گئی تمہیں؟"

"کئی دن ہو گئے ہیں تمہیں دیکھے بنا دل بہت بے قرار ہو رہا ہے ڈارلنگ؟" وہ محبت بھرے لہجے میں بولا۔

"تو اپنی کسی اور گرل فرینڈ سے ملاقات کر کے دل کو قرار بخش لو نا، تمہاری گرل فرینڈز کی تو کمی نہیں ہے۔"

"ہاں تو ٹھیک کہا تم نے مگر...... تم میں جو خاص بات ہے وہ کسی اور میں کہاں؟"

"باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔" سونیا کے گال لال ہو گئے تھے اس کی بات سن کر شرمیلے لہجے میں بولی تو وہ بھی شوخی سے بولا۔

"اور پاگل بنانا کوئی تم سے سیکھے۔"

"فضول باتیں مت کرو، مجھے بہت کام ہے گھر میں، میں تم سے نہیں مل سکتی اور ویسے بھی میں نے کئی بار تم سے کہا ہے کہ مجھے ملنے کے لئے فورس مت کیا کرو، لوگ باتیں بناتے ہیں اور میں یونیورسٹی میں پڑھنے جاتی ہوں افیئرز چلانے یا ڈیٹس مارنے نہیں جاتی۔" سونیا نے نجانے کیسے اس سے یہ سب کہہ دیا وہ بھی ایکدم سنجیدہ ہو کر کہنے لگا۔

"ارے یار! مت چلاؤ افیئر لیکن ہم دوست کی حیثیت سے تو مل سکتے ہیں ناں۔"

"نہیں، تم میرے دوست نہیں ہو اور نہ ہی مجھے کسی میل (مرد) دوست کی ضرورت ہے اوکے بائے۔" سونیا نے تیزی سے اپنی بات مکمل کر کے فون بند کر دیا۔

"او شٹ۔" انور نے غصے سے موبائل بیڈ پر اچھالا تھا اور ادھر سونیا نے اپنا بے کل دل سنبھالا تھا، وہ اس سے ہٹ کر اس کی عادتوں اور حرکتوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"کیا انور کو مجھ سے محبت ہے؟" یہ سوال

اس کے دل نے کیا تھا اور جواب دماغ دے رہا تھا۔

”نہیں انور کو ایسی محبت تو سینکڑوں لڑکیوں سے ہوگی، وہ صرف تمہارے حسن کی تعریف کرتا ہے صرف تمہاری خوبصورتی سے فائدہ اٹھاتا ہے، وہ اپنا مقصد پانے کی خواہش میں تمہیں اہمیت دیتا ہے، جو کئی لڑکیوں کے ساتھ بیک وقت افیئر چلا رہا ہو وہ تمہارے ساتھ مخلص کیسے ہوسکتا ہے، اس کے ساتھ گھومنے کا، دوستی کرنے کا مطلب ہے اپنی شہرت خراب کرنا، اپنا نام بدنام کرنا، خود کو دوسروں کی نظروں میں بے کردار ثابت کرنا اور یہ رسک تم یقیناً نہیں لینا چاہو گی سونیا ملک۔“

”ہاں میں عزت کی قیمت پر محبت نہیں حاصل کرنا چاہتی اور محبت کیا مجھے انور سے محبت ہے؟“

”یہ محبت ہے یا محض وقتی خواہش اور خوشی اپنی مدح سننے کی؟“

”کیا انور کے میری زندگی سے چلے جانے سے مجھے کوئی فرق پڑے گا؟“ دماغ نے جواب دیا۔

”نہیں تمہیں انور کے چلے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، وہ تمہاری محبت کا اہل نہیں ہے، کیا تم ایک ایسے مرد سے محبت کرو گی جو تمہیں صرف تمہاری خوبصورتی کی وجہ سے چند لمحوں کی تسکین کے لئے تم سے محبت کا اظہار کرے اور تمہارے ساتھ ساتھ کئی اور لڑکیوں سے بھی یہی پیار بھرے جملے بولے جو وہ تم سے بولتا ہے؟“

”ہرگز نہیں، میں صرف اس شخص کو اپنے سچے جذبے سونپوں گی جو صرف مجھے چاہے گا مجھے محبت کا مان دے گا عزت اور خلوص کے ساتھ مجھے اپنائے گا اور جو ہمیشہ صرف اور صرف میرا رہے گا، انور نے مجھ سے محبت کرنے کے دعوے تو بہت کیے ہیں لیکن کبھی مجھ سے شادی کرنے کی بات نہیں کی۔“ سونیا کے دل نے کہا تھا۔

”شادی کیے بغیر جب انور جیسے آدمی کو خواہشیں پوری ہو رہی ہوں تو بھلا اسے کیا ضرورت ہے شادی کا وبال پالنے کی، سچ ہی تو ہے ”شادی“ انور جیسے کلی کلی منڈلانے والے بھنورے اور ہوس کے مارے آدمی کے لئے وبال ہی تو ہے۔“ دماغ نے اسے سمجھایا۔

”سونیا بیٹا! کہاں ہو آپ؟“ مما کی آواز پر سونیا کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا اور چونک کر سوچوں کے بھنور سے باہر نکلی اور مما کی بات سننے چلی گئی۔

رحمٰن ملک اور نعمان ملک دو بھائی تھے، دونوں کے اتفاق سے دو ہی بچے تھے، سیف الرحمٰن، شمسہ اور رحمٰن ملک کا بیٹا تھا اور سونیا، نعمان ملک اور ذائزہ ملک کی اکلوتی بیٹی اور سیف سے چھ سال چھوٹی تھی، سیف الرحمٰن نے ایم بی اے لندن سے کیا تھا اور اسے بہت اچھی جاب مل گئی تھی کراچی میں اپنے فارن سرٹیفکیٹ کی وجہ سے اور وہ اپنی جاب کے ساتھ ساتھ رحمٰن ملک کے بزنس کو بھی دیکھ رہا تھا۔

رحمٰن ملک کی لیدر گارمنٹس کی دو فیکٹریاں تھی اور وہ دو کینال کے بنگلے میں اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے، سیف، سونیا کو شروع سے ہی پسند کرتا تھا اور شباب کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس کا یہ پسندیدگی، محبت میں بدل گئی تھی، لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ سونیا نے اسے کبھی خاص نظروں سے نہیں دیکھا اور نہ اس کے دل میں سیف کے لئے وہ خاص فیلنگز تھیں جو وہ سونیا کے لئے رکھتا ہے، پھر بھی سیف کو یہ اطمینان ضرور تھا کہ سونیا چونکہ

اس کی اکلوتی چچازاد ہے لہٰذا اس کے ساتھ اس کی شادی پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا، اس لئے وہ صحیح وقت کے انتظار میں یعنی سونیا کی تعلیم مکمل ہونے کے انتظار میں تھا۔

سیف کے سونیا کے لئے پیار بھرے جذبات سے رحمٰن ملک اور شمسہ ملک بھی آگاہ تھے اور انہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا کیونکہ سونیا تھی ہی اتنی پیاری اور معصوم کے کوئی بھی اس سے رشتہ جوڑنے کی خواہش کر سکتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سونیا ان کے بھائی کی اولاد تھی، وہ حسین و ذہین تھی تو سیف بھی کچھ کم نہ تھا۔

پانچ فٹ گیارہ انچ قد، بھرا بھرا ورزشی بدن، سرخ و سفید رنگت، ڈارک براؤن گھنے اسٹائلش بال، بھرے بھرے یاقوتی ہونٹ، دلکش نین نقش، جو بے حد من موہنے لگتے تھے غرضیکہ مردانہ وجاہت کا پیکر تھا ”سیف“ اور اس پر اس کا نرم دھیما شہد آگیں لہجہ، دلکش ہنسی، ہر دم خلوص و احترام سے چمکتی ڈارک براؤن آنکھیں اس کے کلین شیو چہرے کی خوبصورتی بڑھایا کرتی تھیں۔

سونیا کی سیف سے دوستی تھی اور وہ اس سے عمر میں بڑی ہونے کے باوجود اکثر ”آپ“ کی بجائے ”تم“ کہہ کر مخاطب کرتی تھی اسے اور ”سیفی بھائی“ کہہ کر ہی مخاطب کرتی تھی، نعمان ملک کی ایک گارمنٹ فیکٹری تھی، ایک ڈیڑھ کینال کا ڈبل اسٹوری بنگلہ تھا، گاڑی تھی، خوشی تھی، خوشحالی تھی، ان کی خوشی اور خوشحالی کو نظر اس وقت لگی جب ان کے بزنس پارٹنر ریاض بٹ نے فیکٹری کے جعلی کاغذات تیار کروا کر فیکٹری اپنے نام کروا لی اور یہی نہیں نعمان ملک نے جو لون (قرض) فیکٹری بنانے کے لئے بینک سے لیا تھا اس کی قسطوں میں ادائیگی کی جانی تھی اور نعمان ملک کی بدقسمتی یہ تھی کہ انہوں نے اپنے دوست اور بزنس پارٹنر ریاض بٹ پر (جس کا بزنس میں صرف بیس پرسنٹ شیئر تھا) پر اندھا اعتماد و اعتبار کر لیا اور ریاض بٹ نے ثابت کر دیا کے وہ واقعی اندھے ہیں۔

جو اس کی آنکھوں سے چھلکتی بے ایمانی اور دل میں بھرے لالچ اور نیت کے کھوٹ کو دیکھ نہ سکے۔

بینک کا لون نعمان احمد، ریاض بٹ کے ہاتھ ہی بینک میں جمع کرواتے تھے، اس بات سے بے خبر کے ریاض بٹ نے وہ لون کی رقم بینک کو ادا کرنے کی بجائے اپنے ذاتی بینک اکاؤنٹ میں جمع کروائی تھی ہمیشہ اور بینک کی طرف سے ملنے والے نوٹس بھی نعمان ملک کی نظروں سے بچا کر ضائع کر کے پھینک دیئے تھے، یہ عقدہ تو تب کھلا جب بینک سے ایک ٹیم ان کے فیکٹری آفس آئی اور اس نے انہیں لون ادا نہ کرنے کی بابت پوچھا اور بھیجے گئے نوٹسز کی کاپیاں بھی دکھائیں، نعمان ملک کو بہت زور کا دھچکا لگا تھا، ان کو بتایا گیا تھا کہ انہوں نے بینک لون کی ایک بھی قسط ادا نہیں کی ہے، وہ بینک کا لون ادا نہ ہونے کی وجہ سے فیکٹری سیل کرنے کی بات کر رہے تھے، اس بات کے سنتے ہی نعمان ملک کے پسینے چھوٹ گئے، انہوں نے فوراً ریاض بٹ کو اپنے آفس بلوایا اور بینک لون ادا نہ کیا جانے کے بارے میں پوچھا۔

”ریاض بٹ! یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں نے بینک کا لون ادا نہیں کیا؟ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ تم بتاؤ انہیں کے تم خود بینک کی قسطیں جمع کرانے جاتے رہے ہو اب ہم پہ بینک کا کوئی قرض نہیں ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہیں ملک صاحب؟“

ریاض بٹ ڈھٹائی سے بولا۔
''میں نے تو کبھی بینک لون کی قسط جمع نہیں کرائی۔''
''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں خود ہر تین ماہ بعد تمہیں پانچ لاکھ کی رقم دیتا رہا ہوں بینک کے قرض کی ادائیگی کے لئے، تم نے جمع کیوں نہیں کرائیں؟'' نعمان ملک نے اپنے دل میں اٹھتی ٹیسوں کو نظرانداز کرتے ہوئے بے کلی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا، بینک کی ٹیم انہیں الجھی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
''ارے ملک صاحب! خدا کا خوف کریں آپ نے مجھے کبھی بھی کوئی رقم نہیں دی، مجھے کیا معلوم کے آپ نے کب بینک سے قرضہ لیا اور کتنا قرضہ لیا ہے اور کب ادا ہونا تھا آپ پلیز اپنے معاملات میں مجھے مت گھسیٹیں۔'' ریاض بٹ نے بے حسی سے کہا۔
''کیا؟'' نعمان ملک نے اپنا دل تھام لیا۔
''بس سنیے نعمان صاحب! ہمیں اس بات سے کوئی لینا دینا نہیں کہ آپ نے رقم کس کے ہاتھ بھیجی؟ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ ہمیں یعنی بینک کو آپ نے ایک بھی قسط واپس نہیں لوٹائی، اس لئے ہم آپ کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنے کا پورا حق رکھتے ہیں اور آپ کی یہ فیکٹری سیل کرواسکتے ہیں، آپ کے اچھے اخلاق کی وجہ سے ہم پولیس ساتھ نہیں لے کر آئے، ہم نے سوچا کہ پہلے خود چل کر بات کرلیں، اب آپ بتائیں کہ رقم ادا کررہے ہیں یا ہم اس فیکٹری کو اپنے قبضے میں لے لیں۔'' بینک منیجر نے نہایت سنجیدگی سے انہیں دیکھتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا تو نعمان ملک کے دل میں درد کی ایک لہر سی اٹھی جو انہیں اٹھنے سے روک گئی۔
''ارے سر! آپ اس فیکٹری کو اپنے قبضے میں کیسے لے سکتے ہیں، یہ فیکٹری تو میری ہے نعمان صاحب یہ فیکٹری مجھے فروخت کرچکے ہیں۔'' ریاض بٹ نے سفید جھوٹ بولتے ہوئے نعمان ملک کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی۔
''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' منیجر نے ریاض بٹ کو دیکھا۔
''یہ جھوٹ بول...... رہا ہے۔'' نعمان ملک نے بمشکل حلق سے آواز نکالی ان کے چہرے پر ٹھنڈے پسینے پھوٹ رہے تھے۔
''میں جھوٹ کیوں بولوں گا ملک صاحب؟ یہ دیکھیں یہ کاغذات ہیں جن پر آپ کے دستخط موجود ہیں آپ یہ فیکٹری مجھے بیچ چکے ہیں اور یہاں صرف ایک ملازم کی حیثیت سے کام کررہے ہیں، میری فیکٹری آپ کے کسی قرض کی ادائیگی کے چکر میں ضبط نہیں ہوسکتی۔'' ریاض بٹ نے پوری تیاری کررکھی تھی، فائل کھول کران کے سامنے کردی۔
''یہ...... نہیں...... ہو...... سکتا...... تت...... تم...... نے...... مجھے...... دھوکا دیا ہے...... ریا...... ض...... یہ...... پیپرز...... جعلی ہیں...... تم...... جھو...... ٹے ہو۔'' نعمان ملک دل تھام کر اٹک اٹک کر بولتے ہوئے کرسی سے نیچے جاگرے تھے، بینک منیجر اور اس کے ساتھی نے گھبرا کر پیون کو آواز دی، نعمان ملک کو اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ بے ہوش ہوچکے تھے، اسی وقت ایمبولینس منگوائی گئی اور نعمان ملک کو ہسپتال پہنچادیا گیا تھا۔

☆☆☆

دل پہ اختیار ہوتا تھا مگر
یہ تیرے اختیار سے پہلے کی بات ہے

سونیا کے موبائل پر انور کا ایس ایم ایس اس شعر کی صورت آیا تھا، جسے پڑھ کر اس کا دل تو

دھڑکا تھا بہت دور سے لیکن دماغ نے اسے الرٹ کردیا تھا کہ اس کی منزل نہیں ہے یہ شعر اس نے نجانے کتنی لڑکیوں کو سینڈ کیا ہوگا، وہ ایسا ہی شاطر کھلاڑی تھا ایک وقت میں کئی لڑکیوں کے دلوں سے کھیلنے والا، انہیں خوش فہمی میں مبتلا کرنے والا، سونیا کا دل بھی اس کی رومینٹک باتوں اور شاعری سے دھڑکنے لگتا تھا، آنکھوں میں اس کے سنگ سفر کرنے کے سپنے سجنے لگتے تھے، روح میں بے کلی سی سرائیت کرجاتی تھی، اس کی شاعرانہ گفتگو اور رومینٹک لہجے کی وجہ سے کتنی لڑکیاں اس پر مری مٹی جاتی تھیں، نجانے کتنی لڑکیوں سے اس کے افیئرز چل رہے تھے کئی سے ختم ہوچکے تھے اور کتنی سے اب اسٹارٹ ہورہے تھے، پھر وہ سونیا کو اچھا لگتا تھا، سونیا نے اس کے ایس ایم ایس کا کوئی جواب نہیں دیا پڑھ کرڈیلیٹ کردیا۔
یونیورسٹی کھلنے والی تھی اور سونیا کو غیر محسوس سا یونیورسٹی جانے کی انور کو دیکھنے کی جلدی تھی، دل بھی کتنا پاگل ہوتا ہے نا اسے لاکھ سمجھاؤ کے یہ آگ ہے ہاتھ ڈالو گے تو جل جاؤ گے مگر وہ پھر بھی آگ کی تپش، چمک اور بھڑکیلے پن کی کشش میں اس کی جانب ہمکتا چلا جاتا ہے اور سمجھتا تب ہے جب جل کر راکھ ہوجاتا ہے اسی آگ کے ہاتھوں، سونیا کا بھی یہی حال تھا وہ انور سے تعلق رکھنا بھی نہیں چاہتی تھی اور توڑنا بھی نہیں چاہتی تھی۔
''سونیا بیٹی!'' وہ اپنی سوچوں میں اپنے کمرے میں بیٹھی تھی، رحمٰن ملک اور شمسہ ملک کافی دیر سے آئے ہوئے تھے، ان سے مل کر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی، اب مما اس کے کمرے میں آئیں تو ان کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔
''جی مما!''
''بیٹی! آپ کی تائی امی اور تایا ابو واپس جارہے تھے اور آپ نہیں خدا حافظ بھی نہیں کہنے آئیں، بری بات ہے بیٹا۔'' ذائرہ ملک نے اسے نرم لہجے میں اس کی غلطی سے آشنا کرایا تو شرمندگی سے بولی۔
''سوری ماما، مجھے دھیان نہیں رہا۔''
''کس دھیان میں ہیں آپ آج کل؟'' ذائرہ ملک نے گہری نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا تو وہ سٹپٹا گئی۔
''کک...... کسی میں بھی نہیں مما، وہ میں...... پاپا کی وجہ سے پریشان ہوں۔''
''آپ اپنے پاپا کی پریشانی دور کرنا چاہتی ہیں ناں؟'' ذائرہ ملک نے اس کے سامنے بیڈ پر بیٹھ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
''جی مما!'' سونیا نے ان کے چہرے کو دیکھا۔
''تو ہماری ایک بات مانیں گی۔''
''جی مما! میں پاپا کی خوشی اور سکون کے لئے کچھ بھی کرسکتی ہوں۔'' سونیا نے صدق دل سے کہا۔
وہ اپنے پاپا، مما دونوں سے بے پناہ محبت کرتی تھی، دنیا میں ان سے زیادہ اس کے لئے کوئی بھی اہم نہیں تھا۔
''تو میری جان! آپ کے پاپا کی خواہش ہے کہ جتنی جلدی ہوسکے ہم آپ کی شادی کردیں، آپ کی تعلیم شادی کے بعد مکمل ہوجائے گی۔'' ذائرہ ملک نے یہ بات کہہ کر اسے بے چین و بے قرار کردیا، وہ بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔
''مگر مما! میری شادی اتنی جلدی کیوں کرنا چاہتے ہیں آپ اور پاپا؟''
''سونیا بیٹا! آپ کے پاپا کو ہارٹ اٹیک

کے بعد کوئی بھروسہ نہیں رہا زندگی کا اور آپ جانتی ہیں ناں کے ان کے بزنس پارٹنر نے انہیں کتنا بڑا دھوکا دیا ہے، بس ان حالات کی وجہ سے آپ کے پاپا چاہتے ہیں کہ آپ کی شادی کر دی جائے اور ہم اپنے اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔" ذائرہ ملک نے بھیگتے لہجے میں کہا تو سونیا کا دل تڑپ کر رہ گیا۔

"مما! آپ اور پاپا مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں؟ کیا ہوا ہے؟ سب ٹھیک ہے نا مما۔"

"ہاں بیٹا! سب ٹھیک ہے بس آپ شادی کے لئے ہاں کر دیں پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" ذائرہ ملک نے اس کا چہرہ ہاتھوں کے ہالے میں لے کر بھیگتی آواز میں پریقین لہجے میں کہا۔

"شادی کس سے کرنی ہے؟" سونیا نے پوچھا۔

"سیفی سے۔"

"سیفی سے وہ "اپنا" سیفی۔" سونیا نے حیرانگی سے کہا۔

"جی بیٹا! وہ اپنا سیفی۔" ذائرہ ملک مسکرا کر بولیں۔

"رحمٰن بھائی اور شمسہ بھابھی، ابھی سیفی اور آپ کی شادی کا پرپوزل دے کر گئے ہیں، آپ کے پاپا تو بہت خوش ہیں اس پرپوزل سے اور میں بھی کیونکہ سیف ہمارے گھر کا بچہ ہے، دیکھا بھالا ہے، سلجھا ہوا، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بہت خوش مزاج، خوش اخلاق ہے اور سب سے بڑھ کر ہمارا اپنا خون ہے آپ کے پاپا کا سگا بھتیجا ہے اور نہایت شریف اور نیک لڑکا ہے، آج کل نیک اور شریف لڑکے ملتے کہاں ہیں؟ آج کل کے لڑکوں کو تو گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے اور کلی کلی منڈلانے کی لت لگی ہوئی ہے، شرم وحیا، اخلاقی حدود وقیود سے بے بہرہ جگہ جگہ منہ مارتے پھرتے ہیں، توبہ اللہ معاف کرے، لڑکیوں کو بھی اپنی اور اپنے ماں باپ کی عزت کا خیال نہیں رہا، لڑکیوں کی طرف سے مثبت جواب اور ردعمل پا کر ہی لڑکے آگے بڑھتے ہیں، ہم اکیلے لڑکوں کو ہی قصوروار تو نہیں ٹھہرا سکتے ناں، لڑکیوں کو بھی عقل، شعور سے کام لینا چاہیے، بھلا ہر لڑکی کے پیچھے بھاگنے والا لڑکا، کسی ایک بھی لڑکی کے ساتھ مخلص ہو سکتا ہے، اللہ ہدایت دے آج کل کی اس نوجوان نسل کو۔" ذائرہ ملک سنجیدگی سے بولتی چلی گئیں، سونیا کو لگا جیسے انہوں نے اس کی چوری پکڑ لی ہے اور وہ اسی کو سمجھانے کے لئے یہ سب کہہ رہی ہیں، وہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔

"مما! آپ کو ایک کالم لکھنا چاہیے اور اس کا عنوان ہونا چاہیے "نوجوان نسل کی بے راہ روی۔" سونیا نے خود کو نارمل کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"اچھا، یہ بتائیں پھر کیا خیال ہے آپ کا سیفی کے پرپوزل کے بارے میں؟" ذائرہ ملک نے دھیرے سے ہنس کر استفسار کیا۔

"مما! پلیز مجھے کچھ وقت دیں سوچنے کے لئے یوں ایکدم سے شادی کر لوں میں، کچھ وقت دیں مجھے تا کہ ذہنی طور پر خود کو سمجھا سکوں، تیار کر سکوں۔" سونیا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے بیٹا! آپ سوچ لیں مگر ذرا جلدی کیونکہ ہمیں آپ کی شادی جلدی کرنی ہے، سیف سے نہیں تو کسی اور سے، مگر آپ کی شادی جلدی ہو جائے گی انشا اللہ اور یاد رکھیے آپ نے اپنے پاپا کے لئے کچھ بھی کرنے کا دعویٰ کیا تھا ابھی۔" ذائرہ ملک نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے آخر میں اسے یاد دلایا، تو وہ ذرا سا مسکرا کر بولی۔

"ڈونٹ وری مما! میں آپ کو مایوس نہیں

کروں گی۔"

"مجھے آپ پر پورا یقین ہے بیٹا، جیتی رہیے۔" ذائرہ ملک نے سونیا سے مسکراتے ہوئے کہا اور محبت سے اس کی روشن پیشانی چوم لی، ان کے اس یقین اور اعتماد پر خوشی اور فخر سے سونیا کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

☆☆☆

آج وہ یونیورسٹی آئی تو انور کے بارے میں بہت سی خبریں گردش کر رہی تھیں، تازہ خبر یہ تھی کہ انور یونیورسٹی کی ایک لڑکی مہوش کے ساتھ کورٹ میرج کر چکا ہے اور آج کل وہ اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ مری میں ہنی مون منا رہا ہے اور مہوش کے گھر والے ان دونوں کو ڈھونڈتے ہوئے یونیورسٹی بھی آئے تھے اور پستول کی نوک پر انور کے دوستوں اور پرنسپل کو دھمکا کر گئے ہیں کے اگر انور نے مہوش کو واپس نہ کیا تو وہ ان سب کے خلاف پولیس میں مقدمہ درج کرائیں گے، مہوش کے باپ بھائیوں کا تعلق جاگیردار گھرانے سے تھا وہ اپنی اس بے عزتی تلملائے ہوئے تھے، زخمی شیر کی طرح دھاڑتے پھر رہے تھے، سونیا کو انور کی اس نئی واردات کے بارے میں جان کر نہ تو عجیب لگا تھا اور نہ ہی اسے حیرت ہوئی تھی، کیونکہ ایسے قصے تو اس کے شروع دن سے مشہور تھے وہی تھی کہ انور کے فلرٹ ہونے کا جان کر بھی اس پر یقین نہیں کرتی تھی، مگر آج اسے یقین کرنا پڑا ہر اس کہانی پر جو انور کے کردار کی کمزوری سے جڑی تھی، ہر اس قصے پر جو اس کی بھنورا صفت طبیعت سے پر تھا، ہر اس بات پر جو یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس اس کے بارے میں منفی انداز میں کیا کرتے تھے اور ہر اس رائے پر جو نیک شریف لڑکیوں نے انور کے متعلق قائم کر رکھی تھی، بلکہ سونیا کو اس وقت اپنا آپ بہت بے مول محسوس ہو رہا تھا اس خیال سے کہ انور جیسا آدمی اس کو بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا تھا اب تک، وہ اس کے ساتھ بھی فلرٹ کر رہا تھا، صد شکر تھا کہ اس نے کبھی اس کی پذیرائی نہیں کی تھی اور اس کی دولت تحائف قبول نہیں کیے تھے۔

سونیا کو خود سے شرم آ رہی تھی کے وہ کیسے اس کی جھوٹی تعریف پر خوش ہوتی رہی تھی، کیسے اس کے محبت بھرے جملے اور اشعار اسے اچھے لگتے تھے اور اس کی عادت نے اس کی ساری خامیوں کو پس پشت ڈال رکھا تھا، یہ عورت کی فطرت ہے کہ وہ تعریف سننا چاہتی ہے، سراہے جانا اسے ہواؤں اڑائے پھرتا ہے، مدح سرائی اس کی روح میں تازگی اور آنکھوں میں خواب بھر دیتی ہے، پیار میں ڈوبے دو جملے اس کے گالوں پر حیا کی لالی بکھیر دیتے ہیں۔

محبت کی ایک گہری نظر اس کے چہرے کو دھنک کے ساتوں رنگوں سے سجا کر الوہی حسن بخشا کرتی ہے، مگر جہاں تعریف محض ہوس اور لمحاتی تسکین کی غرض سے کی جا رہی ہو وہاں عورت کا احساس جاگنے کی دیر ہے، وہ اسے اپنی نسوانیت کی توہین سمجھتی ہے اور ایک پل لگاتی ہے من سنگھاسن پر براجمان بادشاہ کو مٹی میں رولنے میں اور ایسا ہی سونیا نے کیا تھا۔

سوائے اپنے حسن کی مدح سرائی کے اس سے کیا مل سکتا تھا اسے؟ وہ مخلص تو کسی کے بھی ساتھ نہیں تھا، یہ بات سونیا کو سمجھ میں اچھی طرح سے آ گئی تھی، پہلے وہ ان باتوں کو دل کے کہے میں آ کر نظر انداز کر دیا کرتی تھی اور اب وہ ساری باتیں مدنظر رکھتے ہوئے اسے یہ ماننا پڑا کہ وہ انور کے بارے میں اپنے دل میں سوفٹ کارنر رکھنے کی بھول کرتی رہی ہے لہٰذا اب انور کو دل سے تو کیا ذہن ودماغ سے بھی نکال پھینکا تھا اس

نے، اک آن میں دل و دماغ ایک ہوئے تھے اور مثبت لائنز پر سوچ رہے تھے۔

"جو آدمی ہر دوسری لڑکی سے پیار محبت کی باتیں کرتا ہو، ہر حسین لڑکی کو دنیا کی حسین ترین لڑکی کہہ کر اس پر مر مٹنے کے دعوے کرتا ہو، وہ بھلا کسی ایک جگہ کیسے ٹک سکتا ہے، انور نے کون سا مجھ سے عہد و پیمان باندھے تھے، کون سا مجھے سب سے ہٹ کر چاہا تھا، اس کی بہت سی چوائسز میں سے میں بھی ایک چوائس بلکہ ٹارگٹ تھی، جو شکر ہے اس کی پہنچ سے دور رہی ورنہ میری زندگی برباد ہو جاتی، کتنی احمق ہوں نہ میں ایک برے آدمی کی زبان سے کی گئی اپنی تعریف پر خوش ہوا کرتی تھی، اسٹوپڈ سونیا! تعریف تو تمہاری سیف بھی کیا کرتا تھا مگر اس کے سراہنے کے انداز بہت سوبر تھے جو مجھے معتبر ہونے کا احساس دلایا کرتے ہیں ہمیشہ اور سیف تو میرا کزن اور دوست ہو کر مجھ سے کبھی اس طرح فرینک نہیں ہوا تھا بلکہ ہمیشہ اپنی گفتگو میں اس نے ایک سلجھے ہوئے اور مہذب شخص کی طرح مجھے متاثر کیا ہے، تو کیا مجھے سیف سے شادی کے لئے ہاں کر دینی چاہیے۔" سونیا اپنی سوچوں میں گم خود سے محو گفتگو سوال جواب کرتی، اپنا تجزیہ کرتی یونیورسٹی لان سے اٹھ کر گیٹ کی جانب بڑھ گئی، کیونکہ آج اس کے آخری دو پیریڈز فری تھے پروفیسر صاحبان کی رخصت کی وجہ سے یونیورسٹی سے باہر نکل کر نجانے کیا خیال آیا وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر سیدھی سیف کے گھر "رحمٰن ولا" چلی آئی۔

سونیا رحمٰن ملک کے گھر بہت کم آیا کرتی تھی اور جب بھی آتی تھی، مما پاپا کے ہمراہ آتی تھی، آج نجانے کیا سوجھی تھی کے بلا ارادہ ہی ادھر چلی آئی، گیٹ پر چوکیدار کوئی نیا آیا تھا، اس نے بمشکل اسے اندر جانے دیا۔

"سنیں میڈم! صاحب لوگ اندر مصروف ہیں، آپ باہر ہی ان کا انتظار کریں ان کی اجازت کے بغیر آپ اندر نہیں جا سکتیں۔" چوکیدار نے سونیا کو دیکھتے ہوئے سپاٹ اور تیز لہجے میں کہا، سونیا کو غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"میں رحمٰن صاحب کی بھتیجی اور سیف صاحب کی کزن ہوں۔"

"آپ جو بھی ہیں صاحب کی اجازت کے بغیر ان سے نہیں مل سکتی، ادھر لان میں بیٹھ کر انتظار کر لیں۔" چوکیدار جو دیکھنے میں پینتیس سے چالیس برس کے درمیان کا دکھتا تھا بدتمیزی سے بولا، پھٹے ڈھول جیسی آواز تھی اس کی، سونیا نے اس کے منہ لگنا مناسب خیال نہ کیا اور خاموشی سے لان کی طرف بڑھ گئی۔

"کھڑوس چوکیدار، مہمانوں کو بھگانے کے لئے اچھا آدمی ڈھونڈا ہے سیفی صاحب نے۔" سونیا بڑبڑاتی ہوئی لان چیئر پر بیٹھ گئی جہاں ہلکی سنہری دھوپ اپنی نرماہٹوں سمیت اسے مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہہ رہی تھی، سونیا نے دیکھا چوکیدار گیٹ سے باہر گیا تھا وہ فوراً اٹھ کر اندر کی جانب دوڑی، ڈرائنگ روم کے دروازے کے قریب پہنچی تو اندر سے آتی تائی امی (شمسہ ملک) تایا ابو (رحمٰن ملک) اور سیفی کی آوازوں نے اس کے قدم روک لئے۔

"دیکھو سیفی بیٹا! نعمان اپنی بیٹی کی شادی جلد از جلد کر دینا چاہتا ہے، جبھی تو ہم نے اس کے سامنے تمہارا پرپوزل رکھا ہے اور تم بھی تو سونیا سے ہی شادی کرنا چاہتے ہو، محبت کرتے ہو اس سے پھر یہ جھجک کیسی؟" رحمٰن ملک کہہ رہے تھے اس انکشاف پر سونیا کے چہرے حیا کی لالی بکھر گئی تھی کہ سیف اس سے محبت کرتا ہے اور اس

نے کبھی اس سے اپنی محبت کا اظہار تک نہیں کیا تھا یہی تو فرق تھا سیف اور انور میں، ایک ہر وقت محبت کا راگ الاپتا تھا اور دل سے اتر گیا اور دوسرا یعنی سیف عزت کا درجہ دیتا تھا اسے اور اس کے دل میں اتر گیا تھا، ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں، سونیا کو آج یہ بات بھی پوری سچائی کے ساتھ سمجھ آ گئی تھی۔

"ڈیڈی! میں سونیا کو زبردستی اپنی زندگی میں شامل نہیں کرنا چاہتا، اس کے حالات کا، مجبوریوں کا فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا، میں نہیں چاہتا کے وہ میرے پاس اپنی مجبوریوں کی وجہ سے آئے، میں چاہتا ہوں کے وہ میرے پاس محبت کی وجہ سے آئے، جو محبت مجھے اس سے ہے۔" سیف نے سنجیدہ مگر نرم لہجے میں کہا اس کا لہجہ لو دیتا ہوا سا تھا سونیا کے لئے سچے اور پرخلوص جذبات کی لو دیتا ہوا۔

"ارے بیٹا! اس میں زبردستی کی کون سی بات ہے سونیا تمہاری کزن ہے، دوست ہے اور جب شادی ہو جائے گی تو اسے تم سے محبت بھی ہو جائے گی، ارینج میرج ہی آفٹر میرج "لو" میں بدل جاتی ہے اب تم ہمیں یہ دیکھ لو تمہاری ممی کو میں نے پہلی بار دلہن بنے ہی دیکھا تھا اور ماشاءاللہ آج تک دیکھ رہے ہیں، محبت سے کیوں بیگم صاحبہ درست فرمایا ہے نہ ہم نے۔" رحمٰن ملک نے مسکراتے ہوئے شوخ نظروں سے گریس فل سی شمسہ بیگم کو دیکھتے ہوئے اپنی بات کی تائید و تصدیق چاہی تو وہ شرمیلے پن سے مسکرا دیں اور سیف ہنس پڑا۔

"اور ہاں برخوردار! تم نے کون سا سونیا کو کہا ہے آئی لو یو، پھر بھلا وہ کیسے تمہارے پاس تمہاری محبت کی وجہ سے آئے گی ہوں۔"

"ڈیڈی! ہر بات کہنے کی تو نہیں ہوتی کچھ باتیں محسوس بھی کی جاتی ہیں۔" سیف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں مگر اس صورت میں "اگر دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی" والی صورتحال ہو، یہاں تو تم اکیلے ہی جل رہے ہو برخوردار۔" رحمٰن ملک مسکراتے ہوئے بولے تو شمسہ ملک نے کہا۔

"جناب! سونیا ماشاءاللہ بہت حساس اور لونگ نیچر کی مالک ہے آپ دیکھئے گا دو دن میں وہ ہمارے بیٹے کو اس محبت سے دل سے اپنائے گی کے سیف صاحب اپنی قسمت پر رشک کرنے لگیں گے۔"

"اللہ آپ کی زبان مبارک کرے ممی جان۔" سیف خوش ہو کر بولا تو وہ دونوں ہنس پڑے اور سونیا کے دل کی دھڑکنیں شور مچانے لگیں، اس کی یہ کیفیت آج سے پہلے تو کبھی نہ ہوئی تھی، شاید یہ سچی اور پرخلوص محبت کا احساس تھا جو دل کو یقین کے تار پر رقص کرنے پر اکسا رہا تھا۔

"دیکھا کتنا اوتاولا، بے کل ہوا جا رہا ہے سونیا سے شادی کے لئے۔" شمسہ ملک نے اس کے گال پر محبت سے ہاتھ پھیرا وہ شرما گیا۔

"جی جی دیکھ رہا ہوں جبھی تو کہہ رہا ہوں کے نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"لیکن ڈیڈی! سونیا کو کچھ بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے۔" سیف نے رازدارانہ لہجے میں کہا تو سونیا کے کان کھڑے ہو گئے۔

"کیا معلوم نہیں ہونا چاہیے؟" شمسہ ملک نے پوچھا۔

"یہی کہ اس کے پاپا یعنی نعمان چچا کے ساتھ اصل میں ہوا کیا ہے؟ نہ یہ کہ ان کا وہ گھر رہن رکھا ہے بینک لون ادا نہ ہو سکنے کی صورت

میں وہ بنگلہ خالی کرنا ہوگا چچا جان کو، فیکٹری مکمل طور پر اس فراڈیے ریاض بٹ کے اختیار میں ہے، چچا جان کے پاس بزنس رہا ہے اور نہ گھر یہ ان کی ملکیت باقی ہے، وہ سونیا کو اپنی ان پریشانیوں سے دور رکھنا چاہتے ہیں، اس لئے تو اس کی شادی کردینا چاہتے ہیں۔" سیف سنجیدگی سے بول رہا تھا، سونیا پر ایک کے بعد ایک انکشاف ہو رہا تھا، وہ اپنے پاپا کی تکلیف اور پریشانی اب صحیح طور پر جان پائی تھی، دل دکھ سے بھر گیا تھا۔

"ہاں بیٹا! میرا بھائی بہت خود دار ہے اس نے کبھی کسی سے کچھ نہیں مانگا اپنی محنت سے اپنا گھر اور کاروبار اسٹیبلش کیا تھا اور اب وہ سب کچھ ہاتھ سے جاتے دیکھنا نعمان کے لئے کس قیامت سے کم نہیں ہوگا۔" رحمٰن ملک افسردگی سے بولے تو شمسہ ملک نے کہا۔

"آپ کچھ کریں ناں، بھائی صاحب کے لئے اس فراڈیے بٹ کو اریسٹ کروائیں گے، ایسے کیسے چھوڑ سکتے ہیں اسے، نعمان بھائی تو سڑک پر آجائیں گے۔"

"اللہ نہ کرے۔" سونیا اور سیف نے بے اختیار کہا تھا سیف نے زبان سے سونیا نے دل میں کہا تھا، آنسوؤں کو ضبط کیا تھا، آج تو جیسے انکشافات کا صدمات کا دن تھا سونیا کے لئے وہ اندر سے ڈھے ہی گئی تھی یکا یک اس ساری صورتحال حال کو جاننے کے بعد۔

"میں اپنے بھائی کو سڑک پر نہیں آنے دوں گا میں نے نعمان سے بھی کہا ہے میں اس کا قرضہ ادا کروں گا اس کا گھر کہیں نہیں جانے دوں گا اور فیکٹری بھی انشا اللہ نعمان کو واپس مل کر رہے گی، میں نے نعمان کو اپنے ساتھ اور تعاون کا یقین دلایا ہے اور کہا ہے کہ بس وہ سونیا اور سیفی کے رشتے کے لئے ہاں کر دے باقی سب میں سنبھال لوں گا۔" رحمٰن ملک نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا، آخر اپنے ہی کڑے وقت میں اپنوں کے کام آتے ہیں۔" شمسہ ملک بولیں۔

"بالکل۔" سیف نے کہا اور سونیا دبے پاؤں چلی ہوئی لان میں آکر بیٹھ گئی۔

دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں، آنکھیں پاپا کی پریشانی اور مما کی بے بسی پر بھر آئی تھیں مگر وہ اپنے آنسو اس جگہ بیٹھ کر تو بہانا نہیں چاہتی تھی، خود سے سوال کر رہی تھی۔

"تو کیا مجھے پاپا کو مزید پریشانی سے بچانے کے لئے سیفی سے شادی کر لینی چاہیے؟"

اگر حالات خراب نہ ہوتے تو وہ کبھی بھی اتنی جلدی اپنی تعلیم مکمل کیے بغیر سیف سے شادی پر غور نہ کرتی مگر حالات دونوں طرف خراب تھے ایک طرف انور جسے وہ انجانے میں اپنی محبت سمجھ بیٹھی تھی، اس کی باتوں کو سچ سمجھتی رہی تھی وہ سب جھوٹ ثابت ہو گیا تھا دونوں کو ہی ایک دوجے سے محبت نہیں تھی، انور کی آوارگی بے باکی اور بے وفائی کے قصے مشہور ہو رہے تھے تو دوسری جانب پاپا کا بزنس چھن گیا تھا اور گھر چھننے والا تھا، گھر کے حالات بھی خرابی کی جانب گامزن تھے، وہ گھر جو پاپا نے بہت محنت سے، محبت سے بنوایا تھا وہ بھی اب ان کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا، اسی صدمے نے انہیں ہارٹ اٹیک سے دو چار کر دیا تھا، ایسے میں سونیا اگر واقعی انور یا کسی اور سے محبت کرتی ہوتی تب بھی اسے یہ پیار اپنے پاپا پر وار دینے میں کوئی عار محسوس نہ ہوتا، اپنی محبت کا گلا گھونٹنا بہتر لگتا، اسے اپنے مما پاپا سے، اپنے گھر سے بہت پیار تھا اور اگر وہ انور کی محبت پر یقین کرتی اور ترازو میں تولتی تب بھی

"میزان محبت" میں مما پاپا کا پلڑا بھاری تھا، جب اس نے ایک لمحے کو انور کے بارے میں سوچا اور حد یہ کہ اس نے سیف کی محبت کے بارے میں سوچا تب بھی اسے اپنے مما پاپا کی محبتوں کے مقابلے میں وہ بہت معمولی محسوس ہوئی۔

"میں کچھ دیر کے لئے بہک ضرور گئی تھی مگر بھٹکی نہیں ہوں اور نہ ہی میں کسی کی چند دن کی محبت توجہ اور پذیرائی پر اپنے پیرنٹس کی اکیس برس کی محبتیں اور چاہتیں فراموش کر سکتی ہوں، مجھے وہی کرنا چاہیے جو ان حالات میں میرے مما پاپا کو خوشی دے سکے، ان کی مشکل آسان کر سکے۔" سونیا نے دل میں کہا اور گہرا سانس فضا میں خارج کرتے ہوئے خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی تھی، اچانک سیف باہر نکلا تھا اس کی نظر لان میں بیٹھی سونیا پر پڑی تو آنکھوں کے گلشن میں دیدار کے پھول کھل اٹھے تھے، وہ خوشی سے مسکراتا ہوا اس کے پاس لان میں ہی چلا آیا۔

"سونی! تم کب آئیں؟"

"اکیس سال پہلے۔" سونیا نے اس کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے مخصوص شوخ لہجے میں کہا تو وہ ہنس پڑا۔

"میں تمہارے اس دنیا میں آنے کی مدت نہیں پوچھ رہا میم، میں آپ کے یہاں آنے کی ٹائمنگ پوچھ رہا ہوں۔"

"آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو گیا ہے آئے ہوئے اور کسی نے چائے، پانی کا پوچھا نہ ہی اندر جانے دیا، بہت بڑے بزنس مین بن گئے ہو نا تم اب تو تمہارے پاس دوست اور کزن کے لئے بھی وقت نہیں ہے، اپنے ہی گھر میں اپنا انتظار کرواتے ہو، شرم تو نہیں آتی نا تمہیں۔" سونیا نے خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے ناراض اور شکایتی لہجے میں کہا تو سیف کو اس پر بے انتہا پیار آیا۔

"اوہ سوری سونی، ریئلی اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم یہاں آؤ گی تو میں چوکیدار کو آرڈر نہیں دیتا، منع نہیں کرتا، یہ تو تمہارا اپنا گھر ہے ڈیئر کزن اور اس گھر کے دروازے تمہارے لئے ہر وقت کھلے ہیں اور اسی دل کے دروازے بھی۔" سیف نے اس دل پہ ہاتھ رکھ کر کہا آنکھوں میں اس کے لئے محبت چمک رہی تھی۔

"سچی۔" سونیا نے آنکھیں پٹپٹا کے اسے دیکھا۔

"ہاں سو فیصد سچی۔" سیف نے مسکراتے ہوئے دل سے کہا۔

"اچھا چلو مان لیا، اب مجھے جوس پلواؤ، بہت پیاس لگ رہی ہے، حق میزبانی بھی ادا کرو اب۔"

"جو حکم کزن صاحبہ! چلیے اندر۔" سیف نے بڑی ادا سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے اپنا شولڈر بیگ کندھے پر ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایک بات پوچھوں سونیا؟"

"پوچھو۔" سونیا نے اس کے ساتھ قدم بڑھائے۔

"شادی کس سے کرو گی؟"

"شادی؟" سونیا کا دل ہی نہیں قدم بھی ایک لمحے کو رک گئے تھے اس کے اس سوال پر، مگر انجان بن کر پوچھا۔

"تمہیں میری شادی کا خیال کیوں آ گیا وہ بھی اچانک؟"

"دراصل میں آج کل اپنی شادی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" سیف نے بتایا، سونیا کا دل اتھل پتھل ہونے لگا۔

"ہاں تو اپنی شادی کا سوچو نا، میری کا کیوں؟"

"کیونکہ میں سوچ رہا ہوں کہ تم سے شادی

کرلوں۔"

"کیا مجھ سے شادی کرو گے تم؟" سونیا نے بھرپور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے تیز آواز میں کہا وہ اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ ان سب کی باتیں سن چکی ہے اور یہ کہ مما نے بھی اس سے اس رشتے کی بات کی ہوئی ہے، وہ مکمل لاعلمی ظاہر کررہی تھی۔

"ہاں اگر تم "ہاں" کردو تو۔" سیف نے اس کے سندر صبیح چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا وہ شپٹا کر اندر کی جانب بڑھنے کو مڑی۔

"بتاؤ نا۔" سیف نے اصرار کیا۔

"کیا بتاؤں؟" سونیا نے نظریں چرائیں۔

"میری چوائس اچھی ہے نا۔"

"اچھی نہیں ہے، بہت زیادہ اچھی ہے مگر۔" وہ شوخ ہوئی۔

"مگر کیا؟" سیف کی سانس سینے میں اٹکی تھی۔

"مگر بات تمہیں اپنی پسند کی لڑکی کے پیرنٹس سے کرنی چاہیے، نہ کہ لڑکی سے، کچھ تو مشرقی لڑکے ہونے کا ثبوت دو، شرم و حیا تو ہے ہی نہیں آج کل کے لڑکوں میں۔" سونیا نے مسکراتے ہوئے اسے شرم دلاتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"اچھا جی۔" وہ بھی مسکراتے ہوئے اسی کے انداز میں بولی تو وہ ہنس کر بولا۔

"ارے مائی ڈیئر کزن، میں تو تم سے اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ کل کو تم یہ نہ کہو کے مجھ سے پوچھے بنا میری شادی کردی لڑکا میری پسند کا نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔"

"یہ وغیرہ وغیرہ سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"کچھ نہیں ایسے ہی۔" سیف نے کندھے اچکائے۔

"ایسے ہی نہیں، کچھ تو ہے۔" سونیا سنجیدگی سے بولی۔

"دیکھو اگر تمہارے دل و دماغ میں میرے حوالے سے شکوک و شبہات میں تو کوئی اور لڑکی دیکھ لو، کیونکہ کل کو میں بھی کوئی الزام، کوئی شک برداشت نہیں کروں گی۔"

"یعنی تمہاری طرف سے تو "ہاں" ہے، ہے ناں۔" سیف نے مسکراتے شوخ لہجے میں کہا سونیا کو پتا ہی نہیں چلا کہ وہ غیر محسوس انداز میں اپنی بات میں اپنی رضا مندی دے رہی تھی، سیف نے اس کی "کل کو" والی بات کو پکڑ لیا تھا۔

"میں کب کی "ہاں؟"

"کہہ تو دیا جاناں۔" وہ ہنسنے لگا خوش سے کھل گیا تھا۔

"بکو مت اچھا، ہاں یا ناں کا فیصلہ مما پاپا کریں گے۔" سونیا نے اس کے بازو پہ مکہ جڑ کر شرما کر کہا۔

"جی جی بالکل، بجا فرمایا آپ نے۔" سیف کی خوشی، شوخی اور شرارت اس کے چہرے اور لہجے دونوں سے چھلک رہی تھی، آنکھیں سونیا کے چہرے کو اپنی گرفت میں لئے اس پر نثار ہو رہی تھیں، سونیا شپٹا گئی۔

"سیفی کے بچے۔" سونیا اسے مارنے کو لپکی تو وہ تیزی سے آگے دوڑا تھا۔

"سیفی کے بچے بھی ہو جائیں گے انشا اللہ تم شادی تو ہونے دو پھر دیکھنا۔"

"بے شرم۔" وہ حیا سے کٹ کر رہ گئی تھی، اس کے پیچھے بھاگنے کی بجائے وہیں سے واپس پلٹ گئی۔

☆☆☆

وہ نعمان ملک اور ذائرہ ملک کے کمرے میں آئی تو ان کے چہروں پر پھیلی فکر اور پریشانی

نے اسے اندر تک سے نڈھال کردیا، کیسے ہنستے مسکراتے تھے اس کے پاپا، زندگی سے بھرپور اور ہمت و حوصلے کی مثال تھے وہ اس کے لئے، لیکن اس ایک دھوکے نے انہیں کتنا بڑا نقصان پہنچایا تھا، انہیں توڑ کے رکھ دیا تھا اور سونیا کے لئے ان کی یہ حالت بہت اذیت کا باعث بن رہی تھی اور وہ انہیں اس پریشانی سے باہر نکالنا چاہتی تھی اسی لئے وہ انہیں اپنا فیصلہ سنانے آئی تھی۔

"پاپا! اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" وہ ان کے بیڈ پر پاؤں کی جانب بیٹھ گئی اور انہیں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"الحمدللہ بہت بہتر ہے طبیعت، آپ ابھی تک سوئی نہیں بیٹا۔" نعمان ملک نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

"نہیں پاپا! نیند نہیں آرہی تھی۔"

"کیوں بیٹا؟ کوئی پریشانی ہے کیا؟"

"پاپا میں آپ کی پریشانی کم کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟" وہ دونوں سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے، سونیا نے دونوں کو باری باری دیکھا اور سر جھکا کر دھیمے لہجے میں کہا۔

"پاپا مما آپ میری شادی کرنا چاہتے ہیں ناں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے آپ میرے لئے سیفی کا رشتہ قبول کرلیجئے۔"

"سچ بیٹا۔" نعمان ملک اور ذائرہ ملک خوش ہوگئے۔

"جی پاپا لیکن آپ سیفی کو سمجھا دیجئے گا کہ وہ میری اسٹڈیز میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔"

"ارے میری گڑیا، آپ بالکل فکر نہ کریں میں سمجھا دوں گا سیف کو، ویسے اسے کوئی اعتراض نہیں ہے آپ کے تایا ابو کہہ رہے تھے کہ سونیا شادی کے بعد اپنی تعلیم جاری رکھے گی ہمیں خوشی ہوگی۔"

"تو ٹھیک ہے پاپا، اب آپ جلدی سے اچھے ہو جائیں۔" سونیا نے مسکراتے ہوئے ان کے پاؤں پر ہاتھ رکھا۔

"تو ابھی تک ہم برے ہیں کیا؟"

"نہیں پاپا، آپ تو دنیا کے بیسٹ پاپا ہیں اینڈ آئی لو یو سو مچ۔" سونیا نے نعمان ملک کے گلے میں بانہیں حمائل کرتے ہوئے دل سے کہا تو وہ خوشدلی سے مسکرا دیے۔

"لو یو ٹو پاپا کی جان، آپ ہماری اکلوتی اور لاڈلی بیٹی ہیں ہم آپ کو یوں اچانک سے بیاہنا نہیں چاہتے تھے مگر......"

"نو اگر مگر پاپا۔" سونیا نے نرمی سے ان کی بات کاٹ کر کہا۔

"میں نے سنا ہے کہ نکاح اور موت کا ایک وقت مقرر ہے جس دن جس لمحے وہ وقت آجاتا ہے تب یہ کام ہوجاتا ہے، اللہ نے جو وقت لکھ دیا ہے اس وقت پر وہ کام انجام پا جاتا ہے اس لئے پاپا آپ اس بات کی کوئی ٹینشن مت لیں اور جلدی سے صحت یاب ہوکر مجھے ہنسی خوشی رخصت کریں۔"

"انشا اللہ بیٹا، اللہ نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا، تھینک یو بیٹا، آپ نے ہماری بات مان کر ہمارا مان رکھ لیا ہے۔" نعمان ملک نے اس کی روشن پیشانی چوم لی اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا، فرط مسرت سے ان تینوں کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

ٹھیک ایک ہفتے بعد کی تاریخ طے پائی تھی، سونیا اور سیف کی شادی کی، دونوں گھرانوں میں شادی کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں، نعمان ملک بھی اس خوشی میں بستر چھوڑ کر میرج ہال بک کرانے اور مینو ڈسائیڈ کرنے اور شادی کے

دعوت نامے چھپوانے کے کام میں مصروف ہو گئے تھے، سیف تو بہت زیادہ خوش تھا، شمسہ ملک، سونیا کو بری کی شاپنگ کے لئے اپنے ساتھ بازار لائی تھیں اور واپسی پر سیف بھی ان کے ساتھ چلا آیا، اس نے پھولوں کی دکان سے ایک بڑا سا تازہ سرخ گلابوں کا بکے خرید کر سونیا کو پیش کر دیا۔

''تھینک یو، مگر یہ کس لئے؟'' سونیا نے بکے دیکھ کر خوشی سے مسکراتے ہوئے پوچھا اور پھولوں کو سونگھنے لگی۔

''اپنی محبت اور خوشی کے اظہار کے لئے۔'' سیف نے اس کے چہرے کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا وہ مسکرا کر بولی۔

''اچھا پہلے تو تم نے کبھی اظہار نہیں کیا اس محبت کا۔''

''ہر چیز اپنے وقت پر اچھی لگتی ہے نا اس لئے۔''

''تو کیا وہ وقت آ گیا ہے؟''

''ہوں کس حد تک۔'' سیف مسکرائے جا رہا تھا۔

''چلو مان لیتی ہوں۔''

''محبت مان بھی لیتی ہے، منوا بھی لیتی ہے اور محبت مان بھی دیتی ہے سونیا جی، یہ صرف پھول ہے میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس وقت تمہیں دنیا کی ہر خوبصورت اور قیمتی شے خرید کر پیش کر دوں، سب اچھی چیزیں تمہیں گفٹ کر دوں۔'' سیف نے اس کے حیا اور خوشی کی تازگی اور گلال سے کھلے چہرے کو اپنی نظروں کی گرفت میں لے کر دل سے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تو سونیا کو خوشگوار حیرت نے گھیر لیا، سیف اسے اتنی شدتوں سے چاہتا ہے اسے کب پتا تھا بھلا؟

''سچی۔'' سونیا نے حیرت بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''سچی سونی! بتاؤ کیا چاہیے تمہیں، کیا دوں میں تمہیں کے تمہیں دلی خوشی ہو؟'' سیف نے بہت پیار سے پوچھا۔

''مجھے صرف میرے پاپا کی فیکٹری واپس چاہیے، کیا تم پاپا کی ان کی فیکٹری اس فراڈ آدمی ریاض بٹ کی تحویل سے لے کر واپس دلوا سکتے ہو؟'' سونیا نے سنجیدگی سے کہا۔

''انشا اللہ، ہم نے وکیل سے بات کر لی ہے اور کچھ ضروری دستاویزات بھی میں نے فیکٹری آفس سے ڈھونڈ نکالی تھیں، ریاض بٹ کو ہم چھوڑیں گے نہیں یہ کام تو ہو جائے گا اور نعمان چچا کے لئے یہ کام تو میں کروں گا ہی میں تو تم سے تمہاری پسند اور تمہارے لئے گفٹ کا پوچھ رہا تھا بے بی۔'' سیف نے نرمی سے کہتے ہوئے اسے باور کرایا۔

''میرے لئے پاپا کی خوشی ہی سب سے بڑا گفٹ ہے اور پاپا کی خوشی اسی میں ہے کہ انہیں ان کی محنت اور خون پسینے سے بنائی ہوئی فیکٹری واپس مل جائے۔''

''انشا اللہ بہت جلد مل جائے گی، ڈونٹ وری اور کچھ۔''

''نہیں بس یہی۔'' سونیا مسکرا دی۔

''اتنی محبت کرتی ہو اپنے پاپا سے۔''

''وہ ہیں ہی اتنے اچھے۔''

''اور میں؟ کیا مجھ سے بھی اتنی زیادہ محبت کرو گی تم؟''

''ہوں، اٹس ڈی پینڈ کے تم مجھ سے کتنا پیار کرتے ہو، میری کتنی کیئر کرتے ہو اور مجھے کتنی عزت دیتے ہو۔'' سونیا نے پھولوں کو چھیڑتے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''بہت بہت بہت زیادہ عزت، محبت اور چاہت دوں گا تمہاری بہت کیئر کروں گا دیکھ لینا۔''

''دیکھ لیں گے۔'' سونیا نے اسی کے انداز میں شوخی سے کہا اور دونوں ہنس پڑے۔

رحمٰن ملک نے اپنے بھائی نعمان ملک کا بینک لون ادا کر دیا تھا جو چالیس لاکھ تھا اور نعمان لاج جو ضمانت کے طور پر رہن رکھی گئی تھی وہ بھی اب رہن نہیں رہی تھی، ملکیت پھر سے نعمان ملک کو مل گئی تھی، نعمان ملک نے فیکٹری لگاتے وقت بینک سے پچاس لاکھ روپے کا لون لیا تھا گھر رہن رکھ کر دس لاکھ انہوں نے خود ادا کیے بینک کو اس کے بعد ریاض بٹ کے ہاتھ بجواتے رہے تھے جو اس لالچی اور دھوکے باز آدمی نے اپنے بینک اکاؤنٹ میں جمع کرائے تھے۔

اب بینک لون کی ٹینشن، گھر چھن جانے کی ٹینشن ختم ہو گئی تھی، سب بہت مطمئن اور خوش تھے، سونیا بہت خوش تھی کہ اس کے پاپا کا محبت سے بنایا گیا گھر بچ گیا تھا اور نعمان ملک نے ذائرہ ملک سے مشورے کے بعد باہمی محبت اور رضامندی سے نعمان لاج کے مالکانہ حقوق سونیا کے نام کر دیئے، سونیا نے بہت منع کیا، احتجاج کیا لیکن انہوں نے اس کی ایک نہ سنی، اس بات کا علم ابھی ان تینوں کو ہی تھا، سیف اور شمسہ ملک، رحمٰن ملک اس بات سے لاعلم تھے اور سونیا نے فی الحال مما پاپا کو منع کر دیا تھا کہ انہیں کچھ نہ بتائیں اس بارے میں، سونیا کی اس بات کے ماننے میں انہیں کوئی اعتراز اور عذر نہیں تھا سو اس کی بات مان لی گئی تھی۔

بالآخر سونیا اور سیف کی شادی کا دن بھی آن پہنچا تھا، سونیا دلہن بنی سرخ بھاری گولڈن کامدار لہنگے اور گولڈ کی عروسی جیولری میں پھولوں، گجروں اور عروسی سنگھار سے مہکتی سجی سنوری، الوہی حسن کا پیکر بنی بیٹھی تھی اور سیف کی آنکھوں کے ذریعے سیدھی اس کے دل میں اتر گئی تھی، سیف خود بھی کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا، سفید کرتے شلوار پر سیاہ شیروانی زیب تن کر رکھی تھی اس نے، شیروانی کے دامن کالر اور کفس پر سنہرا تار کا کام کیا گیا تھا جو بہت ہی نفیس دکھائی دے رہا تھا، پاؤں میں کھسہ پہنے، گلے میں شیروانی کے ساتھ مفلر نما گولڈن اور سیاہ دوپٹہ اسٹائلش انداز میں ڈالے، اپنے چہرے کی خوبصورتی کے ساتھ چودھویں کا چاند لگ رہا تھا، اگر یہ کہا جائے کہ سونیا، سیف کی جوڑی سورج، چاند کی جوڑی ہے تو بے جا نہ ہو گا، اب دونوں میں سے سورج کون تھا اور چاند کون؟ اس کا فیصلہ تو دیکھنے والوں کی نگاہوں میں رقم تھا۔

بارات کا استقبال نہایت شاندار طریقے سے کیا گیا تھا، تمام دوست، عزیز رشتے دار بھی دونوں طرف سے اس شادی میں شرکت کے لئے پہنچے تھے، دولہا دلہن کو اسٹیج پر ایک ساتھ بٹھایا گیا تھا، قبول و ایجاب کی رسم ادا کی گئی، مبارک سلامت کی صدائیں بلند ہوئیں، مسکراہٹوں، ہنسی، قہقہوں کے ساتھ خوشی کا اظہار کیا گیا تھا، دلہن اور دولہا کا فوٹو شوٹ ہوا دونوں ایک ساتھ بھی اور اپنی فیملیز کے ساتھ بھی، مہمانوں کی تواضع نہایت لذیز اور عمدہ پکوان سے کی گئی اور آخر میں ضروری رسموں کے بعد قرآن کے سائے تلے مما، پاپا کی دعاؤں، سہیلیوں کی محبتوں اور نم آنکھوں کے ساتھ سونیا کو سیف کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔

سونیا کو مما، پاپا سے دوری کا احساس اپنے گھر کو چھوڑ کے جانے کا احساس تڑپا تڑپا کر رلا رہا تھا، وہ بہت ضبط کر رہی تھی مگر اس کے برابر

میں بیٹھے دولہا میاں کو اس کی دبی دبی سی سسکیاں اس قدر شور میں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

سیف نے گاڑی میں رکھے ٹشو بکس میں سے تین چار ٹشو پیپرز نکالے اور خاموشی سے اس کے چہرے کے سامنے کر دیئے۔

سونیا نے ٹشو پیپرز کی اور دیکھا اور اس کے ہاتھ سے وہ ٹشو لے کر اپنے آنسو پونچھنے لگی اس یقین کے ساتھ کہ اس کا جیون ساتھ ہمیشہ اس کے ساتھ ہوگا اس نے آنسو پونچھنے کے لئے اسے آنسوؤں سے دور رکھنے کے لئے اور پھر وہ کون سا شہر یا ملک چھوڑ کر کہیں جا رہی تھی، ایک ہی شہر تو تھی چند منٹ کی ڈرائیو پر تو اس کا میکہ تھا وہ جب چاہتی مما پاپا سے ملنے جا سکتی تھی، اس خیال اور احساس نے سونیا کو حوصلہ دیا اور وہ پرسکون ہو کر مسکرا دی باقی کا سفر اس خوشگوار احساس کے ساتھ طے ہوا کہ اس کا شریک حیات سیف الرحمٰن ملک اس سے بے حد محبت کرتا ہے اور یہ محبت ہی تو اس کا مان تھی جس کے بھروسے پر اس نے سیف سے شادی کے لئے ''ہاں'' کر دی تھی۔

''رحمٰن ولا'' پہنچنے پر دلہن دولہا کا شاندار استقبال ہوا، ضروری رسمیں ادا ہوئیں، موودی بنائی گئی، فوٹو سیشن ہوا اور پھر شمسہ ملک کو خود ہی خیال آ گیا کے سونیا تھک گئی ہوگی لہٰذا اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا، حجلہ عروسی، دلہن کی سیج واقعی ایسی سجائی گئی تھی جیسی کسی سچے چاہنے والے کی دلہن کے استقبال کے لئے ہونی چاہیے، وسیع و عریض خواب گاہ تھی یہ، جہازی سائز کے بیڈ کو بھی ہر رنگ کے گلاب سے سجایا گیا تھا، چاروں جانب لہراتی پھولوں کی لڑیاں، نفیس فرنیچر، کمرے کے در و دیوار پر ہلکے نیلے رنگ کا پینٹ کیا ہوا تھا جو ایک ٹھنڈک اور تازگی کا احساس دلا رہا تھا، کمرے میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی اور ہر چیز بہت قرینے سے سجائی گئی تھی، سونیا کا دل خوش ہو گیا اپنے اتنے شاندار استقبال پر اور دل ہی دل میں اللہ کا شکر بجا لائی۔

سیف کمرے میں داخل ہوا تو بہت مسرور انداز میں گنگناتا ہوا سونیا کے سامنے آن کے بیٹھا تھا۔

''السلام علیکم مائی ڈیئر کزن، فرینڈ اینڈ لولی وائف۔'' سیف نے اس کے الوہی حسن کو اپنی آنکھوں میں سموتے ہوئے بہت خوشگوار لہجے میں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' سونیا نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''بس اور کچھ نہیں کہنا تم نے؟''

''اور کچھ مطلب؟'' سونیا نے گھنیری پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا وہ بہت شرارتی ہو رہا تھا اور شرارت اور شوخی اس کی آنکھوں سے ٹپک رہی تھی۔

''مطلب میں نے تمہاری اتنی تعریف کی ہے بدلے میں تمہیں بھی میری تعریف کرنی چاہیے آخر کو میں تمہارا دولہا ہوں۔''

''تعریف تو صرف دلہن کی ہوتی ہے اور کی آپ نے میری تعریف اس لئے کی ہے کہ میں جواب میں آپ کی تعریف کروں؟'' سونیا نے مسکراتے ہوئے کہا تو ہنس کر بولا۔

''یار! آج کے دن تو بنتی ہے نا میری تعریف میں، ایک لفظ ہی کہہ دو۔''

''نائس۔'' سونیا نے کہا۔

''رئیلی۔'' وہ خوش ہوا۔

''ہوں۔''

''تھینکس، ویسے آج تم اتنی حسین اور دلنشین لگ رہی ہو دلہن کے روپ میں کہ ڈکشنری

میں بھی تمہاری تعریف کے لئے الفاظ نہیں مل سکتے۔'' سیف نے اس کے نرم ملائم حنائی ہاتھوں کو تھام کر محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو شرمیلے پن سے ہنس پڑی اور سیف کے دل میں جیسے شادیانے سے بجنے لگے تھے، اس نے بہت محبت سے اس کے ہاتھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا اور جیسے کسی سحر میں کھو گیا، اس کے لمس کی حدت و حرارت زیست کی لہریں اس میں منتقل کر رہی تھیں، سونیا اس کی اتنی محبت پر دل سے سجدہ ریز ہو گئی، رب کے حضور اور روح تک سے شاداں و فرماں ہو گئی تھی۔

''تھینک یو سیفی۔'' سونیا نے آہستگی سے کہا تو اس نے سر اٹھا کر اس کے چہرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''میرے پاپا کا گھر بچانے کے لئے۔''

''تمہارا بھی تھینکس، میرا گھر بسانے کے لئے۔'' سیف نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے شرم و حیا سے نظریں جھکا لینے پر سیف نے شیروانی کی جیب میں سے ایک سرخ رنگ کی مخملی ڈبیہ نکالی اور ڈبیہ کھولی تو اس میں ہیروں کا نفیس اور نازک بریسلیٹ جگمگ جگمگ کر رہا تھا، سیف نے بریسلیٹ اس کی کلائی میں پہناتے ہوئے کہا۔

''یہ ہے تمہاری رونمائی کا تحفہ، تمہارے شایان شان تو نہیں ہے لیکن جس محبت سے میں نے یہ بریسلیٹ تمہارے لئے خریدا ہے وہ محبت بہت بیش قیمت اور انمول ہے۔''

''محبت تو کانچ کی چوڑی کو بھی بیش قیمت اور انمول بنا دیتی ہے، یہ تحفہ میرے لئے انمول اور بیش قیمت ہے آپ کی محبت کی وجہ سے، تھینک یو۔'' سونیا نے بریسلیٹ پر انگلی پھیرتے ہوئے نظریں جھکائے دھیمے لہجے میں کہا تو سیف خوشی سے مزید دیوانہ ہونے لگا۔

''مائی پلشرر مائی ڈیئر، ویسے رخصتی کے وقت تم جس طرح رو رہی تھیں ناں سچ میں، مجھے گلٹی فیل ہونے لگا تھا کہ میں تمہیں زبردستی بیاہ کے لے جا رہا ہوں، یہ لڑکیاں رخصتی کے وقت اتنا روتی کیوں ہیں؟'' سیف نے شیروانی اتارتے ہوئے کہا تو سونیا نے اداس اور پرنم لہجے میں جواب دیا۔

''جس گھر میں ایک عمر بتائی ہو بچپن لڑکپن ماں باپ کے سائے میں گزارہ ہو ان کی محبتیں پیار بھری ڈانٹ اور بے لوث چاہتوں کے بیچ اس کو چھوڑ کر دوسرے گھر جانا آسان تو نہیں ہوتا نا، وہ گھر اور ماں باپ بہت یاد آتے ہیں ان سے دوری اور جدائی کا احساس آپ ہی آپ آنسوؤں کی جھڑی لگا دیتا ہے۔''

''اوکے اوکے پلیز اب اور مت رونا مجھے تمہارے آنسو بے چین کرنے لگتے ہیں دل میں کچھ کچھ ہوتا ہے یار۔'' سیف نے شیروانی سائیڈ پر رکھ کر اس کے پاس بیٹھ کر اس کے چہرے سے بہہ نکلنے والے آنسو اپنے ہاتھوں میں جذب کرتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

''دیٹس لائیک اے گڈ گرل۔'' وہ اس کی ہنسی پر مطمئن ہو کر بولا۔

''اب کبھی میں تمہیں روتا ہوا اور اداس نہ دیکھوں بے بی، پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر تمہارا میکہ ہے تمہارا جب دل چاہے تم اپنے مما پاپا سے ملنے جا سکتی ہو، لیکن میرے دل کی چاہ کا بھی خیال رکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اپنے دل کی خوشی کے لئے میکے کے چکر لگاتی رہو اور میرا دل تمہارے انتظار میں حسرت دیدار میں، خواہش پیار میں یہاں اکیلا دل کو سنبھالتے سمجھانے کی کوشش میں ہارٹ اٹیک کروا بیٹھوں۔''

"اللہ نہ کرے۔" سونیا نے ایکدم سے تڑپ کر کہا اور بے اختیار اپنا ہاتھ سیف کے منہ پر رکھ دیا۔

سیف اس کے اس بے اختیارانہ انداز سے اس کی محبت کا اندازہ لگا کر خوشی سے باغ باغ ہو گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے منہ سے ہٹایا اور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"اللہ نہیں کرے گا ایسا اور مجھے یقین ہے؟" جواب میں سونیا نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے اس کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا، اس کے اس خوبصورت جواب پر سیف اس پر دیوانہ وار اپنی محبتیں نچھاور کرنے لگا۔

☆☆☆

ولیمے کی تقریب بھی بخیر و خوبی انجام پائی اور اس ولیمے کے اگلے روز سیف اور سونیا ہنی مون منانے اسلام آباد، مری، بھوربن وغیرہ کی سیر کو چلے گئے، ایک ہفتے کے اس ہنی مون پیریڈ میں ان دونوں نے خوب انجوائے کیا، ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر ایک دوسرے کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھنے کا موقع ملا انہیں اور ایک دوجے کی سنگت میں دونوں اتنے خوش تھے جیسے انہیں ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو، سیف کی بے انتہا محبتیں سونیا کو مغرور و مسرور بنا رہی تھیں اور سونیا کی معصوم اور حیا آمیز چاہت سیف کے من میں ہر پل چاہتوں کے نئے پھول کھلا رہی تھی، دونوں ایک دوسرے کو پا کر بہت خوش تھے، سیف نے سونیا کو شاپنگ بھی کرائی، دونوں نے اپنی ڈھیر ساری تصویریں بھی کھینچیں، خوشی، محبت اور اطمینان ان دونوں کے چہروں سے عیاں تھا، واپسی کو ان کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر مجبوری تھی سیف آفس سے اتنی چھٹیاں نہیں کر سکتا تھا اور سونیا کو بھی یونیورسٹی جانا تھا سو خوشگوار یادوں کے البم کے ساتھ وہ دونوں لاہور واپس چلے آئے۔

مما پاپا ان دونوں کو ایک ساتھ خوش دیکھ کر اور خاص کر سونیا کے چہرے پر ہنسی مسکراہٹ اور خوشی دیکھ کر روح تک سے سرشار اور مطمئن ہو گئے تھے اور اللہ کے حضور سجدہ شکر بجا لائے تھے کے ان کی لاڈلی بیٹی اپنے شوہر کے ساتھ بہت خوش ہے انہوں نے سونیا اور سیف کے دائمی ساتھ اور خوشیوں کی دل سے دعائیں مانگی تھیں۔

سونیا یونیورسٹی گئی تھی اور سیف اپنے آفس چلا گیا تھا، نعمان ملک نے پولیس سے رابطہ کر کے ریاض بٹ کے خلاف درج کرائی گئی ایف آئی آر کے بارے میں کی گئی پیش رفت سے آگاہی حاصل کی اپنے وکیل سے بات کی، فیکٹری ان کی درخواست پر سیل کر دی گئی تھی تاکہ ریاض بٹ کوئی ضروری ثبوت اور اہم دستاویزات وہاں سے غائب نہ کر سکے، ریاض بٹ کو پولیس گرفتار نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اس نے ضمانت قبل از گرفتاری کروالی تھی وہ بہت چالاک، شاطر اور سازشی آدمی تھا، نعمان ملک کی فیکٹری، ہتھیانے کے ذریعے نعمان ملک کی گاڑی کو بیچ سڑک کے روک کر گن پوائنٹ پر اپنا الزام اور مقدمہ واپس لینے کا حکم دیا تھا اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں نعمان ملک کو جان سے مار دینے کی دھمکی بھی دی تھی اور نعمان ملک نے اپنی ہمت مضبوط رکھتے ہوئے یہ بات اور ساری صورتحال پولیس کو بتا دی تھی اور پولیس نے انہیں تحفظ دینے کی یقین دہانی کرائی تھی۔

سونیا کافی دنوں بعد یونیورسٹی آئی تھی اور وہ بھی اپنی شادی کروا کے تو اس کے کلاس فیلوز، اساتذہ اور دوستوں نے اسے گھیر لیا تھا، سونیا کو شادی کی مبارک باد دی، تبھی اسے اس کی دوست ثمرہ نے بتایا کہ انور کو بالآخر اس یونیورسٹی سے

نکال دیا گیا ہے کیونکہ اس نے یونیورسٹی کی ایک لڑکی مہوش کو بھگا کر اس سے اس کے والدین کی مرضی کے خلاف شادی کی تھی اور مہوش کے گھر والوں خاص کر اس کے باپ اور بھائیوں نے یونیورسٹی آ کر بہت ہنگامہ کیا تھا، پرنسپل آفس میں توڑ پھوڑ بھی کی تھی اور پرنسپل کو برا بھلا بھی کہا تھا ان پر اس معاملے میں ملوث ہونے کا الزام بھی لگایا تھا، لہٰذا یونیورسٹی کے بورڈ نے ایک فوری میٹنگ بلائی اور اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ انور اور مہوش کو یونیورسٹی سے خارج کر دیا جائے اور مہوش کے باپ اور بھائیوں کے خلاف یونیورسٹی میں ہنگامہ آرائی اور پرنسپل سے بدتمیزی کرنے پر قانونی چارہ جوئی کی جائے اور اس فیصلے پر فوری عمل کیا جائے اور پھر ایسا ہی کیا گیا۔

"چلو یہ تو اچھا ہوا یونیورسٹی کی ایک فلرٹ اور برے آدمی سے نجات مل گئی۔" سونیا نے ساری کہانی سن کر کہا تھا۔

اور اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ اب اسے یونیورسٹی میں اس فلرٹ انور کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا ورنہ وہ تو لسوڑے کی لیس بنا رہتا تھا، صد شکر تھا کہ اس سے نجات مل گئی تھی۔

زندگی اپنے معمول پر آ گئی تھی، سونیا اور سیف اپنی زندگی میں بہت خوش تھے، شادی کے بعد رشتے داروں کے ہاں اور دوستوں کے گھر دعوتوں پر بھی مدعو رہے وہ دونوں وقت بہت تیزی سے گزر رہا تھا، شاید اچھے وقت کی یہی نشانی ہے کہ وہ جلد گزر جاتا ہے، سونیا کے ایگزامز ختم ہو گئے تھے اور ادھر نعمان ملک اپنا مقدمہ جیت گئے تھے، ریاض بٹ کے خلاف پولیس کو کافی ثبوت مل گئے تھے اور اس کے دوسرے ساتھی جو نعمان ملک کو ڈرانے، دھمکانے کا کام کر رہے تھے وہ بھی پولیس کی گرفت میں آ گئے تھے اور پولیس کی چھترول پر انہوں نے سب کچھ بک دیا تھا، نعمان ملک کو ان کی فیکٹری واپس مل گئی تھی اور آج سے انہوں نے فیکٹری جانا بھی شروع کر دیا تھا، سونیا اس خبر کو سن کر بہت زیادہ خوش تھی، امتحانات بھی ختم ہو گئے تھے اس کا ارادہ کچھ دن مما پاپا کے گھر جا کر رہنے کا تھا، اس نے سیف سے ذکر کیا تو وہ مسکرا کر سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"نو مائی ڈیئر، رہنے کی اجازت تو آپ کو نہیں ملے گی ہاں آپ ہر روز صبح سے شام تک اپنے میکے میں وقت بتا سکتی ہیں۔"

"مجھ سے شام تک پاپا تو آفس میں ہوتے ہیں۔"

"ہم بھی تو آفس ہوتے ہیں اور آفس سے ہم واپس گھر آ کر آپ کو ہی دیکھنا چاہتے ہیں، آپ جانتی ہیں ناں۔" سیف نے مسکراتے ہوئے اس کے بالوں کو چھیڑا اور وہ مسکرا دی۔

"جانتی ہوں بٹ دیس از ناٹ فیئر میں شادی کے بعد ایک بار بھی میکے رہنے کے لئے نہیں گئی، کل سنڈے ہے ہم آج رات کو چلتے ہیں ناں پاپا کے گھر کل پورا دن وہیں گزاریں گے رات میں واپس آ جائیں گے ایسا تو ہو سکتا ہے ناں؟" سونیا نے سنجیدگی سے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن آج رات کو میرا ایک بزنس ڈنر ہے ان فیکٹ پہلے میٹنگ ہے اس کے بعد ڈنر ہے اس لئے میں آج رات کے لئے اوے لیبل نہیں ہوں گا، ان بزنس ڈنرز میں رات کا ایک بھی بج جاتا ہے۔" سیف نے کھسیانا سا ہو کر اپنی کمٹمنٹ کے بارے میں بتایا تو وہ منہ پھلا کر بولی۔

"اوکے فائن۔"

"سونی! ناراض مت ہو بے بی، چلو تیار ہو جاؤ میں تمہیں چچا جان کے گھر ڈراپ کرتا ہوا

آفس چلا جاؤں گا رات کو مجھے دیر ہو جائے گی اس لئے تم بے شک اکیلی وہاں رک جانا میں کل شام تک تمہیں لینے آ جاؤں گا، اب تو خوش ہو جاؤ یار۔'' سیف نے فوراً مسئلے کا حل پیش کرتے ہوئے کہا۔

''ہی ہی ہی۔'' سونیا نے دانت نکال کر کہا وہ ہنس پڑا۔

''یو ناٹی گرل۔'' سیف نے اس کے سر پہ چپت لگائی۔

''نعمان لاج'' جانے سے پہلے وہ پر کیک اور مٹھائی خریدنے کے لئے چلے آئے، خوشی کا موقع تھا کے پاپا کو ان کی فیکٹری، ان کا بزنس واپس مل گیا تھا تو سیف کو خالی ہاتھ جانا مناسب نہیں لگ رہا تھا اسی لئے بیکری کا رخ کیا تھا۔

''او ہائے سونیا کیسی ہو؟'' سونیا کو کسی نے بڑی بے تکلفی سے مخاطب کیا تھا، سونیا کے ساتھ ساتھ سیف بھی حیران ہو کر آواز کی سمت مڑا تھا، سونیا کی نظروں کے سامنے انور کھڑا تھا، براؤن رنگ کے کرتا شلوار، کھسے میں وہی آوارہ سی چمک اپنی آنکھوں میں لئے اسے دیکھ کر بہت مسرور انداز میں مسکرا رہا تھا، تقریباً دس ماہ بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی، آنکھیں حیرت اور دل بیزاری سے بھر گیا تھا اس لمحے، سیف نے شاکی نظروں سے سونیا کو اور انور کو دیکھا تھا۔

''کیا ہوا؟ پہچانا نہیں مجھے، ارے بھئی میں انور ہوں تم مجھے بھول گئیں؟'' انور نے بے تکلفی سے اپنی شناسائی کا تعارف کرایا تھا، سیف ان دونوں کی الجھن آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''تم بھی کوئی بھولنے والی چیز ہو۔'' سونیا نے ذرا سا مسکرا کر کہا، لہجہ معنی خیز تھا، سیف نے چونک کر سونیا کو دیکھا تھا۔

''اوہ رئیلی۔'' انور ایکدم بہت خوش ہو کر بولا۔

''میٹ مائی ہزبینڈ۔'' سونیا اس کا تعارف سیف سے کراتے ہوئے اور سیف کو بھی اس سے متعارف کراتے ہوئے بولی۔

''سیف! ان سے ملئے یہ ہیں ہماری یونیورسٹی کے موسٹ پاپولر فلرٹ اور سب سے زیادہ فلرٹی اور فلیٹرنگ میں (خوشامد کرنے والا) اور ہر خوبصورت لڑکی سے افیئر چلانے کی کوشش کرنے والے جناب انور صاحب!''

''تم سے بھی۔'' سیف کا اشارہ افیئر چلانے کی طرف تھا، سونیا نے نارمل انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں انہوں نے کوشش تو بہت کی تھی۔''

''تو کیا میری کوشش کامیاب نہیں ہوئی تھی؟'' انور نے جان بوجھ کر اسے پریشان کرنے کے لئے یہ سوال کیا تھا۔

''تمہاری کوشش اگر کامیاب ہوئی ہوتی تو اس وقت میرے ساتھ تم ہوتے، سیف الرحمن ملک نہیں ہوتے۔'' سونیا نے سنجیدگی سے جواب دیا تو وہ ہنس پڑا۔

''ویل سیڈ۔''

''تم سناؤ آج کل کس کے چکر میں ہو بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کے آج کل تم نے کس لڑکی کو چکر دے رکھا ہے؟ مہوش کو چھوڑ دیا یا......؟''

''ارے نہیں یار! وہ تو بڑی واڈی (تگڑی) اثر و رسوخ والی فیملی سے تعلق رکھتی ہے اسے چھوڑ کر جان سے ہاتھ تھوڑی دھونے تھے مجھے اس کے باپ اور بھائیوں نے مجھے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر ہی دیا آخر اور اب تو میری دو ماہ کی ایک بیٹی بھی ہے اب تو بے لگام گھوڑے کو لگام ڈالنی ہی تھی۔'' انور نے بے بسی سے بتایا۔

''بہت مبارک ہو بیٹی کی۔'' سونیا نے

اخلاقاً مبارکباد دی، سیف ان دونوں کے بیچ خود کو مس فٹ محسوس کر رہا تھا، غصے میں بھر رہا تھا مگر جگہ کا لحاظ کرتے ہوئے خاموش تھا۔

''شکریہ۔'' انور نے بے دلی سے مسکرا کر کہا۔

''اب تو تمہیں سدھر جانا چاہیے، بیٹی کے باپ بن گئے ہو اب دوسروں کی بیٹیوں پر نظر رکھنا، فلرٹ کرنا چھوڑ دو۔'' سونیا نے مشورہ دیا، وہ بے زاری سے بولا۔

''ہاں یار کر تو رہا ہوں گھر کی مرغی پر گزارہ۔''

''گھر کی مرغی پر گزارا اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کیا کرو اور یہ ''یار'' کہہ کر مجھے مت مخاطب کرو، بی کاز آئی ایم ناٹ یوئیر یار، یو آر مائی یونیورسٹی فیلو اینڈ دیٹس اٹ۔''

''یہ تم مجھے سمجھا رہی ہو یا اپنے ہزبینڈ کو بتا رہی ہو؟'' انور نے مکاری سے ہنس کر کہا۔

''خیر چلتا ہوں تمہیں بھی شادی مبارک ہو، شادی پر مدعو نہ کرنے کا شکوہ رہے گا تم سے، ویسے تم شادی کے بعد پہلے سے زیادہ حسین ہو گئی ہو، او کے ٹیک کیئر بائے۔'' انور بے تکلفی سے اپنی بات مکمل کر کے بیکری سے باہر نکل گیا۔

''تو یہ مسٹر انور، تمہارا یونیورسٹی فیلو تھا۔'' سیف نے شکی لہجے میں کہا تو سونیا نے چونک کر اس کے چہرے کو، آنکھوں کو دیکھا جہاں شک کے سائے منڈلا رہے تھے اور بے اعتباری کے پنچھی اتر رہے تھے۔

''جی۔'' سونیا بولی۔

''یونیورسٹی فیلو جو آپ سے عمر میں کافی بڑا بھی ہو اس سے اتنی بے تکلفی سے اور تفصیلاً ہیلو ہائے تو نہیں کی جاتی۔'' سیف کا لہجہ اس کے شک کی چغلی کھا رہا تھا، سونیا کو دھچکا لگا تھا۔

''مطلب؟'' سونیا نے بے یقینی سے اس کی شکی آنکھوں میں دیکھا۔

''مطلب، کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔'' سیف نے نہایت سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اوہ سمجھی تو تم مجھ پہ شک کر رہے ہو ہے نا۔'' سونیا نے دکھ سے کہا اور غصے میں اسے ''آپ'' کی بجائے تم کہا تھا۔

''نہیں مگر۔''

''دوران گفتگو جب اگر مگر لیکن جیسے لفظ آنے لگیں ناں تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ معاملہ گڑبڑ ہے، دل میں کہیں شک کی دراڑ پڑ چکی ہے اور بے یقینی و بے اعتباری کی آکاس بیل جڑ پکڑ چکی ہے۔'' سونیا نے سنجیدگی سے کہا۔

سیف نظریں چرا گیا اور آگے بڑھ کر بیکری والے کو بل ادا کر کے کیک اور مٹھائی کے ڈبے اٹھائے اور بیکری سے باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے، سونیا بھی افسردہ دل لئے اس کے پیچھے چلتی ہوئی آئی اور گاڑی میں بیٹھ گئی، سیف نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''سونیا! تم میرے ساتھ خوش تو ہو نا؟'' سیف نے گاڑی چلاتے ہوئے سامنے سڑک پر نظریں جما کر اس سے پوچھا، لہجہ شک سے بھیگا تھا۔

''اب سے پہلے تو تم نے مجھ سے یہ سوال نہیں پوچھا تھا۔''

''اب سے پہلے ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی، خوشی تمہارے چہرے سے چھلکتی تھی آنکھوں سے چمکتی دکھائی دیتی تھی یا شاید میری ہی نظر کا دھوکا تھا۔'' سیف نے بہت سنجیدگی سے جواب دیا، سونیا کا دل پاش پاش ہو گیا اس کی بات سن کر، وہ اس کی باتوں کے مطلب کو سمجھ رہی

تھی۔

”دھوکا...... یا شاید...... اوکے...... اوکے مسٹر...... سیف الرحمٰن! آپ کی باتوں پر مجھے حیرت نہیں ہو رہی کیونکہ شک کرنا تو مرد کے مزاج میں شامل ہے، یہ کامن مین مینٹیلٹی ہے۔“ سونیا خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے بہت سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں بولی۔

”میں کامن مین تو نہیں ہوں سونیا۔“ وہ تڑپ کر بولی سونیا نے دھیرے سے زخمی ہنسی ہنس کر کہا۔

”میں بھی اب تک یہی سمجھتی تھی، شاید ہر لڑکی اپنے محبوب شوہر کو خاص ہی سمجھتی ہے، بہت دکھ کی بات ہے کہ تمہیں میری خوشی اپنی نظر کا دھوکا لگتی ہے اور میری سچائی، جھوٹ لگتی ہے، میری محبت بھی پھر تو فریب ہی محسوس ہوتی ہو گی نا۔“

”سونیا آئی ایم سوری، میرا یہ مطلب نہیں تھا میں تو......“

”تم تو کچھ بھی کہہ سکتے ہو سیف۔“ سونیا اس کی بات کاٹتے ہوئے سپاٹ آواز میں بولی، لہجے میں کربناک چھلک رہی تھی، سیف نے گاڑی ”نعمان لاج“ کے گیٹ کے قریب لا کر روک دی تھی۔

”تمہیں حق ہے تم کچھ بھی کہہ سکتے ہو، کیونکہ مجھ پر احسان جو ہے تمہارا اور احسان بھی کوئی معمولی نہیں ہے تم نے میرے پیرنٹس کے سر کی چھت چھین جانے سے بچائی، ان کا قرض ادا کیا ہے تمہارے ڈیڈی نے، انہیں ان کا بزنس واپس دلانے کے لئے ان کی ہیلپ کی ہے اور سب سے بڑھ کر ان کے برے حالات میں، ان کے کندھوں سے بیٹی کا بوجھ بھی اتارا ہے، کم احسان تو نہیں کیا آپ نے ہم پر تو اس کے بدلے میں آپ مجھے جو چاہیں کہہ سکتے ہیں، جیسا چاہیں سلوک کر سکتے ہیں میرے ساتھ میں اف تک نہیں کہوں گی، لیکن ایک بات بتا دوں آپ کو شک محبت اور مان دونوں کا وجود اور امکان ختم کر دیتا ہے۔“ سونیا اپنی بات مکمل کر کے رکی نہیں تھی تیزی سے گاڑی سے اتر کر گیٹ سے اندر چل دی۔

”سونیا!“ سیف آواز دیتا رہ گیا وہ کیک اور مٹھائی بھی گاڑی میں ہی چھوڑ گئی تھی جو سیف نے جلدی سے گیٹ کیپر کے ہاتھ اندر بھجوائی تھی۔

”او گاڈ! میں نے سونیا کو ہرٹ کر دیا، لیکن وہ آدمی کتنی بے تکلفی سے سونیا سے باتیں کر رہا تھا کچھ تو بات ہو گی، ہاں وہ فلرٹ ہے تو کیا سونیا کے ساتھ بھی فلرٹ کیا ہے اس نے؟“ سیف گاڑی میں بیٹھا سوچ رہا تھا۔

”پاگل ہوئے ہو کیا سونیا پر شک کر رہے ہو، کیا اسے جانتے نہیں ہو تم؟“ دل نے اسے لتاڑا وہ ہونٹ کاٹنے لگا اور گاڑی کا رخ اپنے آفس کی جانب موڑ دیا۔

سونیا کو منانے کا کام آفس سے واپسی پر کرنے کا سوچا تھا جانتا تھا کے اس وقت وہ دونوں ہی ذہنی طور پر اپ سیٹ ہیں لہٰذا اس وقت کچھ بھی کہنے سننے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

سونیا کو دیکھ کر مما پاپا بہت خوش ہوئے تھے، سونیا نے ان پر اپنی افسردگی ظاہر نہیں ہونے دی اور ان سے خوب خوشی خوشی باتیں کیں، رات کا کھانا کھانے کے بعد ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر ان دونوں کے ساتھ کافی پیتے ہوئے گپ شپ کی اور رات کے بارہ بجے وہ اپنے کمرے میں آ گئی۔ جہاں وہ شادی سے پہلے رہا کرتی تھی، اپنی چیزوں کو دیکھتے ہوئے سونیا کا دل بھر آیا اور آج جو کچھ انور کے بیکری میں اچانک مل جانے پر ہوا اس پر سیف کا اس پہ شک کرنا اسے اپنی ہی محبت پر شرمسار کر رہا تھا، اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے اور وہ اپنے بیڈ پر لیٹ گئی اور بچوں کی طرح رونے لگی۔

”میں نے پورے دل اور پوری ایمان داری سے سیف کے ساتھ رشتہ جوڑا تھا، کتنا چاہا ہے انہیں اور وہ ایک ذرا سی بات پر اپنی میری دونوں کی محبت اور چاہت بھول کر مجھ سے الٹے سیدھے سوال کرنے لگے، یہ مرد کبھی بھی عورت پر مکمل طور پر اعتبار نہیں کرتے، ہمیشہ شک کا خانہ الگ سے رکھتے ہیں، بیوی کی ساری محبتیں، خدمتیں سب ایک پل میں بھلا کر اس پر شک اور بے اعتباری کی مہر لگا دیتے ہیں، سیفی سے تو مجھے ایسی توقع نہیں تھی، سیفی تم نے اچھا نہیں کیا مجھ سے اس طرح بات کر کے، کیا سمجھا تم نے میں کوئی ایسی ویسی لڑکی ہوں، بہت برے ہو تم سیفی بہت برے ہو۔“ وہ دل ہی دل میں خود سے باتیں کرتی رہی، روتی رہی اور رات کے کسی پہر اس کی آنکھ لگ گئی۔

رات کے دو بج رہے تھے جب سیفی اپنے بزنس ڈنر سے واپسی پر سونیا کے لئے سرخ تازہ گلابوں کا بکے اور سوری کا ایک کارڈ لے کر ”نعمان لاج“ پہنچا چوکیدار نے اسے پہچان کر گیٹ کھول دیا تھا، وہ اپنی گاڑی کھڑی کر کے اندر سیدھا سونیا کے کمرے میں چلا آیا۔

سونیا آڑھی ترچھی بیڈ پر بے خبر، بے سدھ سو رہی تھی اس کے چہرے پر بچوں کی سی معصومیت اور آنسوؤں نمی اور رمق موجود تھی جسے دیکھ کر سیف کا دل تڑپ اٹھا اور اپنے رویے پر اپنے لفظوں کی بے اعتباری پر وہ اندر تک سے شرمسار ہو گیا اس نے بکے آہستہ سے سونیا کے سرہانے رکھا اور اس کے قریب بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گیا، سونیا کے چہرے پر ریشمی زلفوں کے تار استراحت فرما رہے تھے سیف نے بہت احتیاط اور نرمی سے اس کے چہرے پر سے انہیں ہٹایا نرمی سے اس کے گالوں کو چھوا تو اس کے آنسوؤں کی نمی اپنے ہاتھ کے لمس پر محسوس کر کے بے کل و قرار ہو گیا پھر اس نے اس کے تکیے پر ہاتھ پھیرا تکیہ بھی اس کے آنسوؤں کو اپنے اندر جذب کیے ان کی نمی کا احساس دلا رہا تھا۔

”بہت برا ہوں میں اپنی سونی کو رلا دیا میں نے، پتا نہیں کتنی دیر تک یوں اکیلے میں روتی رہی ہو گی، میں اس پر شک کیا بھی تو کیسے؟ جب وہ اس شخص کا تعارف ایک فلرٹ آدمی کے طور پر کروا رہی تھی اور اعتماد سے کروا رہی تھی تو مجھے کیا ضرورت تھی خواہ مخواہ کا شک کرنے اور بے تکے سوال پوچھنے، احمق ہوں میں بھی، سونیا کی اتنے مہینوں کی محبتوں کو نظر کا دھوکا فریب کہہ دیا میں نے، کتنا دکھ ہوا ہو گا سونی کو۔“ وہ بے چینی سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے دل میں محو گفتگو تھا خود سے اور بے اختیار ہی جھکا اور اس کے گالوں پر اپنے پیار کے پھول کھلا دیئے، سونیا نے کسمسا کر رخ پھیر لیا تھا۔

”سوری سونی، آئی لو یو۔“ سیف نے زیر لب آہستگی سے کہا اور اس پر ایک بھرپور نگاہ ڈال کر کمرے سے ہی نہیں ”نعمان لاج“ سے بھی باہر نکل گیا اپنے گھر ”رحمٰن ولا“ جانے کے لئے صبح سنڈے تھا اور چھٹی کا یہ دن وہ خوب سو کر گزارنے کے موڈ میں تھا۔

صبح کے ساڑھے سات بج رہے تھے جب سونیا کی آنکھ کھلی، اسے گلاب کی خوشبو سانسوں میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی تو گردن گھما کر دیکھا سرہانے سرخ گلابوں کا گلدستہ مہک رہا تھا وہ ایکدم سے پوری طرح بیدار ہو کر اٹھ بیٹھی۔

"یہ پھول یہاں کون رکھ کر گیا ہے؟" سونیا نے خود کلامی کی اور پھولوں کو ناک کے قریب لیجا کر گہرا سانس لیتے ہوئے پھولوں کی خوشبو کو اپنے اندر اتارا تھا، اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے بکے میں رکھے چھوٹے سے کارڈ پر اس کی نظر پڑی تو اس نے جلدی سے کارڈ نکال کر کھولا، اس پر نیلی روشنائی سے لکھا تھا۔

"سونیا آئی ایم سوری، میں بہت برا ہوں پلیز معاف کر دو نا، آئی ایم رئیلی ویری سوری، اینڈ لو یو سو مچ۔" تمہارا معافی کا طالب، تمہارا اور صرف تمہارا سیفی۔

"چلو معاف کیا تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کس لونگ وائف سے معافی مانگی تھی لیکن مسٹر سیفی میں اتنی جلدی مانوں گی تو نہیں کچھ نخرے تو دکھاؤں گی، ناز بھی اٹھواؤں گی اور تم کو ستاؤں گی بھی اب جی بھر کے۔" سونیا نے مسکراتے ہوئے دل میں کہا اور خوشی خوشی اٹھ کر تیار ہونے چلی گئی وہ ایسی ہی تھی ذرا سی بات پر مان جانے والی، چھوٹی سی معذرت پر راضی ہو جانے والی پر خلوص اور محبت کرنے والی لڑکی تھی وہ جبھی اتنی آسانی سے اس نے سیف کو معاف بھی کر دیا تھا۔

وہ تیار ہو کر ڈائننگ ہال میں آ گئی جہاں مما پاپا ناشتے پر اس کے منتظر تھے، ہنسی خوشی انہوں نے ناشتہ شروع کیا، نعمان ملک اخبار کی سرخیاں پڑھ رہے تھے اور افسوس کا اظہار کر رہے تھے۔

"کیا بنے گا اس ملک کا؟ کہیں بم بلاسٹ ہو رہے ہیں تو کہیں ٹارگٹ کلنگ ہے، اندھا دھند فائرنگ، لوٹ مار کا بازار گرم ہے ہر طرف، رات پھر فائرنگ ہوئی ہے ابھی نیوز میں بتا رہے تھے کہ پانچ آدمی جاں بحق ہوئے ہیں اور تین شدید زخمی ہیں، گھر سے نکلنا محال کر دیا ہے اس دہشت گردی نے۔"

"اللہ ہی حافظ ہے اس ملک کا تو۔" سونیا نے کہا۔

"اوہو آپ کیا صبح صبح یہ دل جلانے والی خبریں سنانے لگے سکون سے ناشتہ کریں، ہم سوائے دعا کے کر بھی کیا سکتے ہیں؟ اللہ پاک سب کو اپنی پناہ میں رکھے۔" ذائرہ ملک نے چائے کا سپ لے کر کہا تو دونوں ایک ساتھ بولے۔

"آمین۔" اسی وقت نعمان ملک کا موبائل بج اٹھا، انہوں نے دیکھا اسکرین پر رحمٰن ملک کا نام جھلملا رہا تھا۔

"بھائی صاحب کا فون ہے۔" یہ کہتے ہوئے مسکراتے ہوئے انہوں نے اپنا موبائل آن کر کے کان سے لگایا تھا۔

"السلام علیکم بھائی جان! کیسے مزاج ہیں؟" نعمان ملک نے خوشگوار موڈ میں سلام کرتے ہوئے ان کی خیریت دریافت کی اور جواب میں نجانے رحمٰن ملک نے ایسا کیا کہہ دیا تھا کہ نعمان ملک کے ہونٹوں کی مسکراہٹ یکا یک غائب ہو گئی تھی اور چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے بھائی جان ہم پہنچ رہے ہیں۔" یہ کہہ کر نعمان ملک نے موبائل میز پر رکھ دیا اور سونیا کی طرف دیکھا جو اپنا جوس ختم کر چکی تھی اب فرائی انڈہ اور بریڈ کھا رہی تھی۔

"سونیا بیٹے آپ جلدی سے ناشتہ ختم کر لیں پھر ہمیں کہیں چلنا ہے۔" نعمان ملک نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کہاں چلنا ہے پاپا؟" سونیا نے انہیں دیکھا۔

"رحمٰن بھائی کا فون تھا یقیناً ان کے گھر ہی جانا ہو گا ٹھیک کہہ رہی ہوں میں، ہمیں رحمٰن بھائی نے ہی بلایا ہے ناں۔" ذائرہ ملک نے چائے ختم

کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں ذرا تیار ہو جاؤں آپ بھی چلیے میرے ساتھ کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" نعمان ملک کرسی کھسکا کر اٹھتے ہوئے بولے اور ان کے چہرے کی سنجیدگی کو بھانپتے ہوئے ذائرہ ملک بھی اٹھ کر ان کے پیچھے چل دیں، جتنی دیر وہ دونوں تیار ہو کر آئے سونیا ناشتہ کر چکی تھی وہ تینوں ایک ساتھ گاڑی میں نکلے تھے، سونیا کو سیف سے ملنے اور اسے ستانے کے خیال سے ہی بہت لطف آ رہا تھا مگر جب اس نے گاڑی کا رخ گھر کی بجائے کسی اور راستے کی جانب دیکھا تو الجھن میں پڑ گئی، مما پاپا دونوں بہت سنجیدہ خاموش اور پریشان دکھائی دے رہے تھے، بالآخر وہ گھبرا کر ان سے پوچھ ہی بیٹھی۔

"مما، پاپا ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"ہوسپٹل۔" نعمان ملک نے آہستگی سے جواب دیا۔

"ہوس......پٹل۔" سونیا کو ایکدم سے جیسے شاک لگا تھا، سیف کا چہرہ اس کی نگاہوں میں گھوم گیا وہ پھول، وہ کارڈ، سونیا کا دل انجانے خوف سے دھڑکنے لگا تھا، وہ مزید پاپا سے نہ خود کچھ پوچھ سکی تھی اور نہ ہی پاپا نے اسے کچھ بتایا تھا، مگر وہ اتنا تو سمجھ ہی گئی تھی کے سیف کے ساتھ کچھ برا ہوا ہے، کیا؟ اس کے آگے تک سوچنے سے ہی اس کی سانسیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔

کچھ دیر میں وہ جناح ہوسپٹل میں موجود تھے وہاں پہنچ کر تو جیسے سونیا کی روح ہی فنا ہونے کو تھی، رات کی گئی فائرنگ میں ہلاک ہونے والے دو پولیس کے آدمی تھے اور باقی مقامی شہری تھے اسی فائرنگ کے نتیجے میں سیف کو شدید زخمی حالت میں ہوسپٹل لایا گیا تھا، اسے دو گولیاں لگی تھیں، آپریشن کر کے گولیاں تو اس کے بازو سے نکال دی گئیں تھیں لیکن چونکہ خون کافی ضائع ہو گیا تھا اور اسے بہت دیر سے طبی امداد ملی تھی اس لئے اس کی حالت خطرے میں تھی، گولی لگنے سے اس کا دایاں بازو متاثر ہوا تھا، اسے خون کی اشد ضرورت تھی ایک بوتل اسے دوران آپریشن لگ چکی تھی اسے مزید خون کی ضرورت تھی، او نیگیٹو گروپ درکار تھا سیف کو خطرے سے نکالنے کے لئے۔

سونیا نے یہ سنتے ہی سیف کو خون دینے کا ارادہ ظاہر کیا اور کسی نے بھی اسے منع نہیں کیا تھا کیونکہ وہ سب جانتے تھے کے سونیا اپنے شوہر کی زندگی بچانے کے لئے اپنا خون دینے جا رہی ہے۔

سب سیف کی صحت و سلامتی کی دعائیں مانگ رہے تھے سونیا نے پوری دو بوتلیں خون کی دی تھیں اور اب اس کا خون قطرہ قطرہ زندگی بن کر سیف کی رگوں میں اتر رہا تھا اور سونیا کو اس وقت احساس ہو رہا تھا کہ سیف تو اس کے روم روم میں بسا ہے، اس کے اندر تو بس وہی بستا ہے، وہی رہتا ہے، وہی دھڑکتا ہے سینے میں دل کی جگہ، اس کی یہ تکلیف کیسے اسے سیف کے اور بھی قریب لے آئی تھی اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کے وہ سیف سے اتنی شدید محبت کرتی ہے وہ اس کی جدائی کے تصور سے ہی اس وقت کانپ اٹھی تھی، خوف اور درد کا احساس اسے اندر ہی اندر توڑ رہا تھا، وہ سیف کے بنا ادھوری تھی ادھ موئی تھی یہ وہ کس شدت سے محسوس کر رہی تھی کاش سیف جان سکے اس کی حالت و کیفیت کے بارے میں۔

نعمان ملک، ذائرہ ملک، رحمٰن ملک، شمسہ ملک سبھی بہت پریشان تھے اور نم آنکھوں کے ساتھ سیف کی زندگی کے لئے دعائیں مانگ

رہے تھے، مگر سونیا نے خود کو بہت ہمت و حوصلے کے ساتھ سنبھالا ہوا تھا وہ اپنے آنسو چھپا کر شمسہ ملک کو تسلی اور حوصلہ دیتی ان سب کو بہت بہادر اور مضبوط لڑکی نظر آئی اور اندر کا یہ حال تو وہ جانتی تھی یا اس کا اللہ جانتا تھا، وہ سب کے سامنے آنسو نہیں بہانا چاہتی تھی۔

''میں کیسے رو سکتی ہوں؟ میرا خدانخواستہ کوئی مرا تو نہیں ہے نا، سیفی ابھی زندہ ہے اور انشا اللہ وہ زندہ رہے گا، میرے لئے ابھی امید زندہ ہے، اگر میں بھی ان لوگوں کی طرح رونے لگوں جن کے پیارے مارے گئے ہیں تو پھر...... شکر کا کلمہ بھول جائے گا مجھے، میرا سہاگ سلامت ہے مجھے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، شکر ہے اللہ پاک کا احسان ہے اس پروردگار کا کہ اس نے میرا سہاگ سلامت رکھا ہے، میرے شوہر کو نئی زندگی عطا کی ہے، مجھے رونے کا ماتم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، جن کے گھر اجڑ گئے ہیں، باپ بھائی، بیٹے مر گئے ہیں انہیں دیکھ کر تو مجھے اپنا سر رب کے حضور جھکا دینا چاہیے سجدہ شکر ادا کرنے کے لئے کہ اس رب نے مجھے اس دکھ سے دوچار نہیں کیا، کیسی قیامت بپا ہو گی ان مرنے والوں کے گھروں میں اور میرے پاس تو زندگی ہے ابھی، ابھی امید زندہ ہے ابھی امید زندہ ہے میں نہیں روؤں گی۔'' سونیا اپنے دل میں باتیں کر رہی تھی اپنے آپ سے آنکھوں کے سامنے فائرنگ اور دھماکے میں مرنے والے افراد کے لواحقین نے ماتم بپا کر رکھا تھا، قیامت شاید اسی کو کہتے ہیں کسی بہت اپنے کا یوں اچانک بچھڑ جانا، ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانا، ابدی نیند سو جانا، چیخ و پکار ہاہاکار مچی تھی ہر طرف، زخمیوں کے زخم تڑپا رہے تھے اور مرنے والوں کی موت کا یہ اندازہ رلا رہا تھا، ایک پل میں سینکڑوں گھروں میں صف ماتم بچھانے والے کب تک اس ملک و قوم کی تقدیر کے ساتھ کھیلیں گے، کب تک اس دیس کے گلیوں میں چلتے پھرتے، ہنستے بولتے، جیتے جاگتے انسان موت کے گھاٹ اتارے جاتے رہیں گے؟ کب اس وطن میں مذہب، زبان اور صوبے کی بنیاد پر تعصب پھیلایا جاتا رہے گا؟ آخر کب ہم ایک باشعور اور سچے مسلمان اور اچھے پاکستانی ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے اتفاق اتحاد اور تنظیم پر عمل کریں گے؟ کب وہ دن آئے گا جب ہم اس دیس میں دن رات کے کسی بھی وقت میں بے خوف و خطر گھر سے باہر نکل سکیں گے؟''

ایسے بہت سے سوال سونیا کے دماغ میں اودھم مچا رہے تھے، وہ جانے کتنی دیر ان سوالوں کے نشتر سہتی رہتی کہ ڈاکٹر نے آکر بتایا کہ سیف کی حالت خطرے سے باہر ہے اور وہ لوگ سیف سے مل سکتے ہیں۔

''شکر الحمدللہ۔'' سونیا کے لبوں سے بے اختیار ادا ہوا تھا، سونیا شکرانے کے نفل ادا کرنے کو بے تاب ہو گئی تھی اس رب کا شکر ادا کرنا بھی تو ضروری تھا جس نے اس کے شریک زندگی کو اس کے پیار کو ایک نئی زندگی دے کر خود پر اپنی محبت اور رحمت کا مان مزید بڑھا دیا تھا۔

سیف سب کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم نے بیٹے کو نئی زندگی عطا کی۔'' شمسہ ملک نے دل سے رب کا شکر ادا کیا، سونیا سب سے پیچھے کھڑی تھی اس کی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب ہو رہی تھیں، وہ ایسی حالت میں سیف کو دیکھ نہیں پا رہی تھی سو واپس پلٹ گئی، سیف کی نگاہوں نے اسے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

''تو سونی ناراض ہے مجھ سے اس نے مجھے

معاف نہیں کیا اب تک۔'' سیف کے دل میں اس خیال سے ایک ٹیس سی اٹھی تھی۔

سونیا گھر چلی آئی تھی مما کے ساتھ اور سیف کے لئے سوپ بنوا کر تیار ہو کر دوبارہ ہوسپٹل آئی تو سیف کو ریکوری روم میں منتقل کر دیا تھا۔

سونیا نے سرخ گلاب کے پھولوں کا بکے سیف کے سرہانے لا کر رکھا تو وہ حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''یہ پھول کس لئے ہیں؟''

''بیمار کی تیمار داری کے لئے ہیں۔'' سونیا نے بنا دیکھے جواب دیا۔

''بس۔'' جانے وہ کیا سننا چاہ رہا تھا۔

''ہوں، یہ سوپ پی لو۔'' سونیا نے سوپ پیالے میں ڈال کر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا وہ بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے، نیم دراز تھا دائیں بازو پر پٹی اینڈ پلاسٹر کیا ہوا تھا، چہرہ اس کا مرجھایا ہوا سا لگ رہا تھا ہلکی ہلکی شیو بڑھنے سے اس کا حسن بڑھ گیا تھا، سونیا اس پر نظر نہیں جما پا رہی تھی کہ کہیں دل کی بے چینی و بے تابی آنکھوں کے ذریعے اس پر عیاں نہ ہو جائے۔

''مجھے نہیں پینا سوپ۔'' سیف نے صاف منع کر دیا۔

''تائی امی! مجھ سے تو یہ سوپ پی نہیں رہے آپ خود ہی انہیں پلا دیں۔'' سونیا نے بھی اصرار نہیں کیا تھا، شمسہ ملک جو عصر کی نماز ادا کر کے فارغ ہوئیں تھیں، ان سے کہہ دیا، سیف کا منہ بن گیا۔

''کیوں سیفی؟ سوپ کیوں نہیں پی رہے؟''

''ممی! یہ ناراض ہیں مجھ سے۔'' وہ بولا نظریں سونیا کے چہرے پر مرکوز تھیں، شمسہ ملک مسکراتے ہوئے اس پر کچھ پڑھ کر پھونک کر بولیں۔

''ہاں اتنی ناراض ہے کہ اپنا خون دے کر تمہاری جان بچائی ہے اس نے۔''

''کیا واقعی؟'' سیف نے حیرت سے شمسہ ملک کو دیکھا اور پھر سونیا کے چہرے پر پھیلتے رنگوں کو۔

''ہاں اور وہ بھی پوری دو بوتلیں خون کی دی ہیں اور اب تمہاری تیمار داری کو بھی چلی آئی ہے، ہم سب کو بہت حوصلہ دیا ہے اس نے بہت بہادر بیٹی ہے میری اور تمہاری جانثار بیوی ہے۔'' شمسہ ملک نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''رہنے دیں ناں تائی امی، بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کچھ لوگ ہماری محبت پر شک کرتے ہیں، یقین ہوتا تو رونا ہی کس بات کا تھا۔'' سونیا نروٹھے پن سے کہتے ہوئے پھولوں کو گلدان میں سجانے لگی۔

''خود سے بڑھ کر یقین ہے تم پر۔'' سیف نے محبت اور تشکر سے بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دل سے کہا تو شمسہ ملک مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

''ہاں خود پر بھی ایسا ہی یقین ہو گا نا ڈانواں ڈول سا۔''

''اتنا تو شرمندہ نہ کرو کہ میں خود سے بھی نگاہ نہ ملا سکوں، معاف کر دو نا جان، دل سے نادم ہوں تم سے وہ سب کہنے پر، دکھی ہوں تمہیں دکھ دے کر رلا کر۔'' سیف نے اس کا ہاتھ پکڑ کر شرمندگی کے احساس سے چور لہجے میں کہا تو وہ چونکی۔

''تمہیں کیسے پتا کہ میں روئی تھی؟''

''جب رات کو پھول رکھنے گیا تھا تو تمہارے رخساروں پر چمکتے اشکوں کے موتی۔''

''آئے تھے تو واپس کیوں گئے؟ وہیں رک

جاتے، سو جاتے مگر نہیں جناب کو آدھی رات کو گولیاں جو کھانی تھیں، آئے بڑے اکڑو کہیں کے۔" سونیا اپنے پرانے موڈ میں آتے ہوئے ناراضگی سے ڈانٹنے والے انداز میں تیزی سے بولی۔

"مانتا ہوں میری غلطی تھی مجھے نہیں جانا چاہیے تھا واپس رک جانا چاہیے تھا تمہارے پاس، چلو اب معاف بھی کر دو جانی، اب کیا بچے کی جان لوگی؟" وہ اترائی اور اس کے بال بکھیر دیئے۔

"اچھا کیسے لوگی؟" وہ مسکرا دیا۔

"سمپل، تمہاری زندگی سے چلی جاؤں گی۔"

"کتنی ظالم ہو تم، تم تو سچ مچ میری جان لوگی ایسا کر کے۔" سیف نے روٹھے ہوئے انداز میں دیکھا تھا اسے۔

"ہاں تو میں ایسا کر بھی سکتی ہوں کیونکہ مجھے پورا حق ہے تم پر۔" وہ اسے ستانے کے لئے کہہ رہی تھی وہ بھی یہ جان کر ہلکا پھلکا ہو گیا تھا کہ سونیا اسے معاف کر چکی ہے۔

"ہاں اسی لئے تو تم نے اپنا بلڈ دے کر میری جان بچائی ہے۔"

"میں نے تمہاری نہیں اپنی جان بچائی ہے۔" سونیا کی زبان سے بے ساختہ پھسلی تھی اور فوراً ہی اسے اپنی بات کی گہرائی کا احساس ہوا تھا اور اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

"ہائے ظالم لڑکی! اتنی محبت پر میرا خوشی سے ہی دم نہ نکل جائے۔" سیف نے اس کا ہاتھ اس کے منہ ہٹا کر چوم لیا۔

"شٹ اپ سیفی! کبھی کچھ اچھا بھی بول لیا کرو۔"

"اچھا، تو ابھی اچھا بول لیتا ہوں۔" سیف نے شرخ و شریر لہجے میں کہا۔

"سنو، سونیا آئی لو یو ویری مچ، بہت محبت کرتا ہوں میں تم سے اور میں تو مر کے بھی میری جان تجھے چاہوں گا، میں تمہارے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا، پلیز پلیز مجھے چھوڑ کر بھی مت جانا۔"

"ٹھیک ہے اب تم اتنی منتیں کر رہے ہو تو میں تم پر ترس کھاتے ہوئے تمہاری بات مان لیتی ہوں۔" سونیا نے بہت ادا سے کہا تو ہنس پڑا اس کی اس ادا پر۔

"ترس کھاتے ہوئے؟" سیف نے اس کے سر سے اپنا سر ٹکرایا۔

"ہوں سچ بتاؤ مجھے معاف کر دیا تھا نا تم نے میرے اس حادثے سے خبر سننے سے پہلے میرے پھولوں اور سوری کے کارڈ کو پڑھ کر، کر دیا تھا نا مجھے معاف۔"

"ہاں کر دیا تھا معاف۔" سونیا نے سچ سچ بتا دیا تو سیف نے ایک لمبا پرسکون سانس لے کر آنکھیں موند لیں۔

"شکر الحمدللہ، تھینک یو سونی، ریئلی آئندہ کبھی ایسا نہیں ہوگا۔"

"کیا نہیں ہوگا؟"

"تم پہ شک نہیں کروں گا، تمہیں کبھی ہرٹ نہیں کروں گا اب ہرٹ کیا تھا تمہیں تو یہ اسی کی تو سزا ملی ہے تمہیں۔"

"سیفی! چھوڑو یہ بتاؤ تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں نے پہلے ہی تمہیں معاف کر دیا تھا؟" وہ اس کے بالوں کو سنوارتے ہوئے نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

"یہ جو محبت ہوتی ہے نا، یہ بہت مان دیتی ہے اور مجھے اپنی محبت پر یقین ہی نہیں مان بھی ہے اور وہ سب ذہنی خلل تھا آفس میں کچھ ٹینشن

چل رہی تھی بس اسی کے غصے اور پریشانی میں تمہیں ہرٹ کر دیا آئی ایم سوری اگین، آئندہ کہیں کا غصہ تم پہ نہیں نکالوں گا پرامس، بس مجھے کبھی چھوڑ کر مت جانا۔"

"اور تم بھی مجھے کبھی چھوڑ کر مت جانا، آج تو اللہ جی نے بچا لیا تم کو میرے لئے۔" سونیا اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لئے رو پڑی۔

"سونی!" سیف نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا اس کی آنکھیں بھی اس حادثے کو یاد کر کے چھلک پڑی تھیں۔

"سیفی! باہر بہت برا حال ہے بہت سے لوگ مارے گئے ہیں، یہ سب کیوں ہو رہا ہے سیفی؟ ہمارے ملک میں یہ جنگ کا سا سماں کیوں ہے؟ تمہیں پتا ہے باہر کتنی عورتیں، اپنے شوہروں کی اس ناگہانی موت پر دراصل ایک قتل ہے، اس پر بین کر رہی تھیں، مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا، مگر میں روئی نہیں، کیونکہ مجھے اللہ جی پر یقین تھا، مجھے یقین تھا کہ وہ میرے سیفی کو کچھ نہیں ہونے دیں گے۔" سونیا نے روتے ہوئے کہا سیف اس کے سر کو سہلا رہا تھا ہاتھ پھیر کر اسے حوصلہ دے رہا تھا، اللہ کی رحمت اور سونیا کی اس درجہ محبت پر اس کے بھی آنسو تھم نہیں رہے تھے۔

"یہ محبت ہی تو ہے میری جان، جو اگر دل سے ہو، سچی ہو تو ناممکن کو ممکن بنا سکتی ہے مردے میں جان ڈال سکتی ہے، اللہ نے چاہا تو ایک دن اس ملک کے ہر شہری ہر پاکستانی کے دل میں ہر مسلمان کے دل میں اپنے دیس اور اپنے دین کی سچی محبت ضرور پیدا ہوگی جو اس فرقہ واریت اور دہشت گردی کا خاتمہ کر دے گی، بس اپنے اصل دشمن کو پہچان کر ہمیں اپنی اصل پہچان کو قائم رکھنا ہے اپنے دین اور دیس سے محبت کو مان بخشنا ہے، ہمیں محبت کو اپنانا اور پھیلانا ہوگا پھر دیکھنا کیسے یہ ٹوٹے بکھرے، اجڑے لٹے پٹے، منتشر لوگ ایک ہو کر اس ملک سے منفی عناصر کا قلع قمع کرتے ہیں۔" سیف نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سر اٹھا کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"ایسا ہوگا نا سیفی؟"

"ہاں انشاء اللہ، اب دیکھو تمہاری محبت نے مجھے بچا لیا نا، تمہاری اللہ سے اور مجھ سے محبت نے تمہارا مان رکھ لیا نا، اللہ نے تمہاری محبت کا مان رکھا تمہاری میری زندگی کے لئے مانگی گئی دعائیں قبول کرے، تو کیا ہم سب اپنی محبت سے اپنے ملک و قوم کو نہیں بچا سکتے؟ بچا سکتے ہیں۔" سیف نے مسکراتے ہوئے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں محبت سے ہم سب کچھ بچا سکتے ہی، ملک بھی، مذہب، امن بھی اور اپنوں سے جڑے رشتے بھی کیونکہ محبت طاقت دیتی ہے، محبت مضبوط بناتی ہے اور محبت مان دیتی ہے۔" سونیا نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور مجھے اپنی سونیا کی محبت پر بہت مان ہے۔" سیف نے اس کے رخسار پر محبت سے اپنے ہاتھ کا لمس سمو کر اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تو شرمیلے پن سے مسکراتی ہوئی اٹھی اور سوپ کا پیالہ اٹھا کر اس کے پاس بیٹھ کر اسے سوپ پلانے لگی اور وہ گھونٹ گھونٹ امرت سمجھ کر پینے لگا، آنکھوں میں محبتوں کے چراغ روشن تھے ان دونوں کی آنکھوں میں اک دوجے کی محبتوں کے چراغ۔

☆☆☆

تحسین اختر

کوئی لمحہ بھی کبھی لوٹ کر نہیں آیا
وہ شخص ایسا گیا پھر نظر نہیں آیا
وفا کے دشت میں رستہ نہیں ملا کوئی
سوائے گرد سفر ہم سفر نہیں آیا
پلٹ کے آنے لگے شام کے پرندے بھی
ہمارا صبح کا بھولا مگر نہیں آیا
کسی چراغ نے پوچھی نہیں خبر میری
کوئی بھی پھول مرے نام پہ نہیں آیا
چلو کہ کوچۂ قاتل سے ہم ہو ہی آئیں
کہ نخل دار پہ کب سے ثمر نہیں آیا
خدا کے خوف سے دل جو لرزتے رہتے ہیں
انہیں کبھی بھی زمانے سے ڈر نہیں آیا
یہ کیسی بات کہی شام کے ستارے نے
کہ چین دل کو مرے رات بھر نہیں آیا
ہمیں یقین ہے امجد نہیں ہے وہ وعدہ خلاف
یہ عمر کیسے کٹے گی، اگر نہیں آیا
منزل خواب ہوئی تھی اور راستے عذاب،
وہ جو چند دنوں کا کہہ کر گیا تھا کہ لوٹ آؤں گا،

ناولٹ

دن مہینوں میں بدلے تھے، مہینے سالوں میں اور وہ نہیں آیا تھا، دسمبر کے کہر آلود دن تھے، نہ سورج نکلتا تھا اور نہ زندگی کی حرارت محسوس ہوتی تھی، نہ دلوں میں جان پڑتی تھی اور نہ آنکھیں جاگ پاتی تھیں، کوئی انتظار سا انتظار تھا، اک کسک سی کسک تھی، اک کمی تھی ایک محرومی تھی، کئی ٹوٹے ہوئے خواب تھے اور اک جان لیوا انتظار۔

"امی! اندر آ جائیں، بہت زیادہ سردی ہے۔"

"میری آٹھ سالہ ننھی پری میرا اتنا خیال رکھتی تھی کہ میں بتا نہیں سکتی۔" اس وقت بھی اس نے مجھے بیرونی سیڑھیوں پر بیٹھے دیکھ کر اندر سے آواز لگائی تھی۔

"آ جاتی ہوں تھوڑی دیر تک۔" میں نے

آہستگی سے اسے جواب دیا تھا۔
"آپ اندر نہیں آئیں گی تو پھر میں بھی باہر آجاؤں گی۔" اس نے اپنے ساتھ میری محبت کی کیش کروانا چاہا تھا، اس معاملے میں وہ بالکل اپنے باپ پر گئی تھی، میں اگر اس شخص کو بھولنا بھی چاہوں تو کیسے بھلا پاؤں، پری کی صورت میں وہ میرے آس پاس اپنا آپ چھوڑ گیا ہے، میں اٹھ کر اندر آ گئی، وہ ٹی وی لاؤنج میں کمبل میں گھس کر ٹی وی دیکھنے لگی تھی اور میں اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی، یادیں ہاتھ چھڑا کر ایک بار پھر میرے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں۔

وہ لمحہ بھی کوئی لمحہ تھا، گھڑی کی سوئیاں پھسل رہی تھیں اور میرے تن سے جان نکل رہی تھی، ہاسپٹل میں سب میرے پاس تھے اور میں سرنج رہی تھی، سب مجھے تسلیاں بھی دیتے تھے اور ترحم بھری نگاہوں سے بھی دیکھتے تھے، وہ شخص جانے کہاں تھا موت اور زندگی کی کش مکش سے جس کی اولاد جنم لینے والی تھی، پھر وہ گھڑی جانے کب آئی تھی، کتنی بار زندگی ہاتھوں سے پھسلی تھی کتنی بار ہمت جواب دے گئی تھی، کتنی بار میں نے حوصلہ ہارا تھا جب پری اپنا ریشم سا وجود لئے میری گود میں اس شخص کی محبت کا لمس بن کر آن سمائی تھی، سب اس گڑیا کو پا کر کتنا خوش تھے اور میں اس کے پھول جیسے چہرے پر سر رکھ کر زمین و آسان ایک کر کے روئی تھی۔

☆☆☆

"ہالہ کب تک گھر واپس آجاؤ گی۔" امی جان نے کچن کی کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے مجھے آواز دے کر پوچھا تھا، میں صحن میں رکھے تخت پر سے اپنی چیزیں اٹھا کر باہر بھاگنے کو پر تول رہی تھی۔

"امی جان! شام تو ہو جائے گی۔" میں نے بیرونی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا تھا۔

"پھر بھی جلدی آنے کی کوشش کرنا۔" ان کی آواز میں نے باہر نکلتے نکلتے سنی تھی اور پھر کالج میں آخری دو پیریڈ میں نے چھوڑ دیے تھے اور آپی کے گھر کی راہ لی تھی۔

جس دن مجھے آپی کے گھر جانا ہوتا تھا میرا جوش اور خوشی دیدنی ہوتی تھی، چونکہ آپی کا گھر میرے کالج کے نزدیک تھا اس لئے جب بھی آپی سے گھر کا کوئی کام بھی ہوتا وہ میرے سپرد کر دیا جاتا اور میں خوشی خوشی وہ کام پورا کرتی تھی، اس وقت بھی میں کچھ ہی دیر بعد آپی کے گھر میں موجود تھی۔

"ہالہ یہ لو شربت پیو، گرمی بھی کتنی ہے اور تم پیدل آ رہی ہو۔" میں دو سالہ نیناں کو گود میں بٹھائے پیار کر رہی تھی اور بیگ سے چاکلیٹ نکال کر اسے دے رہی تھی جب آپی نے شربت سے بھرا ٹھنڈا ٹھار گلاس میری طرف بڑھایا تھا، میں نے مسکراتے ہوئے آپی کے ہاتھ سے گلاس لے کر پہلے نیناں کے لبوں سے لگایا تھا اور ایک دو گھونٹ اسے پلانے کے بعد پھر خود پیا تھا، ہم بہن بھائیوں میں ابھی صرف آپی کی شادی ہوئی تھی اور اس حساب سے نیناں ہی ہماری اکلوتی اور لاڈلی بھانجی تھی، اس لئے سب اس پر جان چھڑکتے تھے اور وہ تھی بھی اتنی ہی پیاری کہ جو بھی دیکھتا پیار کیے بغیر نہ رہ سکتا تھا اور ہمارا تو وہ خون تھی ہم سب اس کے لئے بہت اداس ہو جایا کرتے تھے۔

"آپی کیا پکایا ہے، قسم سے بڑی زبردست خوشبو آ رہی ہے۔" میں نے ان کے کچن سے آنے والی خوشبو کو سونگھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"اُف یہ کیسے مہمان ہیں جو بغیر کسی شرم کے کھانے پر ٹوٹ پڑنے کو بے تاب ہیں، حالانکہ یہ میزبان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ خود پوچھے مہمان سے۔" ابرار کو تو ہالہ کی خوشبو بتا دیتی تھی کہ وہ دشمن جان آج گھر اور دل کو رونق بخشنے آئی ہے اور وہ بوتل کے کسی جن کی طرح آ موجود ہوتا تھا، آپی کی بجائے یہ جواب بھی ہالہ کو چڑانے کے لئے اسی نے دیا تھا۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے یہ میری بہن کا گھر ہے کسی غیر کا نہیں اور یہاں میں کوئی مہمان نہیں ہوں۔" ابرار کو دیکھتے ہی ہالہ کی آنکھیں بھی چمکنے لگتی تھیں، محبت کی جو آگ ابرار کے دل میں بھائی کی شادی پر ہالہ کو دیکھتے ہی لگی ہوئی تھی، اس کی تپش اب ہالہ کو بھی جلاتی تھی، وہ بھی اس کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی تھی، یہ بھی سچ تھا کہ وہ آپی اور نیناں کی محبت میں کھنچی آتی تھی مگر ان سب محبتوں پر ابرار کی محبت کا رنگ غالب تھا اس کی کشش ہالہ کو "ہاشمی منزل" کی طرف کسی مقناطیس کی طرح کھینچتی تھی۔

"شاید کچھ عرصے بعد تمہارا شمار یہاں مہمانوں میں نہ ہو مگر ابھی تو تم مہمان بلکہ بلائے جان ہی ہو۔" وہ پھر اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"آپی اس بار تو میں امی جان کے کہنے پر آپ کو کپڑے دینے آ گئی ہوں، انہوں نے اتنے شوق سے آپ کے لئے سلوا کر رکھے ہوئے تھے، لیکن آئندہ میں نہیں آؤں گی۔" اس نے ابرار کو سنایا تھا اور آپی سے کہا تھا۔

"ابرار کیوں میری بہن کو تنگ کرتے ہو۔" نیناں خالہ کی گود میں بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی، شمائلہ نے اس کو ہالہ کی گود سے لے کر بیڈ پر ڈالتے ہوئے ابرار سے کہا تھا۔

"اور تم ایزی ہو کر بیٹھو، میں نے کریلے گوشت بنائے ہیں اور ساتھ کیری کی میٹھی چٹنی،

یاد ہے نا امی جان کی خاص ریسپی جو وہ گرمیوں
میں ہر کھانے کے ساتھ بناتی ہیں اب میں بھی
یہاں بناتی ہوں اور سب کو بہت پسند آتی ہے۔"
"نہیں آپی مجھے بھوک نہیں ہے، کھانا اب
میں گھر جا کر ہی کھاؤں گی۔" اس نے ابرار کو
دیکھ کر منہ پھلا لیا تھا۔
"لو میری جان میں بھلا ایسے جانے دوں
گی اور تم نے تو شام کو جانا ہے، ابھی تو سورج سوا
نیزے پر ہے، میں کھانا لاتی ہوں۔" وہ کمرے
سے باہر نکلیں تو ہالہ نے اپنا دوپٹہ منہ پر تان لیا اور
بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگالی، یہ ابرار کے ساتھ
واضح ناراضگی کا اشارہ تھا۔
"روٹھے ہو تم، تم کو کیسے مناؤں پیا، بولو
نا۔۔۔۔۔ بولو نا۔" ابرار نے اس کے کان کے
پاس آ کر بے سری سی تان اڑائی تھی، دوپٹہ اس
کے منہ پر تھا مگر اب اس کے لب مسکرا رہے تھے،
وہ جانتی تھی اس کی ایک پل کی ناراضگی ابرار کی
جان نکال لیتی ہے۔

☆☆☆

تو کشتیوں میں رہے میں کنارا بنوں
تمہیں جہاں بھی ضرورت ہو میں سہارا بنوں
تو چھت پہ آئے تو شب بھر میں چاند بن جاؤں
سفر پہ نکلے کبھی تو، تو میں ستارا بنوں
میں روشنی کی طرح تیرے رخ پہ لہراؤں
میں تیری آنکھ میں چمکوں کوئی شرارہ بنوں
تو مجھ کو دیکھ کے کھل جائے پھول کلیوں سا
میں تیرے واسطے خوشیوں کا استعارہ بنوں
کہیں بھی تجھے بھٹکنے نہ دوں کسی بھی طرح
میں ہر اندھیرے میں تیرے لئے اشارہ بنوں

صبح سے آسمان پر اودے اودے بادل
تیرتے پھر رہے تھے، جونہی وقت کچھ آگے بڑھا
اچانک موسم نے زوردار انگڑائی لی اور ٹوٹ کر
بارش برسنے لگی، گرمی کا زور ایک دم کیا ٹوٹا کہ ہر
کوئی نئے سرے سے جی اٹھا۔
"امی میں پکوڑے بناتی ہوں۔" ہالہ نے
اپنے کمرے سے آواز لگائی اور کچن میں گھس گئی
تھی، کچن کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور تیز بارش تھمنے
کے بعد رم جھم بوندیں برس رہی تھیں اتنے میں
ہالہ کے موبائل پر میسج ٹون بجی تھی پیاز کاٹتے
ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر شیلف پر رکھا موبائل
اٹھایا تو ابرار کی طرف سے ایک خوبصورت سی
غزل دل کا احوال کہتی گنگنا رہی تھی، اس کا موڈ
موسم نے خوشگوار کیا ہی تھا، ابرار کے خوبصورت
الفاظ میں کہے گئے خوبصورت جذبات کے اظہار
نے بہت زیادہ خوشگوار بنا دیا تھا۔

میں ہر اندھیرے میں تیرے لئے اشارہ بنوں
اشارہ بنوں

وہ گنگنانے لگی تھی جب باہر غیر معمولی سا
شور اٹھا تھا، اس نے کچن سے باہر جھانک کر دیکھا
تو شائلہ آپی اور نیناں کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا
تھا۔
"شائلہ خیر تو ہے، اتنے خراب موسم میں۔"
امی جان نے نیناں کو گود میں لیتے ہوئے کہا تھا یہ
اور بات کہ بیٹی کو دیکھ کر ان سے بھی خوشی سنبھالی
نہیں جا رہی تھی۔
"السلام علیکم امی جان!" اختر بھائی بھی
کپڑے جھاڑتے ہوئے امی جان کے سامنے آ
کھڑے ہوئے تھے۔
"وعلیکم السلام جیتے رہو۔" امی جان نے
ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی تھی۔
"امی جان آپ کی دختر نیک اختر کا موڈ ہو
رہا تھا لانگ ڈرائیو کا، تو ہم موسم کو انجوائے کرتے
ہوئے یہاں تک چلے آئے، ویسے بھی کل سے
اس نے سر کھایا ہوا تھا کہ امی جان کی طرف جانا

ہے۔"
"بھائی جان دختر تو سمجھ میں آتا ہے مگر یہ
نیک اختر کا مطلب کیا ہے۔" ہالہ نے اختر کو
چھیڑتے ہوئے کہا تھا۔
"تم بہت شریر ہو گئی ہو بھئی۔" انہوں نے
ذرا جھینپتے ہوئے ہالہ کو گھورا تھا اور ہالہ نیناں کو اٹھا
کر کچن میں لے آئی تھی، شائلہ اور اختر امی کے
ساتھ اندر کمرے میں چلے گئے تھے۔
"ہم اپنی گڑیا رانی کے لئے پہلے چپس
بنائیں گے اور پھر خالہ جانی اپنے پیارے
پیارے ہاتھوں سے آپ کو چپس کھلائیں گی۔"
ہالہ نے نیناں کو پیار سے کہا تھا نیناں سر ہلا کر ہالہ
کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔
اور پھر وہ خوبصورت سا دن ہالہ کے لئے
ڈھیروں خوشیوں کا پیغام لے کر آیا تھا، اختر بھائی
اور شائلہ آپی نے امی ابو کے سامنے ابرار کا رشتہ
رکھ دیا تھا، ابرار چونکہ گھر کا دیکھا بھالا لڑکا تھا اور
سب سے بڑھ کر یہ کہ اختر کا بھائی تھا اور اختر نے
جس طرح شائلہ کو سکھی رکھا ہوا تھا اور جتنی اچھی
عادات کا وہ مالک تھا، وہ سب ابرار کے لئے بھی
گارنٹی کا کام دے گیا تھا، ابرار بھی اسی کا بھائی تھا
ابرار نے بھی اسی ماں کے بطن سے جنم لیا تھا، ایک
گھر میں ایک ماحول میں ان کی پرورش ہوئی تھی
اور ابرار کا کردار بھی ان سب کے سامنے تھا اس
لئے محض کارروائی یا رسم کے طور پر اس کے ماں
باپ نے سوچنے کا وقت مانگا تھا۔
"ہالہ خوش ہو۔" اس بھیگتی شام کے پرفسوں
لمحات میں ابرار کا فون آیا تھا اور اس نے گمبھیر
آواز میں تمام تر جذبات سے مغلوب ہو کر ہالہ
سے پوچھا تھا۔
"کس لئے؟" جب محبت مان بن جاتی
ہے تو لہجے میں ایسا فخر اتر آیا کرتا ہے وہ انجان
بن کر پوچھنے لگی تھی۔
"اچھا یہاں سب کچھ طے ہو گیا اور محترمہ
ابھی پوچھ رہی ہیں کس لئے یا پھر میرے منہ سے
سب سننا چاہتی ہیں۔"
"جو بھی سمجھ لو۔" وہ اتر آئی تھی، من چاہی
محبت کے جگنو اس کے اطراف میں رقصاں تھے
وہ روشنیوں میں نہائی ہوئی کھڑی تھی۔
"ہم جلد ہی ایک ہو جائیں گے، من و تو کا
فرق مٹ جائے گا، کیا یہ خوشی کی بات نہیں
ہے۔" وہ پوچھنے اور بتانے لگا تھا۔
"ہے کیوں نہیں، بہت زیادہ۔" اس کی
جھرنوں جیسی صاف و شفاف ہنسی ابرار کی
سماعتوں کے رستے دل تک اتر گئی تھی۔

☆☆☆

"ماما آپ کہاں جا رہی ہیں۔" میں نے
بڑی سی چادر اچھی طرح اوڑھ کر اپنا چہرہ بھی
نقاب سے ڈھانپ لیا تھا اب میں باہر جانے کے
لئے بالکل تیار تھی، پری نے میرے قریب آ کر
پوچھا تھا۔
"ایک ضروری کام سے جا رہی ہوں بیٹا،
ابھی آ جاؤں گی، آپ ریحانہ کے پاس بیٹھو وہ
آپ کو اچھے والے کارٹون بھی دکھائے گی اور
مزیدار نوڈلز بنا کر بھی کھلائے گی تب تک میں آ
جاؤں گی۔" میں نے پری کو پچکارا تھا ورنہ وہ
ضرور میرے ساتھ باہر جانے کی ضد کرتی۔
"ماما مجھے آپ کے ہاتھ کے بنے ہوئے
نوڈلز کھانے ہیں آپ زیادہ اچھے بناتی ہیں۔"
"آج ریحانہ مجھ سے بھی اچھے نوڈلز بنائے
گی آپ کے لئے، آپ ٹرائی تو کرو۔" ساتھ ہی
میں نے ریحانہ کو اشارہ کیا تھا، وہ پری کے پاس آ
گئی تھی۔
"آؤ بے بی ہم دونوں کچن میں چلتے

ہیں۔" اس نے پری کو بہلا لیا تھا اور میں نے باہر کی راہ لی تھی۔

آج ملاقات کا دن تھا، ہر ایسے دن پر اس سے ملنے جانا میرے لئے سوہان روح ہوتا تھا، اس کو سات سال ہو گئے تھے گھر سے گئے ہوئے، سات سال کی ہر رات ہر دن اور ہر لحہ میں نے کیسے اس کے بغیر تڑپتے گزارا تھا یہ میں ہی جانتی ہوں یا میرا خدا۔

"چلو بی بی تمہاری ملاقات کا وقت ہو گیا ہے۔" ایک سپاہی نے میرے سر پہ آ کر زور سے مجھے پکارا تھا اور میری سوچوں کا تانا بانا ٹوٹ گیا تھا، میں چادر اپنے وجود کے گرد اور اچھی طرح لپیٹ کر اٹھی تھی، اس سپاہی کی نظریں چادر میں بھی میرے وجود کا ایکسرے کر رہی تھیں، یہاں کا ماحول ہی ایسا تھا، یہاں سپاہیوں اور تھانیداروں کے روپ میں انسان نہیں بھیڑیے بستے تھے، جو بھی ان کے شکنجے میں آ جاتا وہ اسے بھنبھوڑ کر کھا جاتے تھے، یہاں قانون بنتا تھا مگر کوئی قانون چلتا نہ تھا، یہاں مجرموں کو قید کیا جاتا تھا سزائیں دی جاتیں تھیں مگر قانون کے رکھوالوں کے لئے نہ تو کوئی قید تھی اور نہ کوئی سزا، اس لئے وہ جو چاہتے تھے کرتے تھے، میں جب بھی ملاقات کے لئے یہاں آتی تھی گویا پل صراط پر چلتے ہوئے آتی تھی اور ہر ملاقات کے اختتام پر گھر واپس جا کر اپنے رب کا ہزار بار شکر ادا کرتی تھی کہ خیریت سے گھر پہنچ گئی۔

"کیسی ہو؟" میں نے جیل کی سلاخوں میں ہاتھ ڈال کر کھاتا اسے پکڑایا تھا اور اس نے میرا ہاتھ تھام لیا تھا۔

"تمہارے بغیر کیسی ہو سکتی ہوں۔" میں نے شکوہ کناں انداز میں کہہ کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے واپس کھینچ لیا تھا۔

"میری پری کیسی ہے؟ اب کتنی بڑی ہو گئی ہے؟ کیسی باتیں کرتی ہے؟ کیسی دکھتی ہے؟ تمہارے جیسی یا میرے جیسی۔" وہ بے تابی سے اپنی بیٹی کے بارے میں پوچھ رہا تھا اس بیٹی کے بارے میں جس کو اس نے ابھی دیکھا بھی نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے، بہت باتیں کرتی ہے، تمہارا بہت پوچھتی ہے، میں اسے بتاتی ہوں کہ پاپا کو ابھی چھٹی نہیں ملی جیسے ہی چھٹی ملی وہ آ جائیں گے۔"

"تمہارا بہت شکریہ تم نے میری بیٹی کے سامنے میرا بھرم رکھا ہوا ہے۔" اس کی شاید آنکھیں اور لہجہ دونوں نم ہو رہے تھے۔

"تمہارا نہیں اپنا بھرم رکھا ہوا ہے، میاں بیوی ایک دوسرے سے الگ تو نہیں ہوتے، تمہاری کوئی بھی خطا میری خطا ہی ہے، وہ سمجھتی باپ ایسا ہے تو ماں بھی ایسی ہی ہو گی۔" میں نے جتاتے ہوئے کہا تھا، جب سے وہ معافی کا طلب گار ہوا تھا، اپنے کیے پر شرمسار ہوا تھا، تب سے میں نے بھی اس کو کچھ کہنا کچھ جتانا کچھ سنانا چھوڑ دیا تھا، مگر نا چاہتے ہوئے بھی آج میرے لہجے میں کچھ تلخی در آئی تھی۔

"تھکنے لگی ہو؟" وہ پھر سے میرے ہاتھ تھامنا چاہتا تھا، میں نے اپنے دونوں ہاتھ چادر کے نیچے سینے پر باندھ لئے تھے، اس کا لمس آج بھی دل کی ہر دھڑکن کو گرماتا تھا۔

"تھک تو میں کب سے گئی ہوں۔" میں نے آہنی سلاخوں کے ساتھ پیشانی ٹیکتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"تم تو میری واحد امید ہو، تم تھک گئی تو میں کیا کروں گا، تمہارے سہارے پر تو میں زندہ ہوں۔"

"چلو ملاقات کا وقت ختم ہو گیا ہے۔" اپنی پشت پر میں نے ایک کرخت آواز سنی تھی۔

"پری کو میرا بہت سا پیار دینا۔" میں ملاقات ختم ہونے پر واپس جانے کے لئے مڑی تو اس نے بے تابی سے مجھے کہا تھا، میں نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اور تیزی سے واپس پلٹی تھی، باہر کھلے آسمان تلے آ کر میں نے لمبی سی سانس لی تھی اور اندر کی ساری گھٹن باہر نکالنے کی کوشش کی تھی اور یہ ایک ناکام کوشش تھی۔

☆☆☆

موسم بدلا تھا اور زندگی کا چلن بھی بدل گیا تھا، راتیں خواب بننے لگی تھیں اور دن سہانے ہو گئے تھے، موسم سرما کا آغاز تھا اور محبت کے جزیرے پر دو راج ہنس راج کرنے والے تھے، ابرار اور ہالہ کی شادی طے پا گئی تھی، دونوں طرف سے تیاریاں زور و شور سے جاری و ساری تھیں، پھر وہ دن بھی آ گیا جب سرخ زرتار جوڑے میں ہالہ دلہن بنی بیٹھی تھی اور ابرار اس کے پہلو میں پوری تمکنت اور وقار کے ساتھ براجمان تھا، نکاح کے بولوں نے دونوں کے دلوں میں جاری و ساری محبت کے چشمے کے گہرے سمندر میں بدل کر رکھ دیا تھا، ابرار ہالہ کا بن گیا تھا اور ہالہ بنا کسی رکاوٹ کے اس کی ہو گئی تھی، زمین سے آسمان تک دونوں کو رنگ و نور کی بارش برستی محسوس ہو رہی تھی، آسمان پر ان کے مقدر کا فیصلہ لکھا گیا تھا اور زمین پر طے پا گیا تھا، اب کسی کا کوئی خوف کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

جو اس کے چہرے پہ رنگ حیا ٹھہر جائے
تو سانس ، وقت ، سمندر ہوا ٹھہر جائے
وہ مسکرائے تو ہنس ہنس پڑیں کئی موسم
وہ گنگنائے تو باد صبا ٹھہر جائے
سب خرام صبا چال چل پڑے جب بھی
ہزار پھول سر راہ آ کر ٹھہر جائے

وہ دونوں خوشیوں کے ہنڈولے میں جھولتے زندگی کے دنوں کو تیزی سے پھلانگتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، جب اختر بھائی کی کمپنی نے ان کا ٹرانسفر اپنے ہیڈ آفس دوبئی میں کر دیا اختر بھائی چونکہ اپنی جاب سے بہت خوش تھے اور اب تو کمپنی انہیں پروموشن کے ساتھ اور کافی اضافی مراعات کے ساتھ باہر بھیج رہی تھی اس لئے انہوں نے پل بھر میں فیملی کے ساتھ جانے کا ارادہ کر لیا۔

"آپی تم اتنی دور چلی جاؤ گی تمہارے نیناں اور ننھے ارحم (جو ابھی دو ماہ کا تھا) کے بغیر میں کیسے رہوں گی مجھے تو یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑے گا۔" چونکہ اختر بھائی اور ابرار کے والدین وفات پا چکے تھے اور ان کی کوئی بہن نہ تھی اور وہ دونوں بھائی اکٹھے رہتے تھے اس لئے شمائلہ و اختر بھائی اور بچوں کے جانے کا سن کر ہالہ اور ابرار دونوں پریشان ہو گئے تھے۔

"ابرار ہے نا تمہارے ساتھ، ابرار کے ہوتے ہوئے تمہیں تو ہماری یاد بھی نہ آئے گی۔" شمائلہ نے ماحول میں رچی بسی اداسی کم کرنے کے لئے ہلکے پھلکے انداز میں اسے چھیڑا تھا۔

"ابرار اپنی جگہ پہ، مگر آپ لوگ بھی کم یاد تو نہیں آئیں گے۔" اس نے گود میں ارحم کو لٹا رکھا تھا اور نیناں کو اپنے گھٹنے کے ساتھ بٹھا رکھا تھا۔

"گڑیا فون و اسکائپ اب تو کوئی دوری، دوری نہیں ہے، پھر تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔" اختر بھائی نے اسے تسلی دی تھی اور پھر وہ امی کے ہاں الوداعی دعوت کھا کے اور سب کو اداس چھوڑ کے دوبئی چلے گئے تھے۔

"مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئی، نیناں اور ارحم کی آوازیں میری سماعتوں میں گونجتی

رہیں۔" وہ ساری رات کروٹیں بدلتی رہی تھی اور پھر صبح منہ اندھیرے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"فکر کیوں کرتی ہو، ہمارے بچے بھی جلدی آجائیں گے اس گھر کی اداسی کو ختم کرنے کے لئے۔" ابرار نے کمبل میں سے منہ نکال کر اس کی بات کا جواب دیا تھا اور ہالہ نے شرم سے سرخ ہوتے ہوئے کمبل اٹھا کر دوبارہ ابرار کے منہ پہ ڈال دیا تھا، ابرار کا قہقہہ کمبل میں ہی گھٹ کر رہ گیا تھا، وہ اٹھ کر باہر آ گئی تھی، سارا گھر سائیں سائیں کر رہا تھا، اس وقت ارحم دودھ پینے کے لئے اٹھ جایا کرتا تھا اور شائلہ آپی نے اس وقت فیڈر وغیرہ دھونے کے لئے کچن میں کھٹ پٹ لگائی ہوتی تھی اور اکثر ہی دودھ لیٹ ہونے پر ارحم زور و شور سے رونے لگ جاتا تھا، جس نے ہالہ کی نیند بھی خراب ہوتی تھی، آج نہ شائلہ آپی کی کھٹ پھٹ تھی اور نہ ارحم کا رونا اور اس وقت وہ شدت سے یہ آوازیں سننا چاہتی تھی۔

"یار تم رو رہی ہو۔" وہ صحن میں رکھے تخت پر بیٹھی تھی جب ابرار اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"نہیں رونے کی کوشش کر رہی ہو۔" اس نے ہتھیلی کی پشت سے نم آنکھوں میں آ جانے والے آنسوؤں کو اندر ہی اتارا تھا اور طنز سے اسے کہا تھا۔

"ابھی اور اسی وقت یہ کوشش ترک کر دو، کیونکہ میں اپنا نرم و گرم بستر صاف تمہاری خاطر چھوڑ کر آیا ہوں، چلو اٹھو اندر چلو، سردی لگ جائے گی۔" وہ ہالہ کو بازو سے پکڑ کر اندر لے آیا تھا، ہالہ کے لئے اب نیند کا آنا بے کار تھا اس لئے اس نے نماز کی تیاری شروع کر دی تھی جبکہ ابرار ایک بار پھر کمبل میں گھس گیا تھا۔

شائلہ آپی کے جانے کے بعد زندگی کی روٹین بڑی مشکل سے سیٹ ہوئی تھی ان کے ہوتے ہوئے ہالہ کو کسی چیز کی کوئی فکر نہ تھا، گھر کو کیسے چلانا اور کیسے مین ٹین رکھنا ہے، محلے داری کیسے نبھانی ہے رشتہ داروں سے کیسے ملنا ہے، دوستیاں کیسے کرنی ہیں، یہ سب شائلہ آپی کے درد سر تھا، ان کے جانے کے بعد سارا بوجھ ہالہ پر آن گرا تھا، اب اس گھر کی روح رواں اور سب کچھ وہی تھی، جو بھی ملنے آتا اسی کو ملنا پڑتا، محلے داریوں کے تقاضے، رشتے داریوں کی نزاکتیں اور دوستیاں اسے ہی دیکھنی پڑ رہی تھیں، پہلے پہل تو وہ گھبرا جاتی تھی، گھر داری کا بوجھ اس سے سنبھلتا ہی نہ تھا مگر پھر آہستہ آہستہ سب کچھ اس کے ہاتھوں میں آتا گیا اور وہ ہر کام میں طاق ہو گئی، یہ اور بات کہ اب بھی فون پر شائلہ آپی سے لمبی گپ شپ ہوتی تھی کہ فلاں ہمسائی یہ کہہ گئی ہے فلاں نے یہ کہہ دیا ہے، فلاں چیز صحیح پک نہیں رہی ہے، فلاں کی ریسپی بتا دیں اور شائلہ دوبئی میں ہوتے ہوئے اسے فون پر سب بتاتی جاتی تھی۔

☆☆☆

"بھئی میں تو تمہیں ایسا ویسا سمجھتا تھا، مگر تم نے تو بڑی سمجھ داری سے سب سنبھال لیا ہے۔"

آج اس نے گھر میں ابرار کے والدین کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کروائی تھی اور کتنے ہی لوگوں کو انوائیٹ کیا تھا، قرآن خوانی کے بعد کھانا تھا جو اس نے خود پکایا تھا اور پھر اتنے لوگوں کو سنبھالنا، کھانا کھلانا دوبارہ سے سارے گھر کو سیٹ کرنا، ابرار صبح سے اسے یہ سب کرتے دیکھ رہا تھا، شام میں جب وہ تھکن سے چور بیڈ پر لیٹی تو ابرار اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

"ایسا ویسا سے کیا مطلب ہے۔" وہ اتنی تھکاوٹ کے باوجود بھی ابرار پر چڑھ دوڑی تھی

اور ابرار دل کھول کر ہنسنے لگا تھا، وہ اپنی بیوی کا مزاج سمجھتا تھا، غلط بات اس سے کبھی برداشت نہیں ہوتی تھی اور وہ فوراً ری ایکٹ کر جاتی تھی۔

"نکما، پھوہڑ، ست اور......اور......" ابرار ایکٹنگ کر کے اسے چڑانے لگا تھا اور اس نے پاس لیٹے ہوئے ابرار پر گھونسوں کی بارش کر دی تھی۔

☆☆☆

"ہالہ کیا تمہیں نہیں لگتا کہ ہم زمانے کی ترقی کی رفتار کے ساتھ نہیں چل رہے، ہم اس دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" ہالہ کو ابرار کی اس بات کی سمجھ نہیں آئی تھی اس لئے وہ اپنا کام روک کر اس سے پوچھنے لگی تھی۔

"مطلب یہ کہ میری تنخواہ کم ہے، بے شک بہت سوں سے ہم اچھے ہیں، مگر ڈیئر بس کھانا، کپڑا اور مکان ہی زندگی کی تو ضرورت نہیں ہے، زندگی گزارنے کے لئے زیادہ پیسہ چاہیے ہوتا ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے، آج ہم دو ہیں کل کو ہماری فیملی بڑھے گی تو ہم اپنے بچوں کو زندگی کی بنیادی ضروریات تو دے دیں گے مگر زندگی کی آسائشات انہیں کہاں سے دیں گے، اب دیکھ لو اختر بھائی جب سے دوبئی گئے ہیں ان کے وارے نیارے ہو گئے ہیں، وہ خود بھی عیش کر رہے ہیں اور اپنے بیوی بچوں کو بھی عیش کروا رہے ہیں۔" ہالہ کو اندازہ تو تھا کہ جب سے اختر بھائی باہر گئے ہیں تب سے ابرار کو اپنی اچھی بھلی جاب بری لگنے لگی ہے اور اس اندازے کو زبان آج ملی تھی۔

"پتہ نہیں تم کیسی باتیں سوچ رہے ہو، اللہ کا شکر ہے، ہم اچھی زندگی گزار رہے ہیں، ہمارے پاس اپنا گھر ہے، ضروریات کے لئے روپیہ پیسہ بھی ہے، ہمیں کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑتا، اچھا کھا اور اچھا پہن رہے ہیں۔" ہالہ چونکہ اپنی زندگی سے مطمئن تھی اس لئے اسے ابرار کی باتیں اچھی نہیں لگتی تھیں۔

"ہونہہ اچھا کھانا اور اچھا پہننا ہی تو زندگی نہیں ہے۔" اس نے پاس پڑی مالٹوں کی ٹوکری اپنی جانب کھسکائی تھی اور منہ بناتے ہوئے مالٹے چھیلنے لگا تھا۔

"ہم خدا کے دیئے پر اس کا شکر ادا نہیں کریں گے تو وہ ہماری کمائی میں کیا برکت ڈالے گا۔" وہ سوچ کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

بھائی کی شادی تھی اور تقریباً چھ ماہ بعد شائلہ آپی اپنی فیملی سمیت آ رہی تھیں، خوش قسمتی سے اختر بھائی کا بھی اپنی کمپنی کے کراچی ریجنل آفس میں ایک کام نکل آیا تھا اور وہ بھی سالے صاحب کی شادی میں شرکت کرنے آ رہے تھے۔

"میں نیناں اور ارحم سے چھ ماہ بعد ملوں گی، اف میں کتنی ایکسائیٹڈ ہوں میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔" ہالہ بھی شادی کی تیاری بھرپور طریقے سے کر رہی تھی مگر شائلہ آپی کے آنے کا سن کر تو خوشی سے اس کے پاؤں ہی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔

"ہر دوسرے دن تو تم نیناں اور ارحم سے باتیں بھی کر لیتی ہو اور اسکائپ پر انہیں دیکھ بھی لیتی ہو۔" ابرار نے اس کی خوشی دیکھتے ہوئے اسے کہا تھا۔

"وہ دیکھنا اور باتیں کرنا اور بات ہے مگر انہیں گود میں بھر کر پیار کرنا اور ان کا لمس محسوس کرنا اس کا تو نعم البدل کوئی نہیں ہے، کیا تم خوش نہیں ہو۔" اس نے الٹا ابرار سے سوال کیا تھا۔

"میں کیوں خوش نہیں ہوں، میں بھی بہت

خوش ہوں۔"

اور پھر سب نے دیکھا کہ اختر اور اس کی فیملی کے دن قدرت نے کیسے پھیرے ہیں، شائلہ آپی اور بچے اختر بھائی سمیت پہچانے نہیں جا رہے تھے، خوشحالی نے ان سب کو پہلے سے زیادہ صحت مند کر دیا تھا، ان سب کے خوش باش چہروں کو دیکھ کر اپنے ان کے واری صدقے جا رہے تھے اور رشک کرنے والے رشک کر رہے تھے۔

"سچ آپی تم تو پہلے سے موٹی ہو گئی ہو اور فریش بھی۔" ارحم کو خوب پیار کرنے کے بعد اس نے گود سے اتار دیا تھا اور اب نیناں کو اٹھائے پھر رہی تھی، جو اتنی موٹی ہو گئی تھی اور بڑی بھی، ہالہ کے دھان پان سے وجود نے بمشکل اس کا بوجھ اٹھایا ہوا تھا۔

"کیا اچھی نہیں لگ رہی ہوں۔" سنجیدہ سی شائلہ آپی تو اب قدم قدم پر قہقہے بکھیرنے پر تیار تھیں اس وقت بھی ایک چھوٹا سا قہقہہ لگا کر اس سے پوچھنے لگی تھیں۔

"ماشاء اللہ سے بہت اچھی لگ رہی ہیں، خدا آپ کو نظر بد سے بچائے۔" اس نے صدق دل سے کہا تھا اور دل ہی دل میں بہن کی نظر اتاری تھی۔

"مگر تمہیں کیا ہوا ہے، پہلے سے کمزور لگ رہی ہو، کیا ابرار تمہیں کھانے پینے کو کچھ نہیں دیتا۔"

کچھ دنوں سے اسے ہلکا ہلکا بخار ہو گیا تھا، اس لئے وہ کچھ سست سی پڑ گئی تھی شاید اس کا اثر تھا کہ وہ شائلہ آپی کو کمزور لگی تھی۔

"نہیں آپی ایسی بات نہیں ہے، وہ تو کچھ بخار وغیرہ رہا ہے شاید اسی کا اثر ہے۔" اس نے آپی کی تسلی کروائی تھی۔

"خیر سے کوئی خوشخبری ہے کیا۔" چونکہ شادی والا گھر تھا اور کافی سارے رشتہ دار آ چکے تھے اور اس وقت بھی ان کے پاس دو تین رشتہ دار خواتین بیٹھی ہوئی تھیں، ایک نے تجسس سے پوچھا تھا، باقی بھی فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"ہمارے ہاں یہ ہوتا ہے کہ شادی کو ایک مہینہ گزرا نہیں اور کیا سسرال والے کیا لوگ خوشخبری کا پوچھنے لگ جاتے ہیں۔"

"ابھی نہیں۔" اس نے شرما کر نفی میں سر ہلایا تھا۔

"اللہ تعالیٰ دے گا، ابھی شادی کو کچھ ہی مہینے تو ہوئے ہیں، بلکہ اچھا ہے نا یہی تو دن ہوتے ہیں گھومنے پھرنے اور پہننے اوڑھنے کے، پھر بچوں میں پڑ کر اپنی زندگی تو ختم ہو جاتی ہے۔" شائلہ آپی نے سیانوں کی طرح کہا تھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" باقی عورتوں نے اوپر سے دل سے ہی سہی شائلہ کی تائید کی تھی۔

بھائی کی شادی خیریت سے ہو گئی تھی، چاند سی بھابھی بھی گھر میں آ چکی تھی، شائلہ نے بھائی کی شادی پر دل کھول کر خرچ کیا تھا اور پھر وہ بھائی اور بھابھی کے ساتھ ابرار اور ہالہ کو بھی اپنے پاس دوبئی آنے کی دعوت دے کر اور رشتہ داروں کی انواع و اقسام کی دعوتیں کھا کر واپس چلی گئی تھیں۔

"دیکھا تم نے اپنے اور اختر بھائی کے لائف سٹائل کا فرق، کیسے پیسے نے سب میں ان کو نمایاں کر رکھا تھا سب لوگ بھی انہی کے آگے پیچھے پھر رہے تھے اور ایسا صرف پیسے کی وجہ سے تھا، ورنہ وہی اختر بھائی تھے جب ابو نے وفات پائی تھی اور سارا بوجھ اختر بھائی کے ناتواں کندھوں پر آن گرا تھا اور ہمارے حالات کافی

مشکل دور سے گزر رہے تھے تب انہی رشتہ داروں نے منہ موڑ لیا تھا اور اب کیسے اختر بھائی کو پروٹوکول دے رہے تھے۔"

"ہاں تو دنیا ایسے ہی کرتی ہے، اس میں اتنا سوچنے والی بات کون سی ہے۔" وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی چہرے پر نائٹ کریم کا مساج کرتے ہوئے بولی تھی۔

"تم عورتوں کو کیا پتہ اور کیا ٹینشن، بس تمہیں تو گھر کے اندر چادر دیواری تک ہی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہمیں ساری دنیا کا سامنا کرنا پڑتا ہے ہر قسم کے حالات میں۔"

"ابرار کیا بات ہے تم تو بہت قناعت پسند تھے، مگر اب میں دیکھ رہی ہوں دنیا کی طمع اور حرص تمہارے اندر بڑھتی ہی جا رہی ہے، ایسا کیوں سوچنے لگے ہو، ہم اچھے خاصے ہیں، اچھا خاصا رہن سہن ہے ہمارا۔" وہ اپنا کام چھوڑ کر اس کی طرف مڑتے ہوئے تشویش سے بولی تھی۔

"اگر تم اپنی جاب سے مطمئن نہیں ہو تو تم اختر بھائی سے بات کرو، وہ دوبئی میں تمہارے لئے کوئی کام ڈھونڈ دیں، پھر ہم بھی وہاں سیٹل ہو جائیں گے اور تمہاری خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔" ابرار کے چہرے پر تفکرات کا جال بچھا تھا ہالہ کچھ سوچتے ہوئے اس سے کہنے لگی تھی، اس کے خیال میں ابرار آج کل جس خود ساختہ ٹینشن میں پھنسا ہوا تھا اختر بھائی اسے با آسانی نکال سکتے ہیں۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں نے ان سے بات نہیں کی۔"

"پھر کیا کہا انہوں نے؟"

"کہا کیا ہے وہی ٹال مٹول کر گئے، اصل میں آج کل کے دور میں کوئی نہیں چاہتا کہ اگر وہ اچھا کما رہا ہے تو کوئی دوسرا اس کی برابری کرے بے شک سگا بھائی یا کوئی اور رشتہ ہی کیوں نہ ہو، انہوں نے مجھے صاف انکار تو نہیں کیا لیکن مجھے پتہ ہے وہ اس سلسلے میں میری مدد بھی نہیں کریں گے۔"

"ابرار، اختر بھائی کے لئے دل میں کوئی بدگمانی مت پالو، یہ وہی ہیں جنہوں نے تمہیں باپ بن کر پالا ہے اور آج انہی کی وجہ سے تم اس مقام پر ہو، تم الٹا ان کے احسان مند ہونے کے ان پر شک کر رہے ہو۔"

"میں شک نہیں کر رہا ہوں میں تو صرف تمہیں ایک بات بتا رہا ہوں۔"

"او کے آئندہ اختر بھائی کے بارے میں ایسا کچھ مت کہیے گا مجھے اچھا نہیں لگا ہے۔" ہالہ بات سمیٹتے ہوئے بیڈ پر آ گئی تھی۔

☆☆☆

ابرار کے ڈیوٹی پہ جانے کے بعد وہ برتن دھو رہی تھی جب اسے زور کا چکر آیا تھا اور اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا، وہ کچن کی شیلف کو مضبوطی سے پکڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"بی بی جی کیا ہوا؟" ریحانہ اس کی ملازمہ جو پاس ہی کھڑی کچن کا فرش دھونے کی تیاری کر رہی تھی، اسے ڈولتے اور پھر کچن کی شیلف پکڑتے دیکھ کر تیزی سے اس کے پاس آئی تھی۔

"پتہ نہیں ریحانہ بس آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ہے اور چکر آ رہے ہیں، تم ایسا کرو مجھے بستر پر لٹا آؤ۔"

"جی اچھا۔" ریحانہ اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے لئے ہوئے اس کے کمرے میں آ گئی تھی۔

"دیکھنا فریج میں سیون اپ پڑی ہے۔" اس نے ایک دم سے کمزوری محسوس کرتے ہوئے

کہا تھا، اس کا بی پی اکثر لو ہو جاتا تھا ابھی بھی اسے یہی لگ رہا تھا کہ اس کا بی پی لو ہو گیا ہے۔

ریحانہ گلاس میں ٹھنڈی سیون اپ ڈال لائی تھی، اس نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر فٹافٹ سیون اپ پی لی تھی، مگر سیون اپ پیتے ہی اس کا دل متلانے لگا تھا۔

''یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔'' اسے قے آئی نہیں تھی مگر لگ رہا تھا سارا کھایا پیا باہر نکل جائے گا۔

''بی بی جی اگر آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے تو ابرار صاحب کو فون کر دوں۔'' ریحانہ اس کا پیلا پڑتا چہرہ دیکھ کر بولی تھی۔

''ہاں کر دو۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور تکیہ اونچا کر کے لیٹ گئی تھی، ابرار ریحانہ کا فون سنتے ہی چھٹی لے کر اڑتا ہوا گھر پہنچا تھا اور اسے فوراً ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا، پہلے تو ہالہ کبھی ایسے بیمار نہیں ہوئی تھی اس لئے اس کا بھی فکر مند ہونا لازمی تھا۔

''مبارک ہو آپ باپ بننے والے ہیں۔'' ڈاکٹر نے ہالہ کا تفصیلی چیک اپ کرنے کے بعد اسے خوشخبری سنائی تھی۔

''کیا ڈاکٹر صاحب۔'' اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ ڈاکٹر نے کیا کہا ہے، ہالہ کا چہرہ بھی شرم سے سرخ پڑ گیا تھا خوشی اس کے بھی پورے وجود سے چھلکنے لگی تھی، ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے انہیں کچھ دوائیاں اور ڈھیر ساری ہدایات دے کر گھر بھیج دیا تھا۔

''چلو پہلے بازار چلتے ہیں۔'' گاڑی گھر کے رستے پر ڈالنے سے پہلے ابرار نے اسے کہا تھا۔

''وہ کیوں؟''

''بھئی اپنے بچے کے لئے شاپنگ کریں گے، آئس کریم کھائیں گے، پھر اپنے بچے کی ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔'' وہ دیوانگی سے بولا تھا۔

''بچے کے لئے شاپنگ ابھی سے۔'' وہ ابرار کی باتوں پر کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''اس میں ہنسنے والی کون سی بات ہے، میں اپنے بچے کے لئے دنیا کی ہر چیز خریدوں گا۔''

''اچھا خرید لیجئے گا میں نے کون سا منع کیا ہے مگر اس وقت میری طبیعت صحیح نہیں میں گھر جا کر آرام کرنا چاہتی ہوں، بازار بعد میں جائیں گے۔''

''او کے مادام، ہمیں اپنے بچے سے زیادہ اس کی ماں کی صحت عزیز ہے اس لئے شاپنگ والا معاملہ کینسل کرتے ہیں اور گھر چلتے ہیں۔'' وہ بڑی ترنگ میں گاڑی چلانے لگا تھا۔

''گاڑی دیکھ کر چلاؤ نا، تم تو بن پئے ہی بہک رہے ہو۔'' وہ گنگناتے ہوئے گاڑی یوں چلا رہا تھا جیسے ہوا میں چلا رہا ہو، دھیان کہیں اور تھا اس لئے گاڑی کبھی ادھر جا رہی تھی کبھی ادھر، ابھی تو شکر تھا کہ اس سڑک پر رش نہ ہونے کے برابر تھا۔

''یار خبر ہی ایسی سنی ہے بہکنے والی، بلکہ خوابوں سے مہکنے والی، چہکنے والی اور......اور۔''

''بس بس تم نے تو پوری شاعری شروع کر دی ہے۔'' وہ ابرار کے بے ربط باتوں پر ہنستے ہوئے بولی تھی، ابرار اسے ہنستے ہوئے دیکھنے لگا تھا اسے آج ہالہ کا چہرہ دنیا کا خوبصورت ترین چہرہ لگ رہا تھا۔

''ابرار میں دنیا کی پہلی عورت نہیں ہوں جو ماں بننے جا رہی ہوں، تم نے تو مجھے اپاہج بنا دیا ہے، یوں نہ چلو یوں نہ کھڑے ہو یوں نہ بیٹھو، یہ نہ کھاؤ یہ مت پیئو۔'' وہ ماں بننے جا رہی تھی اور وہ

اس کا اتنا خیال رکھ رہا تھا کہ ہالہ اس کے ایب نارمل رویے پر بعض اوقات جھنجھلا جاتی تھی، اس کی اتنی محبت ہالہ کو ایب نارمل ہی لگتی تھی، یا ان دنوں وہ خود ایسی ہو رہی تھی۔

''پہلی عورت بے شک نہیں ہو مگر میرے تو پہلے پہلے بچے کی ماں بننے جا رہی ہو اور تمہیں اب تک اتنا تو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں اپنے بچے کے لئے کس قدر دیوانہ ہوں، اس حساب سے تمہارا خیال نہ رکھوں تو گویا اپنے بچے کا خیال نہ رکھوں۔'' وہ اس کی بات کا جواب دے کر بولا تھا۔

اور کبھی کبھی ہالہ اس کی اتنی محبت پر پھول کی طرح کھل اٹھتی تھی، دل ہی دل میں خود پر نازاں رہتی تھی کہ وہ اب کوئی عام عورت نہیں رہی بلکہ خاص بن گئی ہے۔

☆☆☆

''ممی کبھی کبھی میں حد سے زیادہ بور ہو جاتی ہوں۔''

بارشوں کا موسم تھا، ایک دو دن کے وقفے سے ٹپ ٹپ آسمان سے ننھے ننھے موتی ٹپکنے لگتے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر سو جل تھل ہو جاتا تھا، ایسے میں سب لوگ گھروں میں محصور ہو کر رہ جاتے تھے، پری اور وہ بھی آج صبح سے گھر میں مقید تھیں جب پری نے اس کے پاس آ کر کہا تھا۔

''کیوں میری جان، آپ کیوں بور ہو جاتی ہیں، ممی ہیں نا آپ کے پاس، آپ کا دل بہلانے کو۔'' اس نے سامنے کھڑی پری کو گود میں بٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

''ممی موسم اتنا خوشگوار ہے اور ہم گھر میں بند ہیں اگر پاپا ہمارے پاس ہوتے تو ہم پاپا کے ساتھ خوب انجوائے کرتے، لانگ ڈرائیو پہ جاتے، آئس کریم کھاتے اور خوب ہلا گلا کرتے، جیسا کہ باقی بچے اپنے اپنے پاپا کے ساتھ کرتے ہیں۔''

''جانو آپ کے پاپا بھی جلد ہی آ جائیں گے، پھر آپ بھی دوسرے بچوں کے ساتھ اپنے پاپا کے ساتھ خوب انجوائے کرنا، خوب ہلا گلا کرنا۔'' وہ اسے ہر بار کی طرح بہلاتے ہوئے بولی تھی اور پری اب جوں جوں بڑی ہو رہی تھی اس کو بہلانا اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگنے لگا تھا۔

''مگر ممی ابھی تو میں بور ہو رہی ہوں نا اب میں کیا کروں۔'' وہ منہ بسور کر کہنے لگی تھی۔

''ابھی آپ ایسا کرو کوئی اچھی سی گیم کھیل لو۔'' وہ اپنے دماغ پر زور دے کر بولی تھی۔

''اوہوں گیمز نہیں کھیلنا مجھے۔''

''تو پھر ایسا کرو اپنے روم میں بیٹھ کر اپنی ڈول کا گھر بناؤ، پھر اس کی شادی کرتے ہیں۔''

''اوہ ممی میں اب بڑی ہو گئی ہوں مجھے اب ہر وقت ڈولز کے ساتھ کھیلنا اچھا نہیں لگتا۔''

''اچھا تو پری بڑی ہو گئی ہے۔'' پری کے انداز پر وہ افسردہ ہوتے ہوئے بھی ہنس پڑی تھی۔

''تو چلو پھر ایسا کرتے ہیں پاستا بناتے ہیں۔'' چونکہ پری اپنے باپ کی طرح کھانے پینے کی خاصی شوقین تھی اس لئے اس نے اسے کھانے کا لالچ دیا تھا۔

''نہیں ابھی بھوک نہیں ہے۔'' بعض اوقات پری بھی اپنی بات پر اس طرح اٹ جاتی تھی کہ اسے زچ کر دیتی تھی۔

''چلو آؤ پھر زینی کی طرف چلتے ہیں، میں اس کی ممی سے گپ شپ لگاؤں گی اور تم زینی کے ساتھ جس طرح چاہے انجوائے کرنا۔''

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' زینی کے ذکر پر پری کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں، قریب ہی اس کی دوست زینی رہتی تھی جس کے ساتھ اس کی بہت بنتی تھی اور جس کے پاس جانے کے لئے پری ہر وقت اور ہر موڈ میں تیار رہتی تھی، ابھی بھی وہ بہل گئی تھی اور اس نے شکر کا سانس لیا تھا۔

زندگی بہت آسان ہوتی ہے، بہت سیدھی اور بہت صاف ستھری، مگر ہم اپنے رویوں اپنے کاموں اور اپنی کارکردگی سے اسے بہت پیچیدہ اور مشکل بنا دیتے ہیں اس قدر کہ بعض اوقات ہم خود بھی اس کی بھول بھلیوں میں کھو کر رہ جاتے ہیں۔

☆☆☆

''ابرار میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گی۔''

ابرار کو اچانک کوئٹہ جانا پڑ گیا تھا کسی ضروری کام کے سلسلے میں چونکہ ہالہ کو شروع سے ہی سیاحت کا بہت شوق تھا، اس لئے وہ اس کی پیکنگ بھی کرتی جاتی تھی اور ساتھ ساتھ اس سے اصرار بھی کر رہی تھی کہ وہ اسے بھی اپنے ساتھ لے جائے۔

''ہالہ دیکھو ایک تو میں وہاں گھومنے پھرنے کی نیت سے نہیں جا رہا ہوں، دوسرا تمہاری حالت کیا اس قابل ہے کہ تم سفر کر سکو اور سفر بھی پہاڑی علاقے کا، کیوں ہاتھ دھو کر اپنے بچے کے پیچھے اور اپنی جان کے پیچھے پڑ گئی ہو۔'' وہ جھنجھلا گیا تھا، ویسے بھی وہ پریشان نظر آ رہا تھا، پھر بھی ہالہ اس کی پریشانی کو نظر انداز کئے اس سے اپنی ہی کہے جا رہی تھی۔

''دوبارہ جانے آپ کا وہاں جانا ہوتا ہے یا نہیں، ایک موقع مل رہا ہے آپ کے ساتھ جانے کا تو لے جائیں نا مجھے، میں سفر کر لوں گی کچھ نہیں ہوتا، پھر ان دنوں میری طبیعت ویسے بھی بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔''

''دوبارہ کیوں نہیں جا سکتے وہاں، میں ضرور تمہیں وہاں لے کر جاؤں گا، یہ میرا تم سے وعدہ رہا۔'' وہ جلدی جلدی اس کے ہاتھ سے بریف کیس لے کر بولا تھا۔

''آپ ابھی جا رہے ہیں کھانا تو کھاتے جائیں آج آپ کی پسند کی چکن کڑاہی بنائی ہے۔''

''کھانا راستے میں کھا لیں گے کچھ دوست بھی ساتھ ہیں، بس تم اپنا خیال رکھنا، بہت سا خیال، میں فون پر تم سے ہر وقت رابطے میں رہوں گا۔'' وہ سامان اٹھا کر کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

''یہ تو بتاتے جائیں واپس کب تک آ جائیں گے، آپ کو پتہ ہے نا میری حالت کا، جلدی آنے کی کوشش کرنا، میں بہت اداس ہو جاؤں گی۔'' وہ پیچھے پیچھے یاددہانی کروا رہی تھی۔

''جلدی آ جاؤں گا، بس تم دعا کرنا۔'' وہ اس کی پیشانی چوم کر رخصت ہو گیا تھا، ہالہ کو گھر ایک دم خالی خالی لگنے لگا تھا، ابھی کچھ دیر میں ریحانہ صفائی کے لئے آنے والی تھی، اس لئے اس نے سارا کام ریحانہ کے لئے چھوڑا تھا اور خود کمرے میں آ کر لیٹ گئی تھی۔

''باجی باہر پولیس آئی ہے۔'' ریحانہ آ کر کام کرنے لگ گئی تھی اس کی طبیعت سست سی ہو رہی تھی وہ لیٹی تو نیند آ گئی تھی، وہ گہری نیند میں تھی جب ریحانہ نے گھبرائے ہوئے انداز میں آ کر اسے اٹھایا تھا۔

''کیا پولیس؟'' پہلے تو اسے سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ ریحانہ کیا کہہ رہی ہے، پھر اس کے دوبارہ بتانے پہ کہ باہر پولیس آئی ہے وہ جلدی سے چادر اوڑھ کر دروازے تک چلی آئی تھی۔

''مسٹر ابرار کہاں ہیں۔'' ایک پولیس والا

آگے تھا اور دو اس کے پیچھے کھڑے تھے اور پیچھے ان کی گاڑی بھی نظر آ رہی تھی، اس نے ذرا سا دروازہ کھولا تو پولیس والے نے پوچھا تھا۔

''وہ کسی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہیں، مگر آپ ان کا کیوں پوچھ رہے ہیں۔'' اس کے دل میں انجانی سی کھد بھد ہونے لگی تھی۔

''بی بی آپ کو نہیں پتہ کہ آپ کے شوہر نے اپنی کمپنی کے ساتھ کس فراڈ کیا ہے، وہ اپنی کمپنی کا سارا پیسہ لے کر بھاگ گیا ہے۔''

''ہاں ہیلو! اوہ اچھا اچھا، ویری گڈ۔'' وہی پولیس والا ہالہ سے بات کرتے کرتے اپنے موبائل پر آنے والی کال بھی سننے لگا تھا۔

''آپ کے شوہر کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔'' وہ پولیس والا اسے بتا کر اور اس کے قدموں سے زمین نکال کر چلا گیا تھا، وہ گرتی پڑتی اندر آئی تھی، یہ کیسی خبر تھی ابرار ایسا کیوں کرے گا، وہ تو ایسا نہیں ہے، وہ گھومتے سر کے ساتھ بس یہی سوچے جا رہی تھی۔

''باجی یہ پانی پی لیں، اس میں گلوکوز ملایا ہے۔'' اس کی رنگت خطرناک حد تک زرد ہو رہی تھی، ریحانہ فوراً اس کے لئے پانی لے آئی تھی۔

''نہیں رہنا میں کچھ نہیں پیوں گی تم پیچھے کرو اسے۔'' اس نے ریحانہ کا گلاس والا ہاتھ پرے ہٹا دیا تھا۔

وہ جو اس خبر کو غلط سمجھ رہی تھی وہ کتنی نادان تھی، یہ خبر قطعاً غلط نہیں تھی، ابرار پر فراڈ اور غبن کا مقدمہ چلا تھا اس کا جرم ثابت ہو گیا تھا اور اسے سات سال کی سزا سنا دی گئی تھی، جن لوگوں کے ساتھ اس نے فراڈ کیا تھا، وہ بہت اثر و رسوخ والے تھے انہوں نے اپنی ساری پاور استعمال کرتے ہوئے اسے لمبی سزا دلوائی تھی، ہالہ کی تو دنیا ہی اندھیر ہو گئی تھی، ابرار ایسا نہیں تھا مگر اپنی زندگی کو پرتعیش بنانے کی خاطر اس نے شارٹ کٹ استعمال کیا تھا اور بدقسمتی سے پکڑا گیا تھا، بدنامی الگ ہوئی تھی اور رشتوں کا اعتبار الگ گیا تھا۔

''میں نے تو سوچا تھا دونوں بھائیوں نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا ہے، ایک ہی بطن سے جنم لیا ہے ایک ماحول میں پرورش پائی ہے، اختر کو دیکھ کر میں نے اپنی نازوں پلی بیٹی کا رشتہ اس سے کر دیا مگر مجھے کیا خبر تھی کہ اختر اور یہ بالکل الگ مزاج کے مالک ہیں، ہم سے کس قدر بھول ہوئی یہ رشتہ کر کے۔'' اس کے ماں باپ تک یہ خبر پہنچی تو سب اس کی دل جوئی کو اڑ کر اس کے پاس پہنچے تھے ابا جان تو اب یہ رشتہ کر کے پچھتا رہے تھے۔

''ابرار بھی اختر بھائی جیسا ہی تھا مگر ایک نے محنت اور لگن کا راستہ اپنایا اور اپنی منزل تک جا پہنچا اور دوسرے نے محنت سے جی چرا کر سب کچھ زندگی سے چھین لینا چاہا مگر زندگی نے ہی اس کا سکون اور خوشیاں چھین لیں اور یہی دونوں بھائیوں کا فرق ہے۔'' ہالہ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہ سکی تھی، اسے لگ رہا تھا ابرار رسوا نہیں ہوا وہ بھی سرعام سربازار رسوا ہو گئی ہے، جب ان کا دکھ سکھ ایک تھا، خوشیاں سانجھی تھیں غم ایک تھے تو پھر نیک نامی اور رسوائی کو بھی ایک ہی ہونا تھا۔

شمائلہ آپی اور اختر بھائی باہر بیٹھے بے حد پریشان تھے، وہ فون پر فون کر رہے تھے، اختر بھائی نے اسے چھڑوانے کے لئے اپنی ساری طاقت لگا دی تھی مگر مد مقابل ان سے طاقت ور لوگ تھے انہوں نے کسی کی ایک نہ چلنے دی تھی۔

''چلو تم ہمارے ساتھ، اس گھر کو بند کر دو، اب یہاں تمہارے لئے کیا رہ گیا ہے۔'' امی جان نے اسے گلے لگا کر کہا تھا۔

”نہیں امی جان، یہ میری زندگی ہے، نیک نامی یا بدنامی مجھے اب اس کے ساتھ ہی جینا ہے، آپ مجھے کوئی بھی اور قدم اٹھانے پر مجبور نہ کریں، ابرار نے جو بھی کیا بے شک بہت غلط کیا مگر میں اس کو نہیں چھوڑ سکتی۔“

”ہالہ جذباتی مت بنو، جوش سے نہیں ہوش سے کام لو، تم اکیلی کیسے رہو گی، بس ہمارے ساتھ چلو اس کے بھائی اور بھابھی کا بھی یہی اصرار تھا۔“

”نہیں میں نہیں جا سکتی، مجھے اسی گھر میں جینا اور مرنا ہے۔“ اس نے اٹل انداز میں کہا تھا سب اس سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے، ان کے خیال میں ابرار سے شادی کر کے ایک غلط فیصلہ انہوں نے کیا تھا اور اب اس کو قائم کر کے ہالہ دوسرا غلط فیصلہ کر رہی ہے، بس اس کی امی جان اس کے پاس رہ گئی تھیں، وہ اسے اس حال میں چھوڑ کر کیسے جا سکتی تھیں۔

”آپ بھی چلی جاتیں۔“ سب کے جانے پر اس نے ماں سے کہا تھا۔

”ماں ہوں تمہیں اکیلے چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں۔“ انہوں نے ایک ہی فقرے میں بات سمیٹ دی تھی۔

پھر وہ وقت بھی آیا تھا جب اس نے دل میں ابرار سے ناراض رہتے ہوئے بے حد کرب آمیز لمحے گزار کر زندگی اور موت سے لڑ کر پری کو جنم دیا تھا اور پھر وہ وقت بھی جلد ہی آ گیا جب ابرار اپنے کیے پر بے حد شرمسار تھا اور اس نے اپنے ایک دوست کے توسط سے اس سے ملنے کی درخواست کی تھی اور جب وہ بڑی سی چادر اوڑھ کر پہلی دفعہ اس سے ملاقات کرنے گئی تھی تو وہ اسے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا، وہ اپنے کیے پر اتنا شرمسار تھا کہ زندگی کا خاتمہ چاہتا تھا اور یہاں پر وہ محبت جاگی تھی جو ہالہ کو اس سے تھی اور جو کبھی ختم نہیں ہونے والی تھی اور اس محبت کا تقاضا تھا کہ ہالہ دل کا میل صاف کر کے اس کو معاف کر دیتی۔

اس نے جو بھی کیا تھا وہ جیسا بھی تھا، آنکھوں کے سامنے تو تھا، اگر زندگی سے گزر جاتا تو ہالہ کس طرح زندہ رہ پاتی، سو ہالہ کو اپنی زندگی جینے کے لئے ابرار کا زندہ رہنا چاہیے تھا، اس نے اسے معاف کر دیا تھا، وہ اس کی امید کو زندہ رکھنا چاہتی تھی۔

روز ایک داستان نئی اور تم
وحشتوں کے وہ دوستی اور تم
اب ہے صدیوں سے ہم سفر میری
یہ خیالوں کی چاندنی اور تم
شام باقی ہے چند لمحوں کی
بس ذرا سی ہے زندگی اور تم
منزلوں کے قریب اوراک میں
راستوں سے وہ آگہی اور تم
کھو گئے ریگزار دنیا میں
وقت رفتہ وہ ان کہی اور تم
ہاں وہی پل تو حاصل جاں ہیں
تجھ سے پہلی سی دل لگی اور تم

☆☆☆

شوہر جیل میں ہو بیوی جوان ہو اور چھوٹی بچی کا ساتھ ہو تو رسوائی اور بدنامی کے ساتھ ساتھ جینا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہو جاتا ہے، وہ آزادانہ باہر آ جا نہیں سکتی تھی، لوگ اس کو دیکھ کر چہ مہ گوئیاں کرنے لگے تھے، من چلے پیچھے آوازیں کستے تھے اور چند ایک تو گھر تک پیچھے چلے آتے تھے، ایک دن تو حد ہی ہو گئی، وہ ضروری سودا سلف لینے گھر سے نکلی تو ایک لڑکا پیچھے گھر تک آ گیا اور پھر اس نے اپنے گھر کے

صحن میں چھوٹے چھوٹے پتھر گرتے دیکھے تھے، اسے لگا تھا اسے ان پتھروں سے سنگسار کیا جا رہا ہے، ماں کے پاس آ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی، جتنی بھی ہمت کا مظاہرہ کر لیتی تھی تو وہ ایک کمزور عورت ہی، اس کا صبر اور ضبط بھی جواب دیتا جا رہا تھا۔

”مت رو مشکل وقت ہے، آزمائش ٹل جائے گی۔“ جب اس نے زندگی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا تو اس کی ماں کو بھی اس کا ساتھ دینا ہی تھا۔

”مگر کب یہ آزمائش ٹلے گی۔“ وہ آبدیدہ تھی اور لہجہ پست۔

”بہت جلد، آزمائش آئی ہے اسے صبر اور ضبط سے برداشت کیا جائے تو جلدی چلی بھی جاتی ہے۔“

”ماں اگر میں تھک گئی تو میری بچی کا کیا ہو گا۔“

”تم نہیں تھکو گی، ہمت کرو، عورتیں ہمت باندھ لیں تو بہت کچھ کر لیا کرتی ہیں۔“ ماں نے اسے حوصلہ دیا تھا اور اس نے پھر سے زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال لی تھیں۔

اس نے سب سے پہلے اسی محلے اس علاقے کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا تھا، اس کا بھائی آیا تھا اور اس نے بھاگ دوڑ کر کے یہاں سے نسبتاً ایک دور مگر صاف ستھرے علاقے میں اسے گھر لے دیا تھا اور اپنے ایک جاننے والے کے توسط سے اسے ایک قریبی اسکول میں ملازمت بھی دلوا دی تھی، آخر زندگی گزارنے کو کچھ اسباب بھی تو چاہیے تھا۔

زندگی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کچھ رواں دواں ہو گئی تھی، یہاں چونکہ کوئی اسے جانتا نہ تھا اس لئے گئی ہوئی عزت ایک بار پھر بحال ہو گئی تھی، اس پر کوئی آوازے نہ کستا تھا، ذومعنی باتیں نہ کرتا تھا، لوگ اس کے پیچھے گھر تک نہ آتے تھے بلکہ اس نے سب کو بتا رکھا تھا کہ اس کا شوہر بیرون ملک ملازمت کرتا ہے، آہستہ آہستہ لوگ ٹیچر کی حیثیت سے اسے اہم مقام اور عزت دینے لگے تھے، وہ پری کو اسکول ساتھ ہی لے جاتی تھی اس لئے اس کی فکر بھی ختم ہو گئی تھی، امی اب کچھ عرصہ اس کے پاس رہتی تھیں اور کچھ دن اپنی بہو کے پاس بھی گزار آتی تھیں، اس عرصے میں دو بار شائلہ آپی اور اختر بھائی نے چکر لگایا تھا اور دونوں بار اس کو ساتھ لے جانا چاہا تھا مگر اسے اب اسی گھر میں رہ کر ابرار کا انتظار کرنا تھا۔

اور انتظار بھی وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جایا کرتا ہے، غم کی لمبی اور سیاہ رات کٹ گئی تھی اور پھر وہ دن بھی آ گیا تھا جب ابرار کو قید سے رہائی ملنا تھی، اس دن وہ بہت خوش تھی مگر آنکھ سے آنسو جانے کیوں بار بار بہے جا رہے تھے۔

پہلی اور آخری قسط

حمیرا خان

''پری آپ کے لئے ایک سرپرائز ہے۔''
اس نے پری کو تیار کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ممی وہ کیا؟ جلدی بتائیں نا۔'' وہ جوش سے بولی تھی۔

''بس ہے نا، اگر ابھی بتا دوں گی تو آپ کے لئے بھی سرپرائز کیا رہ جائے گا۔'' اس نے پری کو اچھی طرح تیار کر کے امی کے ہاں بھیج دیا تھا، ابرار جس حلیے میں گھر آتا وہ پری کو شاک دینے کے لئے کافی تھا اس لئے ہالہ نہیں چاہتی تھی کہ پری کے دل و دماغ میں اپنے باپ کا جو امیج بنا ہوا ہے اس کو ٹھیس پہنچے۔

''ممی آپ بھی آئیں نا۔'' بھائی پری کو لینے آ گیا تھا، پری نے جاتے وقت خاصی ضد کی تھی۔

''پری آپ جائیں بس۔'' اس نے سختی سے کہا تھا اور پری ماں کا موڈ دیکھ کر ماموں کے ساتھ چلی گئی تھی، اس نے نہا دھو کر خود بھی اچھا لباس پہنا تھا ہلکا ہلکا میک اپ کیا تھا اور اس کی پسند کا کھانا بنا کر اس کا انتظار کرنے لگی تھی، ابرار کا جو دوست اسے لینے گیا تھا وہ اس کے نئے گھر کا پتہ جانتا تھا اس لئے ہالہ کو یہ ٹینشن نہیں تھی کہ وہ گھر تک کیسے پہنچے گا۔

بیل بجی تھی اور ہالہ کی دھڑکنیں تھم سی گئی تھیں، صبح کا بھولا شام کو گھر واپس نہیں آیا تھا بلکہ اک مدت پشیمانی اور ندامت میں گھر کر واپس آیا تھا اس لئے شرمندگی بھی تھی اور گھر آنے کی خوشی بھی، ابرار کا دوست اسے گھر چھوڑ کر کھڑے کھڑے ہی واپس چلا گیا تھا۔

''ہم جیسے سیدھے سادے لوگوں کو شارٹ کٹ راس نہیں آتے، سیدھا راستہ ہی راس آتا ہے بے شک لمبا ہی کیوں نہ ہو۔'' وہ اس کے شانے سے لگی سسک رہی تھی۔

''ابرار تم نے ایسا کیوں کیا، سالوں کی بنی بنائی عزت تھی جو پل بھر میں چلی گئی تھی، تم نے ایسا کیوں کیا، میں نہ کہتی تھی قناعت سے زندگی گزارو گزر جاتی ہے، تم کہتے تھے قناعت کیا چیز ہے بس مجھے پیسہ چاہیے پیسہ، قناعت ہو یا محنت، یہ چیزیں ایک دن اپنا آپ منوا لیا کرتی ہیں۔'' وہ بولنے پہ آئی تو بولتی ہی چلی گئی۔

دسمبر کا مہینہ تھا مگر دل کی بھڑاس ساون بھادوں کی طرح نکل رہی تھی، جانے باہر کے سارے موسم اس کے اندر ہی کیوں ٹھہر گئے تھے، ایک دسمبر باہر تھا اور ایک اس کے اندر، باہر کے موسم کو بدل جانا تھا شاید اندر سدا دسمبر کو ہی ٹھہرے رہنا تھا، جذبات احساسات سب منجمد تھے، سب سرد تھے، سب پر برف باری کا موسم تھا، مگر باہر ایک اور رشتہ بھی ایسا تھا پری کا رشتہ، بیٹی کا رشتہ جس کی خاطر شاید ہالہ کے اندر کا دسمبر بھی بدل ہی جاتا، مگر کب؟ یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

''میں بہت شرمندہ ہوں، مزید شرمندہ مت کرو۔'' وہ اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے ہوئے بولا تھا، اس نے اپنے آنسو اندر ہی اتار لئے تھے۔

''پری کہاں ہے؟'' وہ بے تابی سے بولا تھا، اس کی پیاسی نظریں ادھر ادھر بھٹکنے لگی تھیں۔

''پری جانتی ہے کہ اس کے پاپا بیرون ملک رہتے ہیں، تمہیں اس حلیے میں دیکھتی تو کیا سوچتی اس لئے میں نے اسے امی کی طرف بھیج دیا تم نہا دھو لو، پھر میں اسے بلواتی ہوں۔'' وہ متانت سے بولی تھی، ابرار تشکر بھری نگاہوں سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا، اچھی عورت اچھی بیوی بھی کتنی بڑی نعمت ہوتی ہے یہ اس نے اس مشکل مقام پہ جانا تھا۔

☆☆☆

www.paksociety.com

"دیکھو مجھے یہاں سے جانے دو ورنہ؟"

"ورنہ کیا؟ کیا کر لو گی تم؟" صائمہ کے کہنے پر عالم نے خباثت سے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"میں...... میں شور مچا کر سب کو جمع کر لوں گی اور تمہارا یہ گھناؤنا کردار سب کے سامنے لے آؤں گی۔"

"ہاہاہا جان من تم خوبصورت ہو مگر عقل مند بالکل نہیں ہو، ایسی صورت میں الزام تم پر آئے گا مجھ پر نہیں کیونکہ تم میرے گھر ہو میں تمہارے گھر نہیں۔"

"مگر میں تمہاری بہن سے ملنے آئی ہوں۔"

"کون یقین کرے گا؟" اس کی بات سن کر صائمہ دل ہی دل میں سچ مچ گھبرا گی، اس سے پہلے کہ عالم اس کے قریب پہنچتا اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی، وہ کہانی میں پوری طرح ڈوبی ہوئی تھی تبھی کسی کا آنے کا احساس نہیں ہوا پتا تو تب چلا جب نجمہ نے اس کے ہاتھ سے ڈائجسٹ جھپٹ لیا، نجمہ کو سامنے دیکھ کر وہ گڑبڑا گئی۔

"چٹاخ۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی نجمہ کا دایاں ہاتھ گھوما اور اس کے بائیں گال پر نشان بنا گیا وہ تکلیف اور بے عزتی کے احساس سے آنکھوں میں آ جانے والے آنسو بہنے سے روکنے کی کوشش کرتی ہکا بکا اپنی ماں کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"امی!" وہ صدمے میں بس اتنا ہی کہہ پائی۔

"کتنی بار منع کیا ہے میں نے تمہیں کہ یہ ڈائجسٹ مت پڑھا کرو کیوں نہیں مانتی ہو میری بات۔" وہ اب بھی غصے کی انتہا پر گھورتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"میری کلاس کی سب لڑکیاں پڑھتی ہیں اگر میں نے پڑھ لیا تو کون سی قیامت آ گئی۔" ماں کے رویے پر اس کے اندر کی ضدی لڑکی بھی عود کر آئی۔

"بکواس بند کرواپنی، باقی لڑکیاں کیا کرتی ہیں میں نہیں جانتی لیکن تم وہی کرو گی جو میں کہوں گی اب میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ یہ نہ ہو کہ میری بدزبانی پر میرا ہاتھ تم پر اٹھ جائے۔" نجمہ کے چلانے پر وہ تاسف سے ماں کو دیکھتی وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

احتجاجاً ایمن کمرے میں بند ہو گئی اور اب شام رات میں ڈھلنے لگی تھی خوب سارا رونے کے بعد اب آنکھوں نے بھی مزید آنسو بہانے سے انکار کر دیا تھا وہ جانتی تھی نجمہ کبھی نہیں آئیں گی ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا تھا نجمہ نے کبھی اس کے لاڈ اٹھائے تھے نا ہی کبھی اس کے رونے پر یا روٹھ جانے پر اسے منانے کی کوشش کی تھی وہ تھک کر خود ہی ناراضگی چھوڑ کر نارمل ہو جاتی۔

"میں آج باہر نہیں جاؤں گی۔" اس نے ضدی انداز میں سوچا اور پھر سے بستر پر لیٹ گئی، بھوک بہت لگ رہی تھی دن میں بھی تو اس نے امی کے آنے سے پہلے کہانی مکمل کرنے کا سوچ کر کھانا بعد میں کھانے کا ارادہ کیا تھا مگر امی کی اچانک آمد نے سب گڑبڑ کر دیا اور وہ کھانا کھائے بنا کمرے میں بند ہو گئی۔

"کیا کروں؟" وہ خود سے پوچھنے لگی، آخر بھوک سے تنگ آ کر وہ دبے قدموں کمرے سے نکلی اور کچن کی طرف بڑھی لیکن کچن کے دروازے پر لگا تالا اس کا منہ چڑھا رہا تھا، غصے اور بے بسی کے احساس نے اس کی آنکھوں کو نم کر دیا، وہ واپس اپنے کمرے میں آئی اور بستر پر گر کر

بے آواز رونے لگی، نجمہ کا سخت رویہ کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن آج اس کا غصہ ہمیشہ سے کہیں زیادہ تھا اسی لئے اس نے کچن کو تالا لگا کر ایک طرح سے ایمن کو بھوکا رکھ کر سزا دی تھی۔

"کیا ماں ایسی ہوتی ہے؟" اچانک ایمن کے دل میں ماں کے لئے نفرت کی ایک شدید لہر اٹھی وہ بستر سے اٹھ بیٹھی اس وقت اس کے ہر ہر انداز سے بغاوت جھلک رہی تھی اور آنکھوں میں کچھ کر جانے کا عزم دکھائی دینے لگا۔

☆☆☆

صبح زاہد کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی جو اسے ناشتے کے لئے بلا رہا تھا، وہ کچھ بھی کہے بنا خاموشی سے ناشتے کی ٹیبل پر آ بیٹھی، احمد صاحب یقیناً دفتر جا چکے تھے ناشتے پر نجمہ کے علاوہ زاہد اور اس کا بڑا بھائی عاشر بھی موجود تھے، عاشر نے کن انکھیوں سے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھا اور ایک شکایتی نظر ماں پر ڈالی جسے وہ بہت سکون سے نظر انداز کر گئیں، سب سر جھکائے خاموشی سے ناشتہ کر رہے تھے صرف نجمہ ہی کبھی زاہد تو کبھی عاشر کو مخاطب کر کے ناشتہ ٹھیک سے کرنے کا کہہ رہی تھی، ایمن نے ناشتہ کیا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی، نجمہ نے ایک نظر جاتی ہوئی ایمن کے چہرے پر چھائے سکون اور اجنبیت کو حیرت سے دیکھا پھر بیزاری سے سر جھٹک کر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

☆☆☆

سردیوں کی نرم دھوپ نے سارے گھر کو اپنی آغوش میں لے رکھا تھا، ایمن نے ایک نظر کمرے سے باہر برآمدے میں ڈالی نجمہ صحن میں چارپائی ڈالے دھوپ سینکتے ہوئے تقریباً اونگھ رہی تھیں، عاشر بھی گھر پر موجود تھا اور زاہد یقیناً سامنے والی آنٹی کے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کیونکہ آج کل سردیوں کی چھٹیاں تھیں اور سامنے والی آنٹی کے بچوں کے ساتھ اس کی دوستی بھی بہت زیادہ تھی، ایمن نے جائزہ لینے کے بعد کمرے سے باہر قدم رکھا اور پیچھے اپنے کمرے کا دروازہ بند کرتی دبے قدموں سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی، حسب توقع عرفان اپنی چھت پر موجود تھا اور اس کی پوری توجہ ایمن لوگوں کی چھت کی طرف ہی تھی اسی لئے جیسے ہی اس نے چھت پر قدم رکھا عرفان کی امید بر آئی، ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتا وہ لوفرانہ انداز میں اسے گھورنے لگا، ایمن کے ڈانٹنے کے بعد سے اب وہ بات کرنے کی ہمت نہیں کرتا تھا بس دیکھتا رہتا تھا۔

"کیسے ہو؟" اردگرد نظر ڈالتے ہوئے ایمن نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"آ...... آپ نے مجھ سے کچھ کہا؟" وہ منہ پھاڑے پوچھ رہا تھا ایمن کو اس کی شکل کے زاویوں نے شدید کوفت میں مبتلا کر دیا لیکن بظاہر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم سے ہی پوچھ رہی ہوں کیسے ہو؟ اس شرٹ میں تو ایک دم ہیرو لگ رہے ہو۔"

"تھینک یو!" ایمن جیسی لڑکی کے منہ سے تعریف سن کر وہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا۔

"کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے؟" ایمن کے اس ڈائریکٹ سوال پر وہ گڑبڑا گیا۔

"نہیں ہے؟" اس کی خاموشی پر ایمن سنجیدگی سے بولی۔

"ہے بہت محبت ہے تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو لیکن تم مجھ سے بات ہی نہیں کرتی تھیں۔" وہ بھی شکایت کے دفتر کھول بیٹھا۔

"شادی کرو گے مجھ سے؟" عرفان ابھی سنبھلا بھی نہ تھا کہ اس نے ایک اور سوال کر دیا۔

"ہاں کروں گا۔" اس کی پوری بتیسی دکھائی

دینے لگی۔

"میں بھی تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں لیکن میری امی میری شادی کہیں اور کر رہی ہیں اس لئے مجھ سے شادی کرنے کا ایک ہی راستہ ہے تمہیں مجھے گھر سے بھگا کر شادی کرنا ہوگی۔" وہ سب کچھ سوچ کر آئی تھی۔

"مگر ایسے تو......"

"مجھے کوئی اگر مگر نہیں سننی، اگر تمہاری محبت سچی ہے تو اس ہفتے کی رات میں جب میرے امی ابو ایک شادی میں شرکت کے لئے جائیں گے اس وقت مجھے اپنے ساتھ لے جانا ورنہ دوبارہ مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔" وہ سخت لہجے میں کہتی حیران پریشان کھڑے عرفان کو کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر خاموشی سے سیڑھیاں اتر گئی، کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس نے دیکھا نجمہ ابھی تک پہلے والی پوزیشن میں تھی ایمن کے چہرے پر ناراضگی دکھائی دینے لگی لیکن آنکھوں میں آنسو سمٹ آئے اس بار اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کے قدم منوں بھاری ہو رہے تھے۔

☆☆☆

"اُف آنٹی بندے کو بالکل ایسے دیکھتی ہیں جیسے کوئی پولیس والا کسی مجرم کو دیکھتا ہے بندہ خود کو چور چور سا محسوس کرنے لگتا ہے۔" اپنے گرد لپٹی بڑی سی چادر کو اتار کر صوفے پر ڈالتے ہوئے آسیہ نے کہا تو ایمن شرمندہ نظر آنے لگی وہ اپنی امی کی اس عادت سے بخوبی واقف تھی تبھی تو وہ کبھی کسی دوست کو گھر آنے کی دعوت نہ دیتی تھی اور اگر کوئی آ بھی جاتی تو نجمہ کی نظروں اور رویے سے گھبرا کر دوبارہ بھول کر بھی اس گھر کا رخ نہ کرتی، بس ایک آسیہ ہی تھی جو سکول کے زمانے سے ایمن کی دوستی کی خاطر نجمہ کے رویے کو نظر انداز کیے رہتی تھی اور اس کے لئے ایمن کے گردان کی نظروں کا پہرا زیادہ سخت ہوتا تھا تبھی وہ گھر میں گزرے وقت میں بہن گھٹن محسوس کرتی۔

"ارے تم کیوں ابھی تک کھڑی ہو ادھر آ کر بیٹھو تمہارے لئے کچھ لائی ہوں۔" ایمن کے چہرے پر شرمندگی دیکھ کر آسیہ نے بات بدل دی۔

☆☆☆

دو دن گزر گئے تھے، وہ دوبارہ چھت پر نہیں گئی تھی نہ ہی گھر سے باہر نکلی تھی اس لئے اگر عرفان نے رابطے کی کوشش کی ہوگی تب ناکام رہا تھا۔

"آج جمعے کا دن ہے اور کل......" آنے والی کل کے تصور سے اس کا دل لحہ بھر کو کانپا مگر ماں کی بے اعتبار نظریں اور تکلیف دیتا رویہ نظروں کے سامنے گھوما تو اسے اپنا فیصلہ بالکل ٹھیک لگنے لگا، گزرے دو دنوں میں نہ جانے کتنی بار وہ ایسے لمحوں کی گرفت میں آئی تھی مگر اس کے اندر بھری بغاوت اسے ان لمحوں سے نکال لیتی تھی پھر بھی اسے کسی پل چین نہ تھا، انہی سوچوں نے اسے بخار میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی بستر پر لیٹے لیٹے سوچیں کچھ زیادہ ہی ستا رہی تھیں اس نے ایک بار پھر بے چینی سے کروٹ بدلی تو تکیے کے نیچے رکھے ڈائجسٹ نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا اس نے ایک نظر کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا دروازہ اچھی طرح بند تھا کیونکہ اس روز سردی کچھ زیادہ ہی تھی۔

"آسیہ کتنی اچھی ہے ہمیشہ میرا خیال رکھتی ہے مجھ سے پیار کرتی ہے۔" ڈائجسٹ کو دیکھ کر اس کی سوچوں کا رخ آسیہ کی طرف مڑ گیا جو اس کو یہ ڈائجسٹ دے گئی تھی، وہ کہانیاں پڑھنے

کے لئے ایمن کے جنون سے بھی واقف تھی اور نجمہ کی سوچ سے بھی اس لئے بچپن سے ہمیشہ اپنے رسالے اور کہانیاں چپکے چپکے ایمن کو پڑھنے کو دے دیا کرتی تھی اور اب کالج میں پہنچنے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری تھا، اس روز جب آسیہ جانے لگی تو ایمن کا دل چاہا اسے اپنے فیصلے کے بارے میں بتا دے لیکن پھر چپ کر گئی شاید اسے یہ خیال روک رہا تھا کہ یقیناً آسیہ اسے اس اقدام سے روکتی اور وہ رکنا نہیں چاہتی تھی۔

''پتا نہیں میں پھر کبھی اپنی پیاری دوست سے مل سکوں گی یا نہیں۔'' آسیہ کو جاتے دیکھ کر ایمن کے دل میں خیال آیا وہ بے اختیار آسیہ سے لپٹ کر رونے لگی۔

''کیوں رو رہی ہو ایسی کیا پریشانی ہے کیا آنٹی نے کسی بات پر ڈانٹا؟'' ایمن کے اس طرح رونے پر وہ گھبرائے ہوئے لہجے میں ایمن سے پوچھ رہی تھی جو اس سے لپٹی جا رہی تھی۔

''کچھ نہیں ہوتا یار امی ہیں تمہاری اگر ڈانٹ دیا تو کیا ہو گیا؟ تم خوش نصیب ہو تمہارے پاس ڈانٹنے کو ماں تو ہے میری تو......'' اپنی مرحوم ماں کو یاد آنے پر آسیہ کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تو ایمن نے بمشکل خود کو سنبھالا اپنا خیال رکھنے اور کسی بات کی ٹینشن نہ لینے کا وعدہ لیتی وہ ایمن سے جدا ہوئی تھی۔

''ذہن کو سوچوں سے بچانے کے لئے مصروف ہونا ضروری ہے۔'' اس نے سوچا اور کمبل کی اوٹ میں کرتے ہوئے ڈائجسٹ کھول کر فہرست کا جائزہ لیا، جہاں اس کی فیورٹ رائٹر کا افسانہ ''پہلی اور آخری قسط'' کے نام سے موجود تھا، افسانہ پڑھتے ہوئے اسے بار بار ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ خاص اسی کے لئے تو لکھا گیا ہے اس افسانے کا مرکزی کردار ایک لڑکی ہی تھی جو گھر کے حالات سے تنگ آ کر چاہت کا دعویٰ کرنے والے ایک شکاری کے جال میں جا پھنسی تھی، اس کے انجام نے ایمن کے دل و دماغ کو جھنجوڑ کر رکھ دیا، برآمدے میں ہونے والی آہٹ پر وہ چونکی اور ڈائجسٹ بستر کے اندر چھپا لیا، افسانہ نہ جانے کب سے ختم ہو چکا تھا لیکن وہ اپنی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی، تبھی اسے اپنے گالوں پر نمی کا احساس ہوا اور تب اسے پتا چلا کہ وہ نہ جانے کب سے روئے چلی جا رہی تھی۔

☆☆☆

نجمہ بہت دیر سے اپنے کمرے میں جائے نماز پر سجدے میں سر رکھے اپنے مالک حقیقی کے سامنے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتیں اس کے رحم اور مدد کے لئے التجا کیے جا رہی تھیں، انہوں نے اس روز ایمن کو چھت پر جاتے دیکھ لیا تھا اور اس کے انداز پر تجسس میں مبتلا ہوتیں اس کے پیچھے پیچھے چھت پر جا پہنچی تھیں اور وہاں عرفان جیسے لوفر لڑکے کے ساتھ ہونے والے ایمن کے مکالمے نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا، وہ تھکے تھکے قدموں سے سیڑھیاں اتر آئیں وہ جو ایک ذرا سی بات پر ایمن کو تھپڑ لگانے سے بھی گریز نہ کرتی تھیں آج اتنی بڑی بات کو دل میں لئے خاموش بیٹھی تھیں آج انہیں ایمن کا سامنا کرنے سے اور سوال کرنے کی ہمت ہی نہ ہو رہی تھی، کیونکہ آج وہ سارے سوال ایک ساتھ ان کی نظروں کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے جو آج تک کی زندگی میں انہوں نے ایمن کی آنکھوں میں پڑھے تھے اور زبان سے سنے تھے، ایمن کی حالت ان کے سامنے تھی وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھیں سمجھانا چاہتی تھیں مگر ان کے ہونٹوں پر چپ کا تالا پڑا تھا۔

''میں نے تو جو بھی کیا اپنے بچوں کی بہتری کے لئے کیا۔'' سب سوالوں کا ان کے پاس بس یہی جواب تھا، انہیں یاد تھا ایک وقت میں وہ بھی کہانیاں پڑھنے کی بڑی شیدائی ہوا کرتی تھیں ہر ماہ شروع ہونے پر ڈھیروں رسالے اور پھر ڈائجسٹ اس کے کمرے میں آ جاتے اور وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچ جاتی اسے لگتا اس کے گرد ڈھیروں دوست آن بیٹھے ہیں جو بڑے پیار سے دلار سے اسے دنیا کی اونچ نیچ سے آگاہ کرتے جاتے ہیں، شادی کے بعد بھی اس نے یہ معمول جاری رکھنا چاہا تو سب سے پہلے ان کی ساس نے اعتراض اٹھایا اور پھر جیسے پورے گھر کو ایک موضوع ہاتھ آ گیا جانے وہ لوگ کس قسم کی ذہنیت رکھتے تھے۔

''یہ کہانیاں پڑھ پڑھ کر میاں کو قابو کرنے کے گر تم اچھی طرح سیکھ آئی ہو بہو لیکن یاد رکھنا یہاں تمہاری کوئی سازش کامیاب نہیں ہونے والی۔'' ایک دن ایک معمولی سی بات پر ساس نے یہ بات کہہ دی اور وہ شوہر کا منہ دیکھتی رہ گئی جو اس کی حمایت میں ایک لفظ تک نہ بولا تھا، مذہبی ہونے کے نام پر اس خاندان نے ہر قسم کے میڈیا کا جیسے بائیکاٹ ہی کر رکھا تھا کیونکہ ساس صاحبہ کے خیال میں یہ سب فساد کی جڑ تھے اور گھر میں کون تھا جو ان کی بات سے اختلاف کرنے کی جرأت کر سکتا۔

''حامد میاں مجھے تو تمہارے بچوں کی فکر رہتی ہے ایسی مائیں بچوں کو اچھی تربیت کہاں کر پاتی ہیں۔'' ساس کا کہا یہ جملہ نجمہ کے دل میں ترازو ہو گیا اور عاشر کی پیدائش پر ایک نئی نجمہ نے جنم لیا ایک سخت گیر ماں اپنے پیار کو دل میں چھپائے اپنے بچوں کو تربیت کرنے کو تیار تھی، نرم و نازک احساسات رکھنے والی رنگوں اور تتلیوں سے پیار کرنے والی اور بارش کی بوندوں سے کھیلتی نجمہ سسرال کے اس ماحول میں کہیں کھو ہی گئی۔

''اے میرے رب مجھ پر رحم فرما تو دلوں کا حال جاننے والا ہے تو طوفانوں کا رخ موڑنے کی طاقت رکھتا ہے میرے آشیانے کی طرف بڑھتے اس طوفان کا رخ موڑ دے مالک، میری غلطیوں کی سزا میری معصوم بچی کو نہ ملے اسے صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرما۔'' وہ سجدے میں گری تڑپ رہی تھیں اور دروازے پر کھڑی ایمن کا کھڑے رہنا دوبھر ہو رہا تھا۔

''امی!'' اس نے بمشکل پکارا، نجمہ نے سجدے سے سر اٹھا کر دروازے میں کھڑی ایمن کو دیکھا اور بے اختیار بازو پھیلا دیے ایمن دوڑ کر ان کے سینے سے جا لگی، نجمہ دیوانوں کی طرح اسے چوم رہی تھی جانے کیا کیا بولے جا رہی تھیں، روتے ہوئے ایمن نے اپنے فیصلے سے لے کر کہانی پڑھ کر فیصلہ تبدیل کرنے تک کا سارا قصہ کہہ سنایا، نجمہ اپنے پروردگار کی شکر گزار تھیں جنہوں نے ان کے آشیانے کو بکھرنے سے بچا لیا تھا، ماں کی گود میں سمٹ کر ایمن کو ایسا سکون ملا کہ وہ کچھ ہی دیر میں نیند کی وادیوں میں اترتی چلی گئی، پیار بھری نظروں سے ایمن کو دیکھتی نجمہ دل ہی دل میں کچھ اہم فیصلے بھی کرنے میں مصروف تھیں ان کے ہونٹوں پر ٹھہری مسکراہٹ اور چہرے پر چھایا سکون بتا رہا تھا کہ اس گھر میں ایک خوبصورت صبح طلوع ہونے کو ہے۔

☆☆☆

گیارہویں قسط

محبت کسی گلابی تتلی کی
مانند اس کے اوپر منڈلاتی تھی
اور اپنے حسین نغمے
پیار بھرے رس کی صورت اس
کے کانوں میں انڈیلتی تھی......!
محبت ایک نور بھری صبح میں
اجالا بن کر اس کے اندر پھوٹتی تھی

محبت!
ہاں اس کی لافانی محبت جو
وجود سے روح کا سفر کر چکی تھی!

اگلی صبح وہ جاگی تو پرندے کے اس پر کی مانند ہلکی پھلکی تھی جو ہوا میں اونچا ہی اونچا اڑتا چلا جائے، اس نے اپنے ساتھ شاہ بخت کو دیکھا اور اس کے لبوں پر ایک اطمینان مسکراہٹ آ گئی۔

ناولٹ

اور ''مغل ہاؤس'' میں موجود لوگوں میں سے کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ بظاہر یہ چٹان کی مانند اپنے ارادوں پہ اٹل نظر آنے والا اور اپنے غصے کے سبب اس گھر کی بنیاد تک ہلا ڈالنے والا ''شاہ بخت'' اس کے آگے کس قدر موم ہوا تھا، کچی لکڑی کی مانند، اس نے جس طرف چاہا وہ مڑ گیا، وہ بہت دیر تک اسے دیکھتی رہی، اس کی دلکش ساحر آنکھیں بند تھیں، اس نے نرمی سے ہاتھ اس کے بالوں میں ڈال دیا اور انگلیاں پھیرنے لگی، اس کی آنکھیں پھر نیند سے بند ہو رہی تھیں۔

''شاہ بخت!'' اس گھر کا سب سے منفرد اور مشکل انسان! ضروری نہیں کہ انسان تب ہی منفرد ہو جب وہ بہت خوبصورت ہو یا اور غیر معمولی خوبیوں کا حامل ہو، وہ اس لحاظ سے بھی تو منفرد ہو سکتا ہے نا کہ اس کی سوچ دوسرے سوچ سے الگ ہو، وہ منفرد تھا کیونکہ وہ خالص تھا، کسی کو

نیچا دکھانا کبھی بھی اس کا مقصد نہ رہا تھا، وہ جلد باز تھا، جبھی تو راہ چلتے کئی جھگڑے اس کے گلے پڑ جاتے، وہ معصوم تھا، جبھی تو وقار کے گلے لگ کر تڑپا تھا کہ میں عینا کے بغیر نہیں رہ سکتا، وہ سادہ مزاج تھا جبھی تو کسی بھی قسم کی دکھاوے کی شو آف کے خلاف تھا، وہ پاگل تھا جبھی تو کسی نتیجے کی پرواہ کئے بغیر دوبارہ سے علینہ کے کمرے میں جا گھسا تھا، وہ دلی طور پر کسی فرشتے جیسا معصوم تھا ورنہ اپنی وجاہت و خوبصورتی سے بے خبر نہ ہوتا، بیسیوں کے حساب سے خود پر مرنے والی لڑکیوں سے اس قدر لاپرواہ نہ ہوتا اور نہ ہی یوں علینہ کے در پہ بیٹھ رہتا۔

وہ اعلیٰ ظرف تھا، ورنہ کوئی اور مرد ہوتا تو علینہ کو یوں کبھی نہ ٹریٹ کرتا، وہ بھی اس صورت میں جب وہ اس بات سے باخوبی آگاہ تھا کہ وہ متعدد بار اسے ٹھکرا چکی تھی اور اس جگہ کوئی اور مرد ہوتا تو لازماً کوئی انتقامی منصوبہ بندی کر کے اسے تکلیف دیتا۔

جسمانی تکلیف نہ سہی، لفظوں کی مار تو ضرور مارتا، مگر وہ "عام" نہیں تھا وہ تو "شاہ بخت" تھا، سب سے مختلف...... سب سے خاص؟ علینہ کا سچ اس نے آنکھیں بند کر کے اس سرشاری کو محسوس کیا جو اسے اونچا اڑائے دے رہی تھی۔

☆☆☆

"مصعب......!" پاپا کا رنگ فق ہو گیا، وہ بے ساختہ اس پر جھپٹے۔

"پاگل مت بنو، چھوڑو اسے۔" انہوں نے اس کے ہاتھ سے پسٹل چھیننا چاہا مگر اس نے دھکا دے کر پاپا کو پیچھے ہٹا دیا۔

"آپ درمیان میں مت آئیں پاپا، آپ پیچھے ہٹ جائیں۔" اس کے تیور خوفناک تھے۔

"ہاں چلاؤ گولی، میں دیکھتا ہوں، تم کیا کرتے ہو، تمہاری اتنی ہمت ہی نہیں کہ تم کچھ کر سکو، تم بس جھوٹ بول سکتے ہو مصعب۔" طلال نے دھاڑ کر کہا تھا۔

"کون سے جھوٹ بولے ہیں، میں نے تم سے؟ تم بکواس کرتے ہو، تم خود جھوٹے ہو، دھوکے باز ہو، جبھی تمہیں سب ایک جیسے لگتے ہیں، جیسے تم نے اپنی زندگی برباد کی، ویسے ہی باقیوں کی بھی کرنا چاہتے۔" وہ کف اڑا رہا تھا۔

"ہاں کر دوں گا برباد، سب تباہ کر دوں گا۔" وہ کسی بھوکے بھیڑیے کی طرح غرایا تھا۔

"اس سے پہلے کہ تم اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو، میں تمہارا وجود ہی صفحہ ہستی سے مٹا دوں گا۔" مصعب نے سفاک لہجے میں کہتے ہوئے پسٹل کر ٹرائیگر دبا دیا، ایک فائر ہوا، پھر ایک چیخ، اور پھر گہری خاموشی چھا گئی، موت کی خاموشی۔

☆☆☆

تم نے مرجھائے ہوئے پھول کبھی دیکھے ہیں
دل کی قبروں پر پڑے
ہجر کی لاش آنکھوں پہ دھرے
تم نے اکتائے ہوئے خواب کبھی دیکھے ہیں؟
درد کی پلکوں سے لپٹے ہوئے
گھبرائے ہوئے
تم نے بے چین دعائیں کبھی دیکھی ہیں؟
محبت کے کناروں پہ بھٹکتی پھرتی
تم نے دیکھا ہے مجھے؟
کیا کبھی دیکھا ہے مجھے؟

اس کے اندر زندگی مرنے لگی، وہ خود پسند نہیں تھا اور نہ ہی اس کی تربیت ایسی تھی کہ وہ دوسروں کو تکلیف دے کر خوشی محسوس کرتا، حالات کے وقتی جبر اور بے بسی نے اس سے وہ قدم اٹھوائے تھے جن کے حق میں وہ قطعاً نہ تھا، مگر نتیجہ کچھ بہتر نہ تھا۔

انسان بھی ایک عجب مخلوق ہے، محکوم ہو تو ظلم سے نفرت کرتا ہے، برائی کرنے والے سے خار رکھتا ہے، ناانصافی پہ کڑھتا ہے، حق مارنے والے پہ لعنت و ملامت کرتا ہے اور اپنی بے بسی پہ خون کے آنسو روتا ہے مگر، یہی انسان جب خود با اختیار ہوتا ہے تو ظالم بن جاتا ہے، برائی کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے، حق سلب کرنے کو اقتدار کی ضرورت سمجھتا ہے اور بے بس آنسوؤں پر طنزیہ نگاہ ڈالتا ہے اور اپنے اقتدار کے نشے میں خود کو فرعون سمجھتا ہے، ظلم کو مٹا دینے کے سارے دعوے بودے نکلتے ہیں اور وہ دبی ہوئی آہیں تب ہی تسکین پاتی ہیں جب وہ کسی دوسرے کو یہ آہیں سونپتا ہے۔

وہ ذہنی کھینچا تانی اور کشمکش میں اس حد تک آ گیا تھا کہ خودکشی تک بات آن پہنچی تھی، اس کے ڈاکٹر حیدر کے ساتھ سارے سیشنز کا بیڑہ غرق ہو گیا تھا اور وجہ بڑی مختصر سی تھی۔

شفق کو لے کر اس کی حبا سے ہونے والی تلخ کلامی کے بعد اس کی ذہنی کیفیت بہت ابتر تھی، وہ کتنا بھی سخت گیر کیوں نہ ہوتا، کتنا بھی بے حس کیوں نہ بنتا، کتنا بھی بے رحم کیوں نہ ہوتا؟ آخر کار ایک انسان تھا۔

اور اسلام کی فطرت پہ پیدا شدہ ایک ایسا انسان تھا جس نے حبا کو ہمیشہ بہت حفاظت سے رکھا تھا، وہ اس کا برا چاہ سکتا تھا نہ اس کے ساتھ برا کر سکتا تھا اور نہ ہی ہوتے دیکھ سکتا تھا۔

اور اس شب اس نے جب حبا کو اپنے کمرے میں بلایا تھا اور اسے اپنے بستر پہ سونے کو کہا تھا تو حبا کے خوف نے اسے مزید پیش قدمی سے روک دیا تھا، اس نے ایسا کبھی نہ چاہا تھا۔

دوسری بار وہ تب بری طرح ٹوٹا جب گھر میں دی گئی پارٹی میں حبا کا وہ کلچ نیچے گرا جسے اٹھاتے ہوئے اس نے حبا کے مڑے ہوئے انگوٹھے دیکھے اس کے شدید خوف اور کنفیوژن کے غماز۔

اور پھر تب جب شفق کا ہاتھ اس کے پیر تلے آ کر کچلا گیا اور اس رات وہ سو نہیں سکا تھا۔

یہ کیسی زندگی تھی؟ اس زندگی کی خواہش تو نہیں کی تھی اس نے؟ اور وہ جس نے اس کے پیچھے سب اجاڑ دیا تھا، سب برباد کر دیا تھا، وہ حبا تیمور! تو کیا اس نے ایسی زندگی کی خواہش کی تھی اسید مصطفیٰ کے ساتھ؟ کہیں تو غلطی تھی۔

اور وہ غلطی جو حبا تیمور نے کر دی تھی کیا اس کا مداوا وہ پوری زندگی نہیں کر پائے گی؟

جو کچھ وہ سہہ چکی تھی، اپنا کیا اسید کو کسی ناگ کی طرح دن رات ڈستا تھا، بہت دفعہ اپنے ہاتھ دیکھ کر اس کی آنکھیں بے بسی کے مارے سرخ ہو جاتی تھیں، اس نے یہ ہاتھ اٹھایا تھا حبا پر؟

اسے اس کی مدھم گھٹی گھٹی سسکیاں سونے نہیں دیتی تھیں، اسے سب یاد تھا، حرف بہ حرف، جو اس نے کیا اور جو اس نے کہا، سب کچھ ازبر تھا، سب کچھ من و عن یاد تھا۔

اسے حیرت ہوتی تھی کہ جب اسے یاد تھا تو حبا کو کیوں نہیں؟ کیا اسے وہ اذیت بھول گئی تھیڈ کیا اسے وہ دکھ بھول گئے تھے؟

کیا اسے وہ نیچی چھت والا، سیلن زدہ تارک کمرہ بھول گیا تھا؟ کیا اسے وہاں گزارے گئے چار ماہ بھول گئے تھے؟ چار ماہ یا قید تنہائی؟

اس کے اندر ہمہ وقت ایک کشمکش چلتی رہتی تھی، ایک مسلسل کھینچا تانی نے اسے عجائب دماغ بنانا شروع کر دیا تھا، وہ سوچتا کہ کیا حبا کو وہ سب اتنی آسانی سے بھول گیا تھا؟ کیا اسے کوئی حق نہیں چاہیے تھا؟ زندہ رہنے کے لئے کہا صرف

ایک چھت اور ایک روٹی ضروری ہوتی ہے؟ جس پر وہ اتنے سکون سے گزارہ کئے جا رہی تھی؟ اور کیا اس کے نزدیک شفق کا بھی کوئی حق نہ تھا؟ اور اگر حبا یہ سوچتی تھی کہ اسید نے شفق کو نہیں دیکھا تھا؟ یا غور سے نہیں دیکھا تھا تو کیا یہ حقیقت تھی؟ نہیں، یہ سچ نہیں تھا۔

اسید مصطفیٰ نے اسے بارہا دیکھا تھا، اسے چھوا تھا، اسے چوما تھا، ہاں اسے سینے سے لگانے کی حسرت دبائی ہوئی تھی، مگر وہ بزدل تھا، حبا کے سامنے یہ اقرار نہیں کر سکا تھا۔

وہ بھی تو ایک انسان تھا، ایک ایسا انسان جو اپنے اردگرد کے ماحول سے خیالات، رویے، تاثرات اور نفرتیں جذب کر کے عمر کے اس حصے تک پہنچا ہوا تھا۔

بالکل کسی خالی برتن کی طرح وہ معصوم بچہ تھا جس میں مرتضیٰ کی تربیت اور تیمور کی نفرت بیک وقت جمع ہوتی رہی تھی اور اب جبکہ وہ معاشرے میں ایک منفرد مقام رکھتا تھا، اس کی تربیت اور ماحولیاتی کشمکش اس کے ہمراہ تھی، وہ خود کو بے بس پاتا تھا، اتنا بے بس کہ اس کے سامنے یہ تک اقرار نہ کر سکتا تھا کہ وہ نور عشق کو اپنی بیٹی تسلیم کرتا ہے، اسے پتہ ہے کہ وہ اس کا خون ہے۔ اسے اچھی طرح پتا ہے کہ وہ اس کا بائیولوجیکل باپ ہے، اُس اس سلسلے میں کسی قسم کی یقین دہانی کی ضرورت نہیں تھی، کوئی ثبوت نہیں چاہیے تھے۔

اسے اس بات پر اسی طرح یقین تھا جس طرح اللہ کے یکتا ہونے پر تھا۔

مگر مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ کھلم کھلا کیسے اعتراف کرتا، انا کا کوڑیالہ سانپ؟ اس کا پھن کیسے کچلتا؟ مگر سب کچھ ختم ہوتا جا رہا تھا اور وہ بے بس تھا۔

اور پھر بے بسی کا اگلا باب، وہ سرد بارش بھری رات جس میں وہ بے بسی کی آخری حد پہ جا پہنچا تھا، جب اس نے حبا سے یہ پوچھا تھا کہ وہ یہاں خوش ہے؟ اور اس کے جواب نے اسید کو زندگی بھر کے لئے چپ لگا دی تھی۔

وہ اس کا امتحان نہیں لینا چاہتا تھا مگر زندگی میں بہت کچھ اس نے وہ کیا تھا جو وہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سو اس بار وہ بھی وہ نجانے کیوں وہی کر گیا، اس سے سوال کر گیا کہ وہ اس کے لئے کیا کر سکتی ہے؟ حالانکہ اسے اس سوال کا جواب اچھی طرح پتا تھا، وہ آگاہ تھا کہ وہ اس کے لئے سب کچھ کر سکتی تھی۔

وہ پاگل لڑکی کیوں نہیں سمجھتی تھی کہ وہ اس کو سینے سے لگا کر خود بھی رو دیا تھا۔

بارش تو یوں ہوئی رات جیسے
میرے دکھ پہ رو پڑی ہو......!

وہ چپ ہی رہ گیا، کچھ نہ کہہ سکا، وہ اسے کچھ نہ بتا سکا، ہاں وہ صحیح تھا جب وہ یہ کہتا تھا کہ زندگی اس کے اندر مرنے لگی تھی۔

☆☆☆

قسمت اور مقدر کا کھیل بھی عجب ہی ہے انسان اپنی تدبیر کرتا ہے اور بھول جاتا ہے کہ تقدیر بھی ہے، اپنی چال چلتا ہے اور فراموش کر دیتا ہے کہ اوپر عرش پہ بیٹھی ذات ”سب سے بہتر چال چلنے والی ہے“ اور انسان اپنے آپ کو عقل کل سمجھتے وہ فیصلے کرتا ہے جن کے بارے میں اسے مکمل یقین ہوتا ہے کہ کسی بھی حال میں غلط نہیں ہو سکتے اور جب یہی فیصلے غلط ثابت ہوتے ہیں تو وہ ”ہائے افسوس“ کہتا ہوا سر پیٹتا ہے اور کف افسوس ملتا ہے۔

نوفل صدیق نے یہ فاؤل پلے، فیئر پلے سمجھ کر کھیلا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس نے پیچھے کوئی سراغ نہیں چھوڑا تھا مگر اس کائنات کی سچائی صرف یہی تو ہے کہ۔

”چھپی ہوئی چیز آخر کار ظاہر ہو کر رہتی ہے“

انسان یہ سمجھ کر جھوٹ بولتا ہے کہ کبھی پکڑا نہیں جائے گا اور یہ یقین رکھ کر دھوکہ دیتا ہے کہ اگلا بے وقوف کبھی اس کی مکاری اور عیاری کو جان نہیں پائے، مگر خدا کا قانون بڑا مختلف ہے، انسان کو وہاں آ کر ٹھوکر لگتی ہے جہاں اسے پار پہنچ جانے کا سب سے زیادہ یقین ہوتا ہے۔

اور یوں انسان کو بری طرح شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، جب وہ شکست کھاتا ہے تب اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ کس قدر محدود اختیارات رکھتا ہے۔

جرم کبھی نہیں مٹتا، یہ دب جاتا ہے، چھپ جاتا ہے مگر ظاہر ہو کر رہتا ہے اور ظاہر بھی تب ہوتا ہے جب وہ گھٹنوں کے بل دلدل میں گھستا ہوتا ہے اور اس کے جرائم کا ظہور اسے مزید دلدل میں غرق کر دیتا ہے۔

ستارا ماہم بے بسی کی آخری حد پہ تھی، ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے کا مطلب یہ تو نہیں تھا کہ کوئی اسے یوں بے وقوف بنا کر اس بے دردی سے استعمال کرتا اور پھر اپنے جرم کو قبول کرنے کی بجائے ڈھٹائی سے اکڑ جاتا؟

یہ کہاں کا انصاف تھا؟ کیا یہ کھلا تضاد نہیں تھا؟ اور کیا یہ ظلم عظیم نہیں تھا؟

وہ سنہری دھوپ میں بیٹھی سر گھٹنوں پہ دھرے گہرے دکھ کے حصار میں تھی، ابا نے سرد نظروں سے اسے دیکھ کر صرف اتنا ہی کہا تھا۔

”عزت دار گھرانوں کی بیٹیاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر یوں گھر اجاڑ کر نہیں آتیں ستارا، دوسری بار اپنا بسا بسایا گھر خراب کرنے پر کوئی تمہارا ساتھ نہیں دے گا۔“ وہ پتھر کے بت کی مانند ان کی باتیں سنتی رہی۔

راستے بہت تیزی سے اس کے لئے بند ہو گئے تھے، وہ چند لمحے خاموشی سے کھڑی رہی پھر اٹھ کر باہر نکل آئی۔

”تو کیا میں سب کچھ جانتے بوجھتے بھی نظر انداز کر کے اس شخص کے در پہ جا بیٹھوں؟“ اس کا دل ڈوبا تھا اور آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔

کیا واقعی وہ عورت ہونے کے جرم میں اس قدر بے بس تھی کہ معاشرے کی تنگ نظری کی بھینٹ چڑھ جاتی؟ اسے اور کچھ نہ سوجھا تو وہ اماں کے گلے لگ کر رو پڑی۔

”کیا میری دو وقت کی روٹی آپ پہ اس قدر بھاری ہے اماں؟ کہ آپ اور ابا ہر وقت پہ مجھے اس گھر سے بھیجنا چاہتے ہیں؟“ اس کے سوال نے اماں کو تڑپا دیا تھا۔

”ایسی بات نہیں ہے تاری، تم جب تک چاہو رہو، ادھر مگر آخر کار تو تمہیں اپنے شوہر کے گھر ہی جانا ہے نا؟“

”چلی جاؤں گی، آپ لوگ زبردستی تو مت کریں۔“ وہ عجیب کرب میں تھی۔

”جب تک چاہو، رہو مگر اسے بتا دو کہ تم ناراض نہیں ہو، تاکہ وہ اپنی خوشی سے تمہیں اجازت دے۔“ انہوں نے سمجھایا تھا۔

ستارا نے سر ہلا دیا تھا بس، مگر سچ تو یہ تھا کہ وہ نہ وہ اس شخص کی شکل دیکھنا چاہتی تھی نہ اس کی آواز سننا چاہتی تھی، وہ اس سے کہیں دور چلی جانا چاہتی تھی، مگر یہ دنیا اس کے اصولوں اور خواہشات پہ کب چلتی تھی، یہ دنیا تو اپنے طور طریقوں سے چلتی تھی اور وہ بے بس تھی۔

☆☆☆

آج ”مغل ہاؤس“ ایک عجیب خوشی کا سماں تھا، وہ سب لوگ ناشتے کی میز پر جمع تھے اور انتظار ہو رہا تھا اس حسین کپل کا جو ابھی تک ناشتے

کی ٹیبل تک نہیں پہنچا تھا۔

رمشہ نے بھابھی کو اشارہ کیا وہ بلا کر لاتی ہے، انہوں نے آگے سے سر ہلا کر جانے کی اجازت دی تھی۔

وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی اور مدھم سا دروازہ بجایا تھا، کوئی جواب نہیں آیا، اسے عجیب سی بے چینی شروع ہو گئی، اس نے پھر دروازے پہ دستک دی، دو منٹ بعد دروازہ کھلا اور بخت کا چہرہ نظر آیا، چند لمحوں کے لئے رمشہ ساکت ہو گئی، وہ "شاہ بخت" تو نہیں تھا۔

وہ تو کوئی اور تھا، لائٹ براؤن شلوار قمیض میں بال سیٹ کیے چمکدار آنکھوں کے ساتھ اس کے چہرے پہ وہ نور تھا جس نے رمشہ کو ٹھٹکا دیا تھا اس کی آنکھوں میں اتنی چمک تھی اور ہونٹوں پہ ایسی خوشی رقصاں تھی کہ وہ چند لمحوں کے لئے گنگ رہ گئی۔

شاہ بخت اتنا خوبصورت آج سے پہلے تو کبھی نہیں تھا اور آج کیوں؟ اسے وجہ جاننے کے باوجود عجیب سی حیرت ہو رہی تھی، تو کیا شاہ بخت کا یہ نورانی حسن علینہ سے ملن کے سبب تھا؟ اس کے اندر بہت ہلکی سی چبھن ہوئی تھی۔

"علینہ کدھر ہے؟" اس نے نظر پھیر کر پوچھا تھا، وہ راستے سے ہٹ گیا، رمشہ آگے بڑھ کر اندر آ گئی اور پھر اس نے علینہ کو دیکھا۔

"تو کیا واقعی کسی کی محبت اتنی اثر انگیز ہوتی ہے کہ انسان کی کیمسٹری ہی بدل جائے؟" رمشہ نے دیکھا اور دیکھتی رہ گئی۔

علینہ آج سے پہلے اتنی حسین تو کبھی بھی نہیں تھی، یا پھر اسے ہی نہ لگی تھی، ہلکے گلابی ٹراؤزر اور گہرے رنگ کی شرٹ میں بالوں کی اونچی سی پونی ٹیل بنائے وہ مہکی کلی لگ رہی تھی، رمشہ اسے دیکھتی رہ گئی، اس نے رمشہ کو ایک عجیب بے نیازی سے دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"عینا! چلیں؟" شاہ بخت نے اسے دیکھتے ہوئے کچھ ایسے لہجے میں کہا جس میں خوشگواریت اپنے تمام تر رنگوں کے ساتھ نمایاں تھی۔

"جی چلیں۔" وہ مسکرائی تو جیسے گلاب کھلے تھے، وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے باہر آ گئے، رمشہ کسی تھرڈ پرسن کی طرح وہی کھڑی رہ گئی۔

شاہ بخت نے اس کا ننھا سا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں لے لیا تھا، وہ دونوں سیڑھیاں اتر رہے تھے، ایک پرفیکٹ کپل! حیران کن میوچل انڈر سٹینڈنگ سے جھلکتا اعتماد، ایک ساتھ اٹھتے قدم اور چہروں پہ پھیلا خوشی کا تاثر، "مغل ہاؤس" کی بنیادیں تک حیرت سے آنکھیں کھولے انہیں دیکھتی تھیں۔

اور ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے افراد ان دو محبت زادوں کے احترام میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے، کیونکہ آج وہ دونوں ایک مقدس رشتے میں بندھے ان کے سامنے تھے۔

تایا جانے نے بخت کو سینے سے لگایا تھا اور عینا کے سر پہ ہاتھ پھیرا تھا، جبکہ وقار نے عینا کو پیار سے تھپک کر بخت کا ماتھا چوما تھا، آہستہ آہستہ سب سے مل کر وہ بیٹھنے لگے۔

خوشگوار ماحول میں ناشتہ کیا گیا، جس میں ان دونوں کو وی آئی پی ٹریٹمنٹ ملا، ایک عجیب سی اور قدرے حیران کن بات تھی، علینہ کا غیر محسوس انداز میں شاہ بخت کی خالی پلیٹ میں اس کی پسند کے مطابق چیزیں رکھ رہی تھی اور وہ ہلکی مسکراہٹ سے وقفے وقفے سے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا، دبی دبی ہنسی میں تقریباً ہی یہ نوٹ کر رہے تھے، ظاہر سے بات تھی، نیا جوڑا ہونے کی بنا پر سب کی نظریں ان پر جمی تھیں۔

ناشتے کے بعد ولیمے کے فنکشن کی تیاری

تھی، جس میں تقریباً آدھے سے زیادہ شہر کو مدعو کیا گیا تھا۔

آج بخت کو دھیان آیا کہ طلال تو شادی پہ کل آیا ہی نہ تھا، اسے تشویش ہوئی، ایسا تو قطعی طور پر ناممکن تھا کہ اسے یاد نہ رہا ہو، پھر آخر وہ کیوں نہیں آیا؟ ایسا کون سا ضروری کام تھا اسے؟ اور وہ تھا کہاں؟ اس نے تشویش کے عالم میں فون اٹھا کر اس کا نمبر ملایا تو اس کا نمبر بند جا رہا تھا، بخت نے کچھ جھلاہٹ سے کال ڈسکنکٹ کی تھی اور اس کی لاپرواہی پہ غصہ آیا تھا، مگر اسی وقت وقار نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تو اس کا دھیان بٹ گیا۔

"خوش ہو؟" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے قدرے اشتیاق سے دریافت کر رہے تھے۔

"بہت۔" وہ ہنسا۔

"کتنا؟" انہوں نے مسکراہٹ دبائی تھی۔

"بے تحاشا۔" وہ بہت مطمئن و پرسکون تھا۔

"علینہ نے ناراضگی کا اظہار تو نہیں کیا؟" انہوں نے تفکر سے دریافت کیا تھا۔

"نہیں، زیادہ نہیں۔" وہ شرارت سے بولا۔

"مطلب؟ تھوڑا بہت کیا۔" انہوں نے اگلوانا چاہا۔

شاہ بخت چلتے چلتے رک گیا تھا، پھر اس نے وقار کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہنا شروع کیا تھا۔

"علینہ ایک پہیلی لڑکی ہے، اسے سمجھنا آسان نہیں ہے، مجھے اس کے تاثرات نے اکثر کنفیوژ کیا تھا اور مجھے کل رات سے پہلے تک یہی لگ رہا تھا کہ وہ شاید میری شکل بھی نہ دیکھنا پسند کرے اور میں اپنی جگہ ٹھیک بھی ہوں، آخر اس کا رویہ ہی ایسا تھا، مگر کل رات اس نے بہت مختلف طریقے سے بی ہیو کیا ہے، یوں جیسے وہ دل سے اپنی ہار تسلیم کر چکی ہو، ہو سکتا ہے اس نے بھی عام مشرقی لڑکیوں کی طرح سوچا ہو کہ چلو جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا اب چیخنے چلانے کا فائدہ، اس نے بھی اس چیز کو قبول کر لیا ہو جیسے بین بھابھی نے کر لیا تھا اور میں واقعی نہیں جانتا کہ اس کے دل میں کیا ہے؟ البتہ اس کا رویہ خاصا مثبت اور امید افزاء ہے۔" بخت نے تفصیلاً اپنی ایماندارانہ رائے دی تھی، وقار نے سر ہلایا تھا ان کے چہرے پہ گہری سوچ کا عکس واضح تھا۔

☆☆☆

"ویسے یہ تو بتاؤ، عباس کیسے مانا؟ وہ تو آنے پہ آمادہ ہی نہیں تھا، تم نے کیسے منایا اسے؟" انہیں یاد آیا تو تجسس سے پوچھنے لگے۔

"سیدھی سی ایک بات کہی تھی اسے، کہ اگر سالا بن کے آنا ہے تو بھلے ہی مت آؤ، ہاں بھائی ہو تو ضرور آنا۔" وہ ہنستے ہوئے انہیں اپنا کارنامہ بتا رہا تھا۔

"تو تم نے اسے بلیک میل کیا؟" وہ بھی ہنس پڑے۔

"بالکل، تو اور کیا کرتا بھائی؟ اگر وہ بھی نہ آتا تو یہاں کون تھا؟" وہ اداس ہو کر کہہ رہا تھا۔

"ایسے نہیں کرو یار۔" انہوں نے کاندھا تھپکا تھا۔

"چہرے کے ڈیزائن ٹھیک کرو اور سنو اب عباس کے ساتھ وہ پہلے والی بے تکلفی بھول جاؤ، کیونکہ اب تمہارا اس کے ساتھ دہرا رشتہ ہو گا، وہ چاہے تمہارا دوست سہی، مگر یہ کبھی مت بھولنا کہ وہ علینہ کا بھائی ہے اور بھائی بھی وہ جس نے اس شادی کو روکنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے، وہ ہمیشہ تعصباتی نظریے کا شکار رہے گا، تمہیں یہ اپنے رویے سے ثابت کرنا ہے کہ تم بہترین انتخاب ہو علینہ کے لئے، اس کے ساتھ ریزو ہونے کو تو میں

نہیں کہہ رہا، مگر پھر بھی کبھی اس کے سامنے علینہ
کی کوئی غلطی، کوئی خامی کا تذکرہ بھی تمہاری زبان
تک نہ آئے، ہمیشہ اس کے ساتھ دوستانہ رویہ
رکھنا اور غلطی سے بھی کوئی بے وقوفی غصے میں مت
کرنا، ورنہ انجام اچھا نہیں ہوگا۔" انہوں نے
تفصیلاً اسے سمجھایا تھا۔

اور وہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلاتا انہیں
اتنا پیارا لگا کہ بے ساختہ انہوں نے اس کا سر
تھپتھپایا تھا۔

☆☆☆

ہاں زندگی واقعی اس کے اندر مرنے لگی
تھی۔

وہ جب تک سروس میں مصروف رہتا تب
تک اس کا دھیان بٹا رہتا تھا، مگر جتنی دیر وہ گھر
رہتا جان سولی پہ اٹکی رہتی تھی، دل سہما سہما سا
رہتا، وہ ہر چیز سے بچنا چاہتا تھا، اس درد سے جو
رگوں کو ہر پل چیرتا تھا اور آنسو، آنسو تو اندر جم ہی
گئے تھے۔

آنسو ہی اچھا ہوتا ہے
جو چھلک پڑتا ہے
بہہ نکلتا ہے
ورنہ......!
بہت بھاری ہو جاتا ہے
اور......!
اندر ہی اندر
بہت زور سے جا گرتا ہے
دل کے، کے ورم آلود فرش پر

ہاں اکے آنسو اس کے اندر برف ہو گئے
تھے جب اس نے حبا کو رات کو یوں اکثر جاگتے
دیکھا اور روتے بھی، وہ سجدے میں گر کر جانے
کیا مانگتی تھی؟ وہ لاعلم تھا۔

اس دن اس کے اندر جانے کتنے طوفان
اٹھے جب شفق نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے
اس کے کمرے کا دروازہ پیٹا تھا، ہاں اس نے
دستک دی تھی اسید کے دل کے دروازے پہ،
جہاں کئی سالوں سے جمی نفرت کی گرد نے کواڑ
زنگ آلود کر دیئے تھے، مگر وہ دھیمی سی دستک اپنے
اثر میں بڑی زوردار تھی، اس نے یہ زنگ آلود
کواڑوں کو کھلنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

جب اس نے حبا کو خوفزدہ انداز میں شفق کو
اٹھاتے دیکھا اور پھر یوں بلند آواز میں بولتے۔

اس کے اندر جیسے آتش فشاں پھٹنے لگے
تھے، کیا وہ اتنا گرا ہوا انسان تھا کہ حبا اس کی بیٹی کو
یہ باور کراتی کہ یہ دروازہ کبھی نہیں کھلے گا، کیا وہ
اس قدر رذیل تھا؟ کہ اس کی بیٹی اس کی شناخت
نہ لے پاتی، وہ کیا تھا، آخر اس کی نظر میں؟ اسے
اپنا وجود کیچڑ میں ڈھلا محسوس ہوا تھا۔

وہ خود پہ قابو نہ رکھ سکا تھا اور بے ساختہ اس
نے صاف صاف وہ غصہ حبا پر اتار دیا، اس نے
اس قدر روکھے اور تلخ لہجے میں کہا تھا کہ کوئی حق
نہیں ہے کسی کا؟

ہاں وہ کوئی حق نہیں دینا چاہتا تھا کسی کو، وہ
کیوں دیتا کوئی حق؟ جب وہ اسے اپنے گھر میں
رکھنے کے باوجود بھی سب سے برا تھا، جب وہ
اس کے خیال میں اتنا برا شخص تھا تو وہ کیوں کرتا
کچھ بھی، وہ جی بھر کے برا بننا چاہتا تھا۔

وہ اپنے اندر ٹوٹ گیا اور سب سے ہی نہیں
خود سے بھی روٹھ گیا، وہ صحیح کہتا تھا زندگی اس کے
اندر مرنے لگی تھی، اس کے پاس اپنے کیے ہر عمل
کا جواب موجود تھا، مگر وہ کسی کے سامنے جواب دہ
نہیں ہونا چاہتا تھا، جب اس کے پاس جواب
لینے کے سارے اختیارات تھے تو وہ کیوں دیتا
کسی کو جواب۔

وہ اسی طرح اپنی جگہ رہ گیا، اپنے عہدے

اور رتبے کے غرور میں ڈوبا اسید مصطفیٰ فخر کی سب
سے بلند چوٹی پہ کھڑا تھا جہاں کوئی اس تک نہیں
پہنچ سکتا تھا، وہ کسی کو اپنے قریب نہیں آنے دینا
چاہتا تھا اور وہ اپنے تکبر کے بل پہ اس بلندی پہ
کھڑا انسان کے روپ سے بدل کر پتھر کے دیوتا
میں کب ڈھلتا گیا اسے معلوم ہی نہ ہو سکا۔

اور جب اس نے اپنی داسی، اپنی بیوی کو،
حبا کو اس چوٹی کے ساتھ سر پٹختے اور روتے دیکھا
تب بھی اس کے وجود میں کوئی انسانی حس نہ
جاگی۔

وہ اپنی بلندی سے نیچے نہیں آ سکتا تھا اور
جیسے پستی سے گزر کر اس نے یہ معزز مقام حاصل
کیا تھا، وہ اپنے سامنے گزرتے انسانوں کو بھی
اپنے سے حقیر، بے قیمت اور ارزاں سمجھتے سمجھتے وہ
خود کو فرعون بنا بیٹھا تھا وہ اس چیز سے بے خبر تھا،
انسان کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ۔

"انسان آخر کار وہی بن جاتا ہے جس سے
وہ نفرت کرتا ہے۔"

وہ تیمور سے نفرت کرتا تھا، مگر اختیارات
جب اس کے حصے میں آئے تب اس نے بھی
تیمور جیسا روپ دھار لیا، وہ تبدیلی لانے، کچھ
منفرد کر کے دکھانے کے خواب صرف خواب ہی
رہ گئے۔

اور اس کا کردار ایک مصلح سے بدل کر ایک
جابر اور ظالم کا بن گیا۔

زندگی میں انسان بہت کچھ تقدیر پر چھوڑتا
ہے اور تقدیر بہت کچھ انسان پر چھوڑتی ہے، تیمور
نے اسی تقدیر کے سہارے حبا کو اسید کے حوالے
کیا تھا اور اسید نے اسی تقدیر سے ٹکرا کر حبا پر
زندگی تنگ کی تھی اور حبا نے بھی تو اسی تقدیر کو رد
کرتے ہوئے اسید کو اپنا بنانا چاہا تھا۔

وہ اسید کے نام کو ستارے کی مانند اپنی
پیشانی پہ سجانا چاہتی تھی، مگر سب کچھ غلط ہو گیا تھا،
وہ ستارا تو کیا بنتا، خاک بن کر اس کے سر میں
بکھرا اور اسے بھی خاک کر گیا۔

وہ کیا کرتا؟ تنکا تنکا جوڑ کر بنایا گیا اپنا آشیانہ
جب بکھرتے دیکھا تو وہ خود پہ قابو نہ رکھ سکا اور
سب ختم کر دیا۔

اس نے اپنا یقین کھویا تھا، اپنا وقار کھویا تھا،
اسے اپنا نقصان بھولتا ہی نہ تھا، وہ کیسے فراموش کر
دیتا کہ اس کا سب سے عزیز دوست، اس کا بھائی
اس کا ماموں زاد، اسید اس سے ناراض ہو گیا تھا،
وہ دوبارہ کبھی اس سے ملنے کا روادار نہ تھا، اس
کے لئے تو یہ دکھ اور صدمے کی آخیر تھی، وہ اس
نقصان کو کیسے بھولتا؟

اس کی مثال اس شخص جیسی تھی جو قافلے کے
آخر میں رہ جائے اور اپنا اکیلا رہ جانے کو محسوس
کر کے بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر بھاگے اور کوئی
رستہ نہ پا کر پاگلوں کی طرح چلانا شروع کر دے،
وہ بھی مدد مدد کرتا روتا رہ گیا اور خالی ہاتھ رہ کر
اسے احساس ہوا کہ یہ کتنا برا تھا اور کس قدر ذلت
آمیز وہ تنہا رہ گیا اور پاگل کر دیا گیا۔

وجہ صرف اور صرف وہ لڑکی تھی، اسے اپنا
دکھ کیسے بھولتا؟ وہ لڑکی اس کے نقصان کی ذمہ دار
تھی۔

اس کا مسیحا، اس کا دوست اس کا اسد اسے
برا سمجھتا تھا، کتنا بڑا نقصان تھا یہ؟ وہ کبھی نہیں
بھول سکتا تھا۔

اور وہ بھولتا بھی کیسے؟ وہ دوبارہ کبھی اسد
سے نہ مل پایا تھا، وہ اسے بری طرح یاد کرتا تھا؟
وہ اس سے ملنا چاہتا تھا، اسے اپنے دکھ سنانا چاہتا
تھا، مگر اسد کہاں تھا؟ وہ کہاں کھو گیا تھا؟

☆☆☆

وہ ہاسپٹلائز تھا، ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ چوبیس

گھنٹوں تک اسے انڈر آبزرویشن رکھا جانا تھا۔
گولی جس زاویے سے اس کے کندھے کو لگی تھی، خون بہت بہہ چکا تھا، بروقت ہاسپٹل لائے جانے کے باوجود بھی اس کی جان خطرے میں تھی، صدیق شاہ کا دکھ اور غم بے کنار تھا، ان کے دونوں بیٹے ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن گئے تھے اور وجہ؟ ان کی آنکھیں ماضی کے دریچوں میں جھانک رہی تھیں۔
''شاہ لاج'' کے اکلوتے بیٹے صدیق شاہ کو محبت ہوئی بھی تو کس سے؟
ایک نیگرو لڑکی سے، جو لندن میں ان کی کلاس فیلو تھی، وہ خود پر حیران ہوتے تھے کہ وہ تو انتہائی حسن پرست تھے پھر ان کا دل اس پہ کیوں آ گیا، بہت غور وفکر کرنے کے بعد وہ جان پائے کہ یہ اس کے کردار اور رویے کی خوبصورتی تھی جو ان کے دل میں کھب گئی، وہ اس سے شادی کرنا چاہتے تھے مگر بدقسمتی، وہ راضی نہ ہوئی، انہوں نے منتیں کر چھوڑیں، مگر اس کی ناں کو ہاں میں تبدیل نہ کروا سکے، ذرا اصرار کر کے وجہ پوچھی گئی تو عقدہ کھلا کہ اسے نیگرس ہونے کا کمپلیکس تھا، وہ سر پیٹ کر رہ گئے، بھلا یہ بھی کوئی وجہ تھی جس پر وہ سوال اٹھا سکتی، انہیں جی بھر کے غصہ آیا۔
وہ اسے ہر قیمت پر منانا چاہتے تھے جبھی ایک دن ٹمیز کی لہروں پر بہتے ہوئے ایک بوٹ کے عرشے کو پکڑے انہوں نے اسے پوچھا کہ وہ کس طرح ان پہ یقین کرے گی؟ جواب اس کا ایسا تھا کہ وہ چند لمحوں تک چپ رہ گئے۔
''اس سمندر کی لہریں دیکھ رہے ہو صدیق؟''
''ہاں۔''
''اگر یہ ساری لہریں مل کر بھی میرا چہرہ دھوئیں تو بھی اس کی سیاہی ختم نہیں کر سکتیں۔'' بات کرتے ہوئے اس کا چہرہ دھواں دھواں تھا، وہ تڑپ کر رہ گئے۔
''مگر یہ غلط ہے۔''
''صحیح تو کہا میں نے، تم نے کبھی سوچا ہے تمہیں میرے ساتھ چلتے دیکھ کر لوگ کیا سوچیں گے؟'' وہ اذیت میں تھی۔
''میں ایسی فضول باتیں نہیں سوچتا۔'' وہ جزبز ہو کر بولے۔
''تو اب سوچنا شروع کر دو۔'' وہ بے نیازی سے بولی۔
''مگر کیوں؟'' وہ سراپا احتجاج بن گئے۔
''کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ لوگ تمہارا مذاق اڑائیں۔''
''کس کو ہم سے کیا لینا دینا؟ تم پاگل ہو؟'' وہ چڑ گئے۔
''لینا دینا ضروری نہیں ہوتا، ہم جس دنیا میں رہتے ہیں، اس کے لوگوں کے بغیر گزارہ نہیں ہوتا۔''
''کیوں؟ ہم کسی سے لے کر نہیں کھاتے، میرے باپ کا اپنا بزنس ہے، میں خود مختار ہوں۔'' وہ جتانے والے انداز میں بولے تھے۔
''ہر چیز پیسہ نہیں ہوتی۔'' وہ عجیب سے انداز سے کہہ رہی تھی۔
''ہاں...... تم نے ٹھیک کہا، ہر چیز پیسہ نہیں ہوتی، مگر پھر بھی ایک اچھی زندگی گزارنے کے لئے پیسہ بہت ضروری ہوتا ہے۔''
''ہو سکتا ہے۔'' اس نے سر جھکا۔
''ہو نہیں سکتا، ہوتا ہی یہ ہے۔'' وہ یقین سے بولا۔
''اس پیسے سے تم کسی کو خرید تو نہیں سکتے۔'' اس نے برا مان کر کہا تھا۔

''خریدنا تو نہیں چاہتا، جیتنا چاہتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں حسرت در آئی تھی۔
''ہوں۔'' وہ لاجواب ہوئی تھی۔
''اور اگر یہ لہریں تمہیں آ کر بتا دیں کہ صدیق نے ان کے ساتھ مل کر تمہارے لئے آنسو بہائے اور پھر ان ہی موجوں سے لپٹ کر جان دے دی تو کیا تب بھی تمہارا فیصلہ یہی رہے گا؟'' وہ اس بار خطرناک لہجے میں جیسے کچھ ٹھان چکے تھے۔
اس نے الجھی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھا جیسے مدعا نہ سمجھ پائی ہو۔
''کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''
''جو میں کہہ رہا تھا وہ کر کے دکھانے کی چیز ہے۔'' انہوں نے کہتے ہوئے عرشے کے اوپر سے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔
اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، اگلے ہی لمحے اس نے حواس میں آتے ہوئے چیخ چیخ کر سب کو اکٹھا کر لیا تھا۔
بروقت طبی امداد ملنے کے سبب ان کی جان بچا لی گئی اور ٹھیک اس سے ایک ہفتے بعد ان دونوں نے سنگاپور میں شادی کر لی۔

☆☆☆

مدتوں سے جسم کے جھولے میں دل
مردہ بچے کی طرح خاموش ہے
اور زندگی......!!!
اک باؤلی ماں کی طرح
جھولا جھلائے جاتی ہے
پنکھا ہلائے جاتی ہے!!

وہ بھی اپنے مردہ دل کے ساتھ لان کے جھولے میں بیٹھی جھول رہی تھی، رات تاریک اور ٹھنڈی تھی، شاید اس کے نصیب کی طرح ٹھنڈی، اس نے نم آنکھوں سے ٹیرس کے پار دیکھا جہاں تاریکی تھی اور وہ دونوں تھے، اس کی آنکھوں میں جلن تیر گئی۔
اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ دونوں یوں خوش رہیں گے، اسے عجیب سا لگتا بنتا تھا، وہ تو یہی سوچے بیٹھی تھی کہ علینہ اس سے جھگڑے گی، اسے لعن طعن کرے گی، ان کے جھگڑے ہوں گے، ظاہری بات تھی کہ یہ شادی علینہ کی مرضی کے خلاف ہوئی تھی اور جس قدر مضبوط اسٹینڈ اس نے لیا تھا، اگر احمر مغل ہاں نہ کرتے تو گھر کا کوئی فرد پھر چاہے وہ وقار ہی کیوں نہ ہوتے اس کو آمادہ نہیں کر سکتے تھے اور اب وہ کیسے بدل گئی تھی؟
رمشہ احمد حیران تھی، اتنی جلدی وہ کیسے بدل گئی؟ آخر ایسا کون سا جادو پھونکا تھا بخت نے اس پر؟ جو وہ اپنے سارے اختلافات بھلا کر یوں شیر و شکر ہوئے بیٹھے تھے؟ علینہ کا رویہ اس قدر بدل گیا تھا کہ ناقابل یقین لگتا تھا، وہ عجیب سے احساسات کا شکار ہو کر رہ گئی تھی، علینہ ایک مکمل طور پر فرماں بردار بیوی کا رول بڑی خوبصورتی سے ادا کر رہی تھی، اس کی حرکات و سکنات سے قطعاً کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ وہی لڑکی تھی جس نے شادی سے ایک ہفتہ پہلے تک شاہ بخت کی انسلٹ کرنے کی گویا قسم کھائی ہوئی تھی اور اب یوں کہ اس کے منہ میں بس نوالے ڈالنے کی کسر رہ گئی تھی۔
اس کے ساتھ ساتھ سارے ''مغل ہاؤس'' نے بھی انگلیاں دانتوں تلے داب لی تھیں، بات ہی کچھ ایسی تھی۔
شام کی چائے کا وقت تھا، جبکہ آمنہ بھابھی کچن میں کومل کے ساتھ مل کر چائے بمعہ لوازمات کے تیار کر چکی تھی، ٹرالی سجائی جا چکی تھی، جب علینہ اندر داخل ہوئی، اس نے ادھر

اُدھر دیکھے بغیر کافی پاٹ نکالا اور کافی میکر آن کرنے لگی، آمنہ نے حیرانی سے کومل کو دیکھا۔

''علینہ! کیا کر رہی ہو؟'' انہوں نے پوچھا۔

''کافی بنا رہی ہوں بھابھی۔'' اس نے مڑے بغیر جواب دیا۔

''مگر چائے تو بن چکی ہے۔'' انہیں اس کے جواب پہ ناگواری ہوئی۔

''آپ کو تو پتا ہے بخت کافی پیتا ہے۔'' اس نے ہلکی سی گردن ترچھی کر کے کہا۔

''تو کوئی بات نہیں وہ چائے بھی پی لیتا ہے۔'' انہیں مزید برا لگا۔

''مگر شوق سے نہیں۔'' اس نے رد کیا۔

''شادی کے اگلے دن ہی تم کام کرنے لگو گی تو انگلیاں ہم پر اٹھیں گی اور میرے خیال سے یہ کوئی اچھی بات نہیں۔'' انہوں نے اس بار ذرا تحمل سے کہا۔

''مجھے تو اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔'' اس نے کندھے اچکا کر لاپرواہی سے کہا۔

کومل اور آمنہ نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا اور نظروں میں ایک پیغام دیا، پھر کومل خاموشی سے ٹرالی دھکیلتی باہر نکل گئی۔

اور جب علینہ نے سب کے سامنے اپنے مگ میں جو کہ سفید رنگ کا تھا اور جس کے کنارے گلابی رنگ کے تھے، کافی اسے دی تو سب کی سوالیہ نظریں ٹرالی کی طرف اٹھیں تھیں۔

''شاہ بخت! تمہاری کافی۔'' وہ ہلکے سے مسکرائی تھی۔

اور جواباً اس کی مسکان نے بہت سے لوگوں کو معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے کے بعد اپنی اپنی چائے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ تھا مگر اس نے مغل ہاؤس کے افراد کی بہت سی غلط فہمیوں کو دور کر دیا تھا۔

اور وہ جو تب تو قعات لگائے بیٹھے تھے کہ بخت اور علینہ کے درمیان کوئی بہت گھمسان کا رن پڑے گا یا کم از کم دو چار معرکے تو روز ہوا کریں گے، مگر اب یہ خام خیالی نظر آتی تھی، آخر وجہ کیا تھی؟ علینہ کی کایا کیسے پلٹ گئی؟ اتنا نمایاں بدلاؤ کہاں سے آ گیا تھا؟ سب ہی حیران تھے اور سب سے زیادہ رمشہ حیران تھی۔

☆☆☆

اب اپنے فیصلے پر خود الجھنے
کیوں لگی ہوں
ذرا سی بات پر اتنا بکھرنے
کیوں لگی ہوں
وہ جس موسم کی اب تک
منتظر آنکھیں تھیں میری
اسی موسم سے اب میں اتنا
ڈرنے کیوں لگی ہوں
مجھے نادیدہ رستوں پر سفر
کا شوق بھی تھا
تھکن پاؤں سے لپٹی ہے تو
مرنے کیوں لگی ہوں
بدن کی راکھ تک بھی
راستوں میں ناں بچے گی
برستی بارشوں میں یوں
سلگنے کیوں لگی ہوں
وہی سورج ہے دکھ کا
پھر یہ ایسا کیا ہوا ہے
میں پتھر تھی تو آخر اب
پگھلنے کیوں لگی ہوں......!

آج پھر اس کی طلبی ہوئی تھی، آج پھر عدالت لگنی تھی، آج پھر اسے اس کے گناہوں کی

فہرست سنائی جانی تھی، آج پھر احتساب کا دن تھا۔

وہ ہمیشہ کی طرح اپنے بستر پہ نیم دراز تھا، آج اس نے اسے بیٹھنے کی آفر نہیں کی تھی۔

''اسد سے تمہاری آخری بار کب ملاقات ہوئی تھی؟'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے پہلا سوال کیا تھا، وہ حیران ہوئی، اس نے اسد کے متعلق کبھی بات نہیں کی تھی۔

''شفق کی پیدائش پر۔'' کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

''شفق!'' وہ چند لمحوں کے لئے ساکت رہ گیا، تو اس کی بیٹی کا نام شفق تھا، اسے آج پتا چلا تھا۔

اس کے اندر کوئی چیز کلبلائی تھی، وہ اسے یاد آیا کہ اسے اسد کا فون آیا تھا، اس کے الفاظ اسے اچھی طرح ازبر تھے۔

''کیا بات ہوئی تھی؟'' اس نے خود کو سنبھال کر پوچھا تھا۔

''میری تو کوئی بات نہیں تھی ہوئی، ماما پاپا کو ہی دی تھی مبارک باد۔'' وہ اسی طرح بنا جھجکے بتا رہی تھی۔

''ہوں اور اس کے بعد؟'' وہ کچھ سوچ کر بولا تھا۔

''نہیں اس کے بعد تو نہیں ہوئی۔''

''تمہاری اسد سے آخری بار کیا بات ہوئی تھی؟'' اب اگلا سوال ہوا تھا۔

حبا کے اندر ایک سرد لہر اتری تھی، اسے اسد کے ساتھ اپنی آخری بات چیت اچھی طرح یاد تھی، مگر وہ اسید کو کیسے بتائے مسئلہ تو یہ تھا کہ وہ گفتگو کا موضوع اور پھر اسد کا ردعمل اسے اچھی طرح یاد تھا، اس نے اسی وقت ایک فیصلہ کیا تھا کہ وہ اسے کسی قیمت پر نہیں بتائے گی کہ اس کی اسد سے آخری بات کیا تھی؟ کیونکہ اس کے بعد وہ جو اس کا حشر کرتا وہ بھی یقیناً یادگار ہی ہونا تھا۔

''مجھے یاد نہیں۔'' اس نے صاف انکار کر دیا تھا، اسید نے تشکیک سے اسے گھورا۔

''آہاں۔'' اس نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

''جی۔'' اس نے گھبرا کر سر نیچے گرا کر کہا تھا۔

''ایک بار یاد تو کرو ذرا۔'' اس نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

''مجھے کچھ یاد نہیں۔'' اس نے آنکھیں میچ کر نفی میں سر ہلایا تھا۔

''کرو ناں یاد۔'' اس نے عجیب سا اصرار کیا تھا مگر لہجہ بہت عجیب تھا، دھمکاتا ہوا، کچھ باور کرواتا ہوا، کہ حبا تیمور کسی بھول میں مت رہنا کہ تمہیں بخش دوں گا، میں تمہاری ہڈیاں توڑ کر اگلوالوں گا، حبا نے اس لہجے کی ہر ہر پرت کو جان لیا تھا، سمجھ لیا تھا۔

وہ اپنے آپ میں سمٹ سی گئی، جیسے نا چاہتے ہوئے بھی خود کو چھپانا چاہتی تھی، غائب ہو جانا چاہتی تھی، وہ اب اٹھ کر اس کے مقابل آ گیا تھا۔

''کیا بات ہے حبا؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی بات میرے متعلق ہو اور تمہیں بھول جائے؟'' اس نے بڑے یقین سے مضحکہ اڑایا تھا، حبا نے ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے اسے دیکھا۔

''میں نے کہا نا، مجھے نہیں یاد کچھ بھی۔'' وہ وحشت زدہ سی ہو گئی، اسید نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھام لیا تھا۔

''مگر میں جاننا چاہتا ہوں کہ تمہاری اس سے کیا بات ہوئی تھی، مجھے بہت دلچسپی ہے یہ جاننے میں کہ آخر ایسا کیا ہوا تھا؟ کیا ڈسکشن ہوئی

تھی تم دونوں کے بیچ، جو وہ مجھ سے بات کرنا تو دور مجھ سے ملنے تک کا روادار نہیں۔" وہ چیختے ہوئے لہجے میں باز پرس کر رہا تھا۔

حبا کے تاثرات میں آنے والا تغیر اس کی گہری نگاہ سے چھپا نہ رہ سکا تھا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے۔" اس نے گرفت مضبوط کر دی تھی، حبا کو اس کے تیز سانس دیکھ کر لگا تھا جیسے کوئی درندہ اپنے شکار کو چیر پھاڑنے کرنے کے لئے آزما رہا ہو، ہاں...... اسے یہی لگا تھا، اس کی آنکھوں میں اترتی سرخی نے حبا کے وجود میں لرزش پیدا کر دی تھی۔

اس کے کھردرے ہاتھوں کی گرفت میں حبا کو لگا اس کے جبڑے کی ہڈی ٹوٹ جائے گی، جسمانی اذیت بھی کیا چیز ہے انسان کو رحم مانگنے پر مجبور کرتے ہوئے بھکاری سے بھی بدتر بنا دیتی ہے جیسے وہ بن گئی تھی۔

"میں...... بتاتی ہوں۔" وہ سسک کر بولی تو اسید نے شدید نفرت سے اسے چھوڑتے ہوئے پیچھے کو دھکا دیا تھا، وہ لڑکھڑا کر کارپٹ پر گر گئی تھی۔

"تم...... (گالی)۔" اس نے ایک غلیظ گالی دی تھی۔

حبا کے کانوں کے پردے پھٹ گئے، اسے پتا تھا اب جو بھی ہو وہ کم ہے، وہ اس کا حشر کرے گا، جبھی اس نے سزائے موت کے قیدی کی مانند اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہوئے اسے ساری بات بتا دی تھی، کہ کس طرح اسد گھر آیا اور اس نے حبا سے دریافت کیا تھا کہ حبا اور ان دونوں کا کیا جھگڑا تھا، حبا کے ٹالنے پر وہ بھڑک اٹھا اور اصل بات جاننے پہ اصرار کیا تھا، تبھی حبا نے اسے سب کچھ بتا دیا کہ اسید نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا، جس پر اسد کی حیرانی اور تب اس نے ثبوت کے طور پر اپنے زخموں کے نشان دکھائے تھے اور جب وہ یہ سب سنا رہی تھی تو اسید کے چہرے پر پھیلتے پتھریلے تاثرات اسے اس کے انجام کا پتہ دے رہے تھے، وہ چپ ہو گئی اور اسید جامد۔

"تم نے ایسا کیوں کیا حبا؟ تم نے اسد کو مجھ سے کیوں چھینا؟" وہ اس کے پاس بیٹھ کر بے بسی اور کرب سے بولا تھا۔

"میں نے نہیں چھینا، میں نے کچھ بھی نہیں کیا، مجھے کچھ نہیں پتا۔" وہ سر گھٹنوں میں دے کر ہذیانی انداز میں چلا رہی تھی۔

"میں نے کب یہ سب چاہا تھا؟ میں نے تو آپ کی چاہ کی تھی، ان قدموں کی، کہ یہ میرے ساتھ چلیں، دور تک، راستے کے اختتام تک، منزل تک، میں نے تو ان ہاتھوں کی چاہ کی تھی کہ یہ میری رہنمائی کریں، مجھے اپنے ساتھ محبت کی دنیا میں لے جائیں، ہاں میں نے جسم کی چاہ کی تھی مجھے آپ کے خوبصورت وجود سے پیار تھا، آپ کی آنکھوں سے محبت کی تھی، کہ ان میں مجھے نور نظر آتا تھا، میں نے ان ہونٹوں سے محبت کی تھی جو مجھے دیکھ کر مسکراتے تھے، میں نے اس خوبصورت جسم کے اندر موجود اس دل سے عشق کیا تھا، جو بہت خاص تھا، مگر میرے حصے کیا آیا ڈ ساری دنیا کو اکٹھا کریں تاکہ سب دیکھ لیں کہ حبا تیمور کا انجام کیا ہوا؟ جن قدموں نے مجھے منزل تک لے کے جانا تھا، ان سے بس ٹھوکریں میرا مقدر بنیں، جن ہاتھوں نے میری رہنمائی کرنا تھی انہوں نے مجھے ذلت کی کھائی میں پھینک دیا، جن آنکھوں میں مجھے اپنے لئے خوشی، نور اور انس نظر آتا تھا وہاں اب صرف وہاں میرے لئے حقارت و نفرت ہے، جن لبوں پر کبھی خلوص، ہمدردی اور پیار کے نغمے تھے اب وہاں صرف نفرت، تذلیل اور غلیظ گالیاں ہیں اور بس......

اس گھر میں رکھوالی کرنے والے کتے ہیں، جنہیں ہفتے میں کئی بار آپ نرمی سے سہلاتے ہیں، ان کی خوراک کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، خدا کی قسم! وہ مجھ سے بہتر ہیں، مجھے تو ایک ترحم بھری نظر تک نصیب نہیں ہے، ہر شخص دیکھ لے کہ حبا تیمور آج خالی ہاتھ خالی دل لئے ایک بھکارن بن گئی ہے۔"

"کاسہ دل خالی ہے صاحب! اک سکہ محبت کا سوال ہے۔" وہ اس کے پیروں پہ سر رکھے بلک رہی تھی۔

☆☆☆

وہ اس سے شادی کر لائے، اس کے کردار سے محبت کرتے تھے نا جبھی چہرہ نہیں دیکھا تھا، مگر باقی لوگوں نے تو صرف چہرہ ہی دیکھا تھا، انہیں ڈکٹیٹ کیا جانے لگا کہ وہ غلط کر چکے تھے، دوست احباب نے باور کروانا شروع کر دیا کہ یہ شادی تا دیر نہ چلے گی اور ناپسندیدگی کا اظہار کھلم کھلا کیا جانے لگا۔

وہ صدیق احمد، اپنے فیصلوں میں بڑے اٹل تھے، انہوں نے سب کی مخالفت اور ناپسندیدگی کو خاطر میں لائے بغیر ایک شاندار پارٹی دی تھی اور پھر اس کے بعد باقاعدہ طور پر اسے ساتھ آفس لے جانا شروع کر دیا تھا، وہ روایتی مرد بن کر اسے گھر میں قید نہیں کرنا چاہتے تھے، جبکہ وہ آزاد ماحول کی پروردہ اور ورکنگ لیڈی تھی، ان دونوں نے مل کر اپنے پہلے ہوٹل کی بنیاد رکھی تھی۔

دونوں ہی بزنس مائنڈڈ اور ذہین تھے، مستزاد انڈر اسٹینڈنگ کمال کی تھی، کامیابی نہیں دروازے پہ دستک دی اور انہوں نے اسے کھلی بانہوں سے خوش آمدید کہا تھا، وہ ترقی کے زینے چڑھنے لگے۔

ایک سال بعد ان کے ہوٹل کا شمار شہر کے بہترین ہوٹلز میں ہونے لگا تھا اور تب ہی وہ امید سے ہو گئی، دونوں ہی بے حد خوش تھے، اس موقع پر صدیق نے انہیں بالکل آفس آنے سے منع کر دیا تھا اور صحیح معنوں میں ان کو ہر طرح سے پرسکون ماحول دینے کی کوشش کی تھی۔

دوسری طرف وہ بے حد مضطرب اور خوف کا شکار تھی، وہ ایک مخلوط نسل کو جنم دینے جا رہی تھی، کچھ بھی ہو سکتا تھا، وہ بچہ اس کا پرتو ہوا تو......؟ اور اس تو کے آگے کا جواب اس کی راتوں کی نیند اڑا چکا تھا۔

اپنے اسی کمپلیکس کی وجہ سے اس نے گھر بھر دیا تھا، تصاویر سے اور تصاویر بھی کیسی؟ سرخ و سفید ننھے منے خوبصورت بچوں کی تصاویر، یہاں وہاں ہر جگہ لگا دیں تھیں اس نے۔

اس کے پیچھے ایک بہت بڑی وجہ تھی، اس نے ایک نفسیات دان سے مشورہ کیا تھا، جسٹ سمپل سا ایک سوال تھا۔

I want a fair baby?

جواباً اس نے امکان ظاہر کیا تھا، کہ نفسیات میں ایسے کیسز سامنے آ چکے تھے کہ جس چہرے یا تصویر کو ماں ڈلیوری ڈیوریشن میں مسلسل روٹین میں دیکھتی رہتی تھی وہ کہیں نہ کہیں آنے والے بچے پر اثر انداز ہوتا تھا۔

یہ سب باتیں اس نے صدیق سے چھپائی تھیں، وہ اس کے وہم کا مذاق اڑاتا یقیناً، مگر وہ اپنے احساس کمتری کا کیا کرتی؟ جبھی اس نے ہر چیز پہ سفید رنگ پھروا دیا تھا۔

اور پھر اس نے دو جڑواں بیٹوں کو جنم دیا تھا، خدا کی قدرت کا نظارہ سارے ہسپتال نے دیکھا تھا۔

سرخ و سفید سبز آنکھوں والے خوبصورت

بیٹے! نوفل بن مصعب، طلال بن مصعب! صدیق احمد تو خدا کے آگے سجدہ ریز ہو گئے تھے، ان پر رب رحیم کتنا مہربان تھا اور ان کے ساتھ وہ بھی حیرت و خوشی سے جیسے پاگل ہونے کو تھی، مگر خوشی کے لمحات میں بھی وہ خدا کا شکر ادا کرنا نہ بھولے تھے۔

☆☆☆

وہ آشنائی اسے یاد ہی نہ ہو شاید
وہ جس کے نام پہ سب ماہ و سال کرتے ہو

اس نے آنکھیں کھول کر اردگرد دیکھا، ایک عمیق خاموشی نے ہر چیز کو گھیرے میں لیا ہوا تھا، ہلکی سی روشنی میں اس نے کمرے کے چاروں طرف نگاہ دوڑائی ہر چیز ساکن تھی۔

اس نے اپنے خاموش سیل فون کو دیکھا، کوئی میسج، کوئی پیغام نہیں تھا، کوئی کال اور مسڈ کال نہ تھی اور وہ شخص کس قدر بے خبر تھا جبکہ اسے یہاں آئے آج دوسرا دن تھا اور اماں، ابا کی سوالیہ نگاہیں مسلسل اس کا پیچھا کرتی تھیں اور وہ شاید سچ مچ اس کے لئے اتنی غیر اہم تھی کہ وہ اسے بالکل بھول گیا تھا، اس کا دل سلگ اٹھا تھا، باہر ہلکی ہلکی بولنے کی آواز آ رہی تھی، اماں شاید ابا سے باتیں کر رہی تھیں، ان کی آواز میں ہلکا سا طیش تھا، اسے دکھ ہوا، یقیناً اسی کا موضوع زیر گفتگو تھا، اس نے کروٹ بدلتے ہوئے لحاف اوپر کھینچ لیا، ہلکی سی چرر کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا، اب یقیناً وہ اسے سمجھانے آئیں تھیں، اس نے اندازہ لگایا، اس نے خود کو سوتا ظاہر کرنے کے لئے آنکھیں بند کر لحاف میں کچھ اور بھی منہ دے لیا۔

قدموں کی چاپ رکی، دروازہ بند ہوا جس کے کھلنے سے ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اندر آیا تھا، اب پھر سے وہی خاموشی چھا گئی اور اس میں قدموں کی چاپ اس کے نزدیک آ گئی، پھر کوئی اس کے بستر پہ بیٹھ گیا، اسے عجیب سا احساس ہوا تھا، آہستگی سے لحاف اس کے چہرے سے اتر گیا، اس نے آنکھیں میچ لیں، ایک خوشبو اس کے چاروں طرف پھیلی تھی، وہ اس مہک کو جانتی تھی، ستارہ کی بند آنکھوں کے آگے تاریکی کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی، تو کیا وہ آ گیا تھا؟ اس نے سوچا۔

''تارا......!'' ایک دل میں اترتی آواز آئی تھی، اس کا دل دھڑک اٹھا دل کی تیز آہٹ پر، یوں دھڑکنے سے، کون روک سکتا ہے۔

بے بسی محسوس ہو رہی تھی، نرمی اور محبت سے ایک ہاتھ نے اس کا گال چھوا، وہ ہلکا سا کسمسائی، یہ لمس اس کا جانا پہچانا تھا۔

''میری طرف نہیں دیکھو گی؟'' مدھم آواز التجا ہوئی تھی۔

''نہیں دیکھوں گی۔'' وہ بے ساختہ بول اٹھی۔

''پلیز ایک بار۔'' وہ التجا بڑھ گئی۔

''چلے جاؤ یہاں سے۔'' وہ رونے کے قریب ہو رہی تھی۔

''مجھے نہیں دیکھو گی؟ اپنے نوفل کو۔''

''نہیں...... نہیں۔'' وہ رو رہی تھی اور اس کے دل پر یہ آنسو تیزاب کی مانند گرے۔

''مت روؤ تارا۔'' اس نے ہاتھ کی پشت سے اس کے آنسو صاف کیے۔

''میری قسمت میں بس آنسو ہی تو آئے۔'' وہ اور شدت سے رونے لگی۔

''نہیں، ایسا نہیں ہے۔'' وہ تڑپ اٹھا تھا۔

''اور دھوکہ۔'' وہ کرب میں تھی۔

''پلیز۔'' اسے شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔

''ہاں، بس دھوکہ ہی کھایا میں نے۔''

''میں تم سے پیار کرتا ہوں تارا۔'' اس کے

ہاتھوں نے نرمی سے اس کے شانے دبائے تھے۔

''محبت جھوٹ بولنا نہیں سکھاتی۔'' اس نے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

''میں کیا کرتا، میں مجبور تھا۔'' وہ انگلی کی پور سے اس کی آنکھیں چھو رہا تھا۔

''مجبور؟'' اس نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں، وہ جیسے قربان ہو گیا، بے ساختہ اس نے جھک کر اس کی آنکھوں کو چوما، وہ شپٹا گئی۔

''جان ہو تم میری۔'' وہ والہانہ انداز میں بول رہا تھا، تارا یک ٹک اسے دیکھتی، وہ نوفل تھا، تارا کا نوفل۔

''میں تمہاری جان نہیں ہوں۔'' وہ اس کے ہاتھوں کو جھٹکنا چاہتی تھی، نوفل نے اسے اس کوشش میں ناکام بناتے ہوئے دباؤ کچھ مزید مضبوط کر دیا تھا۔

''مرد کبھی مجبور نہیں ہوتا۔'' وہ تلخی سے کہہ رہی تھی، وہ خاموش اسے دیکھتا رہا۔

''گھر چلو تارا۔'' اس نے تارا کی بات کو نظر انداز کر دیا تھا۔

''وہ میرا گھر نہیں ہے، وہ تمہارا گھر ہے اور مجھے وہاں نہیں جانا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی جس میں احساس کمتری کی جھلک نمایاں تھی۔

''فضول بات ہے، تنگ نہ کرو۔'' وہ مدھم آواز میں بولا تھا۔

''میں تم سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی، تنگ کرنا تو دور کی بات، تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے، میرے نزدیک تم میں اور مہروز میں کوئی فرق نہیں۔'' اس کے ہر لفظ سے نفرت ٹپک رہی تھی، وہ ششدر رہ گیا۔

''ہاں صحیح کہا تھا تم نے، مہروز ایک عظیم انسان تھا، میں کہاں اس کی برابری کر سکتا ہوں،

کتنے عظیم مقاصد تھے اس کے؟ یاد ہیں نا تمہیں؟" اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں، ستارہ نے کچھ بولنا چاہا مگر اس نے وہیں ٹوک دیا اسے۔

"بس، اب میری بات سنو، کیا چاہتا تھا وہ؟ تمہیں نمائش کی چیز بنا کر بل بورڈز پر سجانا چاہتا تھا، تمہیں کلبز میں لے کر جاتا تھا، تمہیں گالیاں دیتا تھا، تم پر ہاتھ اٹھاتا تھا، ہاں وہ واقعی بہت عظیم انسان تھا، میں بہت گرا ہوا انسان ہوں، عظمت کے اس مینار پہ نہیں جا کے بیٹھ سکتا جس پر وہ بیٹھا تھا، میں ہوں ایک چھوٹا انسان، جس نے تمہیں عزت دینے کی کوشش کی، تحفظ دینے کی کوشش کی، تمہارے لئے قانون توڑا، اپنا آپ مٹا دیا، سب چھوڑ چھاڑ کر اس تھرڈ ورلڈ کنٹری کے اس کراوڈڈ سٹی میں سروائیو کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، تو یقیناً یہ بھی کسی سازش کا حصہ ہے، ہاں میں بہت ذلیل شخص ہوں دھوکے باز ہوں، کچھ باتیں چھپائی تھیں تم سے، مگر مقصد کسی قسم کا مضحکہ اڑانا یا لطف لینا نہ تھا، کچھ "اور" تھا، مگر تم نے...... تم نے کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی، صرف اپنا فیصلہ سنایا اور گھر چھوڑ کر آ گئیں۔" اس نے ایک بار سارے سوالات کا جواب رکھ دیا تھا۔

"مجھے تمہاری دلیلیں نہیں چاہیے، جب دل ہی راضی نہیں تو میں تمہاری کوئی بھی بات کیوں سنوں؟" اس نے کوئی اثر لئے بغیر کہا اور آنکھیں پھر سے بند کر لیں، نوفل کے دل پہ جیسے چھری چل گئی، وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"محبت کو دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔" اس نے قدرے افسوس سے کہا تھا۔

"پتا نہیں کون سی محبت کی بات کرتے ہو؟ مجھے تو کچھ بھی یاد نہیں۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

وہ جواب تک بہت دب کر، جھک کر باتیں کر رہا تھا کہ شاید نرمی و محبت سے وہ اسے منا سکے، جب اس نے تارا کو اسی طرح اپنی جگہ بختی سے جملے اور ڈٹے دیکھا تو سب کچھ بیکار جاتا محسوس ہوا تھا، وہ اس کو منا نہیں سکا تھا، نہ سمجھا سکا تھا، وہ ناکام ہو گیا تھا۔

اور نوفل صدیق احمد ناکام نہیں ہو سکتا تھا، وہ ناکامی افورڈ ہی نہیں کر سکتا تھا، جب اتنے بڑے بڑے معرکے اس نے جیت لئے تھے تو پھر وہ اس مقام پر کیسے ہار سکتا تھا؟ مگر اس لمحے اس نے بغیر کسی رد و کد کے واپس جانا زیادہ مناسب سمجھا تھا، اس میں کیا مصلحت تھی؟ یہ صرف وہی جانتا تھا۔

☆☆☆

"مغل ہاؤس" میں سب لوگ سونے کے لئے جا چکے تھے، مگر بخت نہیں، اسے امی نے اپنے کمرے میں بلایا تھا، پتہ نہیں کیا عجیب بات تھی اس گھر کے مکینوں کو کیا مسئلہ تھا، شاید علینہ کا مسئلہ ہی سب کے نزدیک اتنا اہم تھا کہ سب اپنے کام، اپنی مصروفیات چھوڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئے تھے، آخر ایسا کیا کرتی تھی وہ؟

وہ خود بھی بے خبر تھا، کہ اسے تو بس اس بات کی خبر تھی کہ صبح وہ جاگتا تو عینا اس کے بازوؤں میں ہوتی، سر اس کے شانے پہ دھرے، ہاتھ اس کے گرد لپیٹے وہ بہت سکون سے سو رہی ہوتی تھی، بہت دفعہ شاہ بخت کے لئے فیصلہ مشکل ہو جاتا تھا کہ وہ اسے دیکھتا رہے یا پیار کرے؟ اور اب اس نے بخت کو اپنے اس طرح عادی بنایا تھا کہ وہ خود حیران تھا۔

وہ اسے جگاتا تو وہ ہنستی ہوئی جاگتی، نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھتی ہوئی کہتی۔

"سونے دو ناں۔" وہ نثار ہو جاتا اور اس کو خود میں سمو کر کہتا۔

"سو جاؤ ناں۔" پھر جب اسے لگتا کہ وہ مزید تاخیر کا شکار ہو جائے گا تو وہ نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے لب اس کے کانوں پہ رکھ دیتا۔

"علینا! جان اٹھ جاؤ ناں۔" وہ ہلکا سا کسمسا کر آنکھیں کھولتی اور پھر بند کر لیتی۔

"بہت نیند آ رہی ہے۔" اس کا خوابیدہ سا جملہ وہ اپنے کانوں میں سنتا۔

"میری جان کو کتنی نیند آتی ہے؟" وہ پیار سے اسے گدگداتا تو وہ خفا خفا سی اٹھ بیٹھتیں، اسے کندھوں سے تھامے وہ واش روم لے جاتا، واش بیسن کے آگے اسے کھڑا کر کے وہ ٹیپ چلاتا اور ٹوتھ برش پہ پیسٹ لگا کر اسے پکڑاتا اور پھر خود بھی برش کرنے لگتا، کبھی پانی کی بوندیں اس کے چہرے پہ گراتے ہوئے اسے تنگ کرتا تو وہ ہنستی چلی جاتی، کبھی کبھی وہ حیران ہوتا پتہ نہیں عینا اتنا ہنستی کیوں تھی؟ پہلے تو کبھی اس نے اسے اس طرح بے ساختہ اور بے اختیار ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا، پھر وہ اس کے کپڑے اسے سیٹ کر کے دیتی اور جب تک وہ شاور لے کر باہر آتا وہ کمرے کو اصل حالت میں لا چکی ہوتی تھی، پھر اس کی تیار ہونے میں مدد کرنے لگی جاتی، وہ اسے دیکھی جاتا، اکثر اس کی ڈھیلی سی شرٹ اور اپنا ٹراوزر پہنے وہ اس کی ٹائی سیٹ کر رہی ہوتی تو وہ ہنسی روکتا ہوا اسے چھیڑتا۔

"غلط باندھ رہی ہو یار۔"

"اف فو...... تم تو چپ کرو۔" وہ جھلا کر بولتی۔

"یہ نائٹ سوٹ بہت پیارا ہے تمہارا۔" وہ اسے تنگ کرتا، وہ خفا سی اسے نظر اٹھا کر گھورتی وہ پھر ٹائی سے الجھنے لگی۔

"مجھے یہ اچھا لگتا ہے۔" اس نے بخت کی شرٹ کی طرف اشارہ کیا جسے وہ پہنے ہوئے تھی۔

"اور مجھ تم۔" بخت نے بے اختیار اس کی پیشانی کو چوما، عینا کی آنکھیں جھلملا سی گئیں، وہ اس کے لرزتے ہونٹوں کی جنبش سے جان لیتا پھر بے ساختہ اسے سینے سے لگا کہ کہتا۔

"کیوں رونا آیا؟"

"بس ویسے ہی۔" وہ اپنی سرخی بھری ناک کو رگڑتی اور پیچھے ہٹنے لگتی۔

"کیا ویسے ہی؟" وہ اس کا چہرہ اوپر کرتا، دونوں کی نگاہیں ملتیں، وہ اس کو دیکھتا رہتا۔

"تم جان ہو میری، جان بخت۔" وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر محبت سے یقین دلاتا تو وہ نم آنکھوں کے ساتھ سر ہلا کر آگے بڑھتی اور اچک کر اس کی پیشانی پہ ہونٹ رکھ دیتی، شاہ بخت کے اندر زندگی اتر آتی، وہ اس سے بے تحاشا پیار کرتا تھا اور اس پیار کا بے تحاشا اظہار بھی کرتا تھا، مگر عینا بھی تو کرتی تھی، بہت بہت پیار۔

وہ بال بنانے لگتا تو وہ بھی شاور لینے چلی جاتی، وہ اپنی فائلز سیٹ کرنے لگتا آفس بیگ میں، موبائل چیک کرتا، ضروری چیزیں رکھتا جب تک وہ شاور لے کر آ جاتی اور شاہ بخت آج کل اس دنیا میں کب تھا وہ تو ستاروں پہ قدم دھرے کہکشاؤں کی دنیا میں تھا، خوشی اس پر نور بن کر برس رہی تھی، وہ خوبصورت سے خوبصورت تر ہوتا جا رہا تھا۔

(باقی آئندہ)

تم دل میں بستے ہو

فرحت عمران

صبح کا وقت گھر میں افراتفری اور ہڑبونگ کا ہوتا تھا، گھر میں صبح دو افراد آفس جاتے تھے مگر وہ دونوں بچوں سے بھی بڑھ کر تھے، فیضان ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتا تھا اور ابھی تک بچہ ہی بنا ہوا تھا اور رفیق صاحب...... وہ فیضان سے بڑھ کر "بچہ" تھے۔

"مجال ہے کوئی چیز ٹھکانے پر ہو۔" فوزیہ فیضان اور رفیق صاحب کے آفس جانے کے بعد ان کی بکھری چیزیں سمیٹنے لگیں تو ان کا دماغ چکرا کر رہ گیا تھا، وہ گیلا تولیہ تار پر پھیلاتے ہوئے بڑبڑائیں فیضان کو ایم بی اے کے بعد شاندار اکیڈمک ریکارڈ کے باعث جلد جاب مل گئی تھی جبکہ رفیق صاحب سوئی گیس کے محکمے میں جاب کرتے تھے، وہ دونوں باپ بیٹا اکٹھے ناشتہ کر کے گھر سے نکلتے تھے اوقات الگ الگ تھے۔

"توبہ۔" وہ بمشکل فیضان کا کمرا سمیٹ کر شوہر کی بکھری چیزیں سمیٹنے لگیں تو سامنے بیڈ کے نیچے جھانکتی ساکس پر نظر پڑتے ہی ان کا بے ساختہ اپنا ماتھا پیٹنے کو جی چاہا تھا، فوزیہ جتنا صفائی پسند و نفیس طبیعت کی مالک تھیں، رفیق اور فیضان اتنا ہی چیزیں پھیلانے کے عادی تھے، وہ ان کے جانے کے بعد گھنٹہ بھر انہی کا پھیلایا سامان سمیٹتی رہ جاتی تھیں۔

"بوا آج پھر لیٹ ہے۔" وہ فارغ ہو کر لمحہ بھر کو سستانے بیٹھیں تو نظر ہال میں لگے وال کلاک پر جا ٹھہری انہوں نے کچھ عرصہ سے کام کے لئے ملازمہ رکھی تھی، ان میں گھٹنوں کے درد کی وجہ سے اب پہلے جیسا دم خم نہ رہا تھا۔

"تھینکس گاڈ۔" ڈور بیل ہوئی تو انہوں نے تشکر بھری سانس لی وہ بوا کی آمد کا سوچ کر

مکمل ناول

گیٹ کی طرف بڑھیں۔

"السلام علیکم!" انہوں نے گیٹ کھولا تو آپا فاطمہ انہیں سلام کرتی اندر داخل ہوئیں، آپا فاطمہ ان کی اور رفیق کی پھپھو زاد تھیں وہ اپنے پانچ بچوں میں سے چار کی شادیاں کرکے فارغ تھیں بلکہ ان کے بڑے بیٹے اور بیٹی تو اپنے بچے بھی بیاہ چکے تھے، ان کی چھوٹی بیٹی شائنہ بڑھاپے کی اولاد تھی، آپا فارغ البال ہونے کی وجہ سے اکثر اپنا وقت گھر سے باہر گزارتی تھیں، رفیق صاحب نے بچپن میں ماں جیسی نعمت کھونے کے بعد انہی کی گود میں پرورش پائی تھی، آپا کا سسرال قریب تھا وہ رفیق کو اپنے ہاں لے گئی تھیں۔

"وعلیکم السلام! آپ کیسی ہیں آپا؟" فوزیہ اور رفیق ان کا بے حد احترام وعزت کرتے تھے، فوزیہ احتراماً جواباً ان پر سلامتی بھیجتی اور خیریت دریافت کرتی انہیں لئے ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔

"فوزیہ بس بیٹا بڑھاپا خود ایک بیماری ہے، تم اپنی سناؤ۔" آپا فاطمہ نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے صوفے کی بیک سے ٹیک لگائی، ان کا گھر ایک گلی چھوڑ کر تھا، فوزیہ اور ان کی عمروں میں یہ ٹھیک ہے، آپا ساٹھ باسٹھ سال کی عمر میں خاصا چاق و چوبند تھیں جبکہ وہ بیالیس سال کی عمر میں گھٹنوں کے درد کے باعث بڑھاپا محسوس کرنے لگی تھیں، فوزیہ انہیں رشک بھری نظروں سے دیکھتی ہوئی ان کے لئے پانی لینے اٹھ گئیں۔

"آپا کیا سوچتی ہوں گی۔" آپا کا سگھڑاپا اور سلیقہ سارے خاندان میں ضرب المثال تھا، فوزیہ نے گھر پر نظر ڈالی تھی، انہوں نے دو گلاس میں ڈرنک نکالی اور پلیٹس میں نمکو، بسکٹس اور کیک نکالنے لگیں، اسی اثناء میں بوا بھی آ گئی۔

"سلام بی بی جی۔" اسے اپنے لیٹ ہونے کا خود احساس تھا اسی لئے اس کے لہجے میں ندامت تھی۔

"تم کچن بعد میں سمیٹنا پہلے گھر کی صفائی کر لو۔" فوزیہ نے اسے مزید نادم کرنا مناسب نہ سمجھا اور کولڈ ڈرنکس اور پلیٹس ٹرے میں سجا کر ڈرائنگ روم میں چلی گئیں۔

"آپا خیریت تو ہے نا۔" انہوں نے سوچوں میں گم آپا کے سامنے ٹرے رکھتے ہوئے تفکر وتشویش کا اظہار کیا، وہ کافی دنوں بعد آئی تھیں اور فوزیہ بھی مصروفیات کی وجہ سے ان کے ہاں چکر نہ لگا سکی تھی۔

"فوزیہ! تم دعا کرو اللہ میری شائنہ کے جلد نصیب کھول دے۔" فاطمہ آپا کے لہجے میں بیٹی کے لئے تشویش تھی وہ ہنس مکھ اور باتونی تھیں مگر انہیں بیٹی کی فکر نے سنجیدہ اور کم گو بنا دیا تھا، فوزیہ انہیں بچپن سے خوش باش دیکھتی آئی تھی ان سے آپا کا فکرمند چہرہ نہ دیکھا گیا۔

"آپا آپ پریشان نہ ہوں، اللہ بہتر کرے گا، ابھی تو وہ انیس سال کی ہے، وہ فیضان سے تین سال ہی تو چھوٹی ہے۔" فوزیہ نے ان کے کندھے پر محبت وخلوص بھرا دباؤ ڈالا، آپا اپنی سوچوں سے چونک کر انہیں دیکھنے لگیں، دفعتاً ان کی آنکھیں کسی خیال سے چمک اٹھیں۔

"فوزیہ! تو میری شائنہ کو لے لو۔" نجانے آپا کے جی میں کیا سمائی کہ انہوں نے فوزیہ سے التجا کی، فوزیہ ان کے بغور دیکھنے پر جز بز تھی کہ شاید وہ کچھ غلط بول گئی ہیں، وہ فوراً بدک کر ذرا پیچھے سرکیں، شائنہ بلاشبہ پڑھی لکھی، سمجھدار، سلجھی ہوئی اور اچھی شکل صورت کی مالک تھی مگر وہ انہیں اپنے اکلوتے اور خوبرو بیٹے کے لئے ہرگز قابل قبول نہ تھی، آپا کی پر امید نظریں فوزیہ پر جمی

تھیں۔

"آپا وہ......؟" فوزیہ سے فوراً کوئی جواب نہ بن پا رہا تھا، انہیں آپا پر غصہ تھا جنہوں نے انتہائی نامعقول بات کی تھی کہاں ان کا لائق فائق اور خاندان بھر کا مرکز نگاہ بیٹا اور کہاں شائنہ، ہمہ وقت سر پہ دوپٹہ اوڑھے، اپنی ذات میں گم، کم گو اور نظریں نیچی رکھنے والی عدم اعتماد کا شکار لڑکی، جس کی شکل وصورت بھی واجبی سی تھی۔

"تم مجھے سوچ کر جواب دے دینا بلکہ رفیق سے بھی مشورہ کر لینا۔" آپا ان کے تذبذب کو سمجھ نہ پائیں، انہوں نے موضوع گفتگو بدل دیا، وہ بطور خاص اسی مقصد کے لئے نہ آئی تھیں اور نہ ہی ان کا ایسا کوئی ارادہ تھا، فوزیہ نے فیضان اور شائنہ کی عمروں کا تقابل کیا تو ان کے ذہن میں اک کوندا لپکا تھا، فوزیہ اس گھڑی کو کوس کر رہ گئیں جب انہوں نے فیضان کا نام لیا تھا، آپا کچھ دیر بیٹھ کر انہیں سوچوں میں گھرا چھوڑ کر چلی گئیں۔

☆☆☆

سورج نے واپسی کی ٹھانی تھی اور شام کے سائے قد نکالنے لگے تھے، پرندے آشیانوں کی سمت محو پرواز تھے شاید وہ اندھیرا پھیلنے سے قبل اپنے آشیانوں تک پہنچنا چاہتے تھے مبادا وہ راستہ نہ بھٹک جائیں، رفیق کے آنے کا وقت ہو چکا تھا، وہ فیضان کے آنے سے پہلے لوٹتے تھے، فوزیہ جلے پیر کی بلی کی طرح، سارے گھر میں چکراتی پھر رہی تھیں، ان سے شام تک کا وقت کاٹے نہ کٹ رہا تھا، شام کے سائے گہرے ہوئے تو انہوں نے سکون بھری سانس لی۔

کچھ دیر بعد رفیق گھر لوٹے تو وہ ان کے لئے پانی لے آئیں، ان کے انگ انگ سے مترشح اضطراب نے پانی پیتے رفیق کو چونکا دیا، فوزیہ کے پیٹ میں کوئی بات زیادہ دیر تک نہ رہ سکتی تھی، رفیق اور فوزیہ کا بائیس سال کا ساتھ تھا، وہ ان کی رگ رگ پہچانتے تھے، ان کے گلاس خالی کرتے ہی فوزیہ گلاس کچن میں رکھ آئیں۔

"رفیق، آج فاطمہ آپا آئی تھیں۔" ان کی واپسی تک رفیق بیڈ پر نیم دراز انہی کے منتظر تھے، رفیق صاحب کے چہرے پر استفہامیہ اور تحیر بھرے رنگ ابھرے جیسے وہ کہہ رہے ہوں "اس میں بھلا پریشانی والی کیا بات ہے۔"

"رفیق وہ شائنہ اور فیضان کے رشتے کی بات کر رہی تھیں۔" فوزیہ نے انہیں ساری بات بتا دی، رفیق کو اس میں پریشان ہونے والی کوئی وجہ ڈھونڈنے سے بھی نہ مل سکی تھی۔

"تو اس میں پریشانی والی کیا بات ہے، شائنہ دیکھی بھالی اچھی لڑکی ہے۔" رفیق جز بز ہو گئے تھے جبکہ فوزیہ کی پریشانی ہنوز تھی۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی، کہاں شائنہ اور کہاں ہمارا فیضان۔" فوزیہ ان پر بگڑیں، ان کے لہجے سے بیٹے کے لئے فخر چھلک رہا تھا۔

"اوہ۔" رفیق معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے تھے انہیں فوزیہ کی پریشانی کی وجہ بھی سمجھ آ گئی تھی اور وہ حقیقتاً خود بھی پریشان ہو گئے تھے، بات آپا نے خود شروع کی تھی اور وہ آپا کی کوئی بات ٹال نہ سکتے تھے وہ ان کے لئے ماں سے بڑھ کر تھیں، انہوں نے تشویش سے ماتھا رگڑا، فوزیہ شائنہ سے فیضان کی شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں اور وہ انہیں اس ضمن میں ہر طرح کے دباؤ سے آزاد رکھنا چاہتے تھے آخر فیضان ان کی اکلوتی اولاد تھا ان کے بھی کئی ارمان ہوں گے مگر وہ ماں جیسی آپا کے سامنے شرمندہ بھی نہ ہونا چاہتے تھے، آپا نے انہیں ساری عمر صرف دیا تھا، مانگا کچھ نہیں تھا، اب وہ ان سے کیسے انکار کر دیتے۔

''فوزیہ آپا ناراض نہ ہو جائیں۔'' رفیق کے ماتھے پر تفکر و تشویش کے گہرے سائے تھے، انہوں نے ایک سال کی عمر سے یتیمی سہی تھی بابا کی دوسری شادی کے بعد آپا انہیں اپنے ساتھ لے گئیں تھی، وہ اپنے بہن بھائیوں سے اتنی محبت نہ کرتے تھے جتنی آپا سے، وہ ان سے جان بھی مانگتیں تو وہ انکار نہ کرتے لیکن اب۔

فوزیہ کا ذہن بھی سوچ سوچ کر تھک چکا تھا، وہ پریشان سے سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''میرے پاس ایک حل ہے فوزیہ۔'' یکا یک رفیق دبے جوش سے اٹھ بیٹھے، فوزیہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

''ہم فیضان سے اس کی مرضی پوچھ لیتے ہیں۔'' رفیق کی آنکھوں کی بجھتی جوت چمک اٹھی، فوزیہ کی بھی ان کی رائے پسند آئی، زندگی تو فیضان کو گزارنا تھی تو پھر اس کی رائے لے لینے میں کیا حرج تھا، فوزیہ نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

''بیٹا تم سوئے نہیں ہوا بھی تک۔'' رات کا ایک بج گیا تھا، وہ بابا کے اسٹڈی روم میں بیٹھا مستنصر حسین تارڑ کی ''پیار کا پہلا شہر'' پڑھ رہا تھا، اسٹڈی روم کے بند دروازے کی درز سے راہداری کی تاریکی کو نگلنے کی کوشش کرتی مدھم روشنی نے رفیق کو چونکا دیا، فوزیہ بھی جاگ رہی تھیں، ان دونوں نے فیضان کو اسٹڈی روم میں پا کر اندر آتے ہوئے جھانکا۔

''امی آپ؟'' فوزیہ پہ نظر پڑتے ہی چونک کر سیدھا ہوا، اس نے کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی، فوزیہ اندر آ کر اس کے سامنے چیئر پر ٹک گئیں، رفیق بھی ان کے ہمراہ تھے، فیضان کی خاموش نظروں میں الجھن تیرنے لگی، اس نے فوزیہ کا سوال نظر انداز کر دیا تھا۔

''بیٹا تم سے ایک بات کرنا تھی۔'' فوزیہ نے بلا توقف بیٹھتے ہی کہا، فیضان آفس کے لئے آٹھ بجے گھر سے نکل جاتا تھا، اسے صبح اٹھنے میں دیر ہو جاتی تو وہ لازماً آفس دیر سے پہنچتا، رفیق خاموش تھے ان کی خاموشی میں فوزیہ کی تائید تھی۔

''جی امی۔'' فیضان نے باری باری دونوں کے چہروں سے کچھ کھوجنا چاہا مگر ناکام رہا تھا، وہ دونوں گیارہ بجے تک سو جاتے تھے، انہیں ضرور کوئی اہم بات کرنی تھی جو وہ اس وقت اس کے سامنے تھے۔

''بیٹا میں تمہاری شادی کا سوچ رہی تھی، تمہیں کیسی لڑکی پسند ہے؟'' فوزیہ نے شگفتگی سے مسکراتے ہوئے میز پر رکھی کتاب پیچھے کھسکا کر میز پر اپنا بازو ٹکایا۔

''امی! وہ جو کوئی بھی ہو، بس میرے ساتھ جچ سکے۔'' فیضان نے بلا تردد اپنی پسند بتائی، فوزیہ نے خوبرو، دراز قد اور ویل ڈریس فیضان کو بغور دیکھا، اس کی وارڈ روب ہر وقت جدید فیشن کے ڈریسز سے بھری رہتی تھی، وہ اپنے ڈریسز میں کوئی کمی برداشت نہ کرتا تھا تو پھر وہ اپنے جیون ساتھی میں کوئی کمی کیسے برداشت کر لیتا، فوزیہ نے قریب موجود رفیق کو پلٹ کر یوں دیکھا جیسے وہ کہہ رہی ہوں۔

''میری سوچ اور فیصلہ درست تھا نا۔'' پھر فوزیہ نے محبت سے فیضان کے ہاتھ کی پشت سہلائی فیضان نے ابھی شادی کا نہ سوچا تھا، امی کے غیر متوقع سوال نے اسے اس پہلو پر سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆☆☆

''صغراں مجھے جلدی سے کسی اچھی سی لڑکی کا رشتہ دکھاؤ۔'' فوزیہ نے بیٹے کی پسند جان کر ملنے جلنے والوں اور رشتے داروں میں نظر دوڑائی تو انہیں کوئی ایسی لڑکی نظر نہ آئی جسے وہ بہو بنا سکیں، بالآخر انہوں نے رفیق کو آفس جاتے ہوئے صغراں (رشتے کرانے والی عورت) کے ہاں دوڑایا، صغراں نے فوزیہ کی تین بھانجیوں اور دو بھتیجیوں کے رشتے کروائے تھے، اس کے کرائے سبھی رشتے بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئے تھے اور سبھی شادیاں خوب نبھ رہی تھیں، فوزیہ کی تاکید پر رفیق آفس جاتے ہوئے صغراں کو فوزیہ کا پیغام دے گئے تھے، صغراں ٹائم نکال کر اسی روز فوزیہ سے ملنے آ گئی تھی، فوزیہ نے چھوٹتے ہی اپنا مدعا بیان کیا۔

''باجی آپ فکر ہی نہ کرو، میرے پاس ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ ہے آپ نے مجھے جو اپنی پسند بتائی ہے میری نظر میں ایک رشتہ ہے، لڑکی انگلش میں ماسٹرز کر چکی ہے، وہ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے، اس کا باپ مل اونر ہے، وہ پڑھی لکھی خوبصورت دراز قد ہے۔'' صغراں نے فوزیہ کی پسند سن کر مخصوص پیشہ ورانہ انداز میں بات کا آغاز کیا، اسے لڑکی کی سب سے بڑی خوبی ''مل اونر کی اکلوتی بیٹی'' لگی تھی، صغراں کو رشتے کراتے اٹھارہ سال ہونے کو تھے، اس کا ایک اصول تھا وہ کم مگر بہترین رشتے خلوص نیت سے کراتی تھی گو وہ دونوں طرف (لڑکی والے اور لڑکے والے) سے فیس لیتی تھی لیکن اس کا ارادہ محض رشتہ طے کروانا نہ ہوتا تھا، اس کی نیت و ارادہ رشتہ کو آخر تک پایہ تکمیل پہنچانا ہوتی تھی، وہ رشتے کرواتے ہوئے دونوں اطراف کی شکایتیں بھی سنتی تھی اور ان کے مسئلے بھی حل کرانے کی کوشش کرتی تھی۔

''تم مجھے لڑکی دکھا دو۔'' فوزیہ نے سنتے ہی رضا مندی دے دی، اس کا بس نہ چل رہا تھا، وہ

صغراں کو ابھی لے کر لڑکی والوں کے ہاں پہنچ جاتی۔

”مگر لڑکی ہے بہت تیکھی اور اکھڑ مزاج۔“ صغراں نے لڑکی کی ایک اور ”خوبی“ گنوائی، فوزیہ کو اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔

”دولت اچھے اچھوں کا دماغ خراب کر دیتی ہے۔“ فوزیہ نے سوچا تھا۔

”تم مجھے کب لے جا رہی ہو ان کے ہاں۔“ فوزیہ نے بے تابی چھپاتے ہوئے پوچھا۔

”میں لڑکی والوں سے ٹائم لے کر دو روز میں آپ کو لے جاؤں گی۔“ صغراں نے پروگرام بتایا فوزیہ متفق ہو گئیں۔

”تم بیٹھو میں تمہارے لئے کچھ لاتی ہوں۔“ فوزیہ کو باتوں میں خاطر تواضع کا خیال نہ رہا تھا، وہ مکمل پروگرام طے کر کے خیال آتے ہی صغراں کے لئے کولڈ ڈرنک لینے چلی گئیں، صغراں نے سامنے میز پر ٹانگیں پھیلا کر سر صوفے کی بیک سے ٹکا لیا تھا۔

☆☆☆

”فوزیہ میں نے تم سے کچھ کہا تھا۔“ آپا فاطمہ اس روز فوزیہ کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد بطور خاص ان سے یہی بات کرنے آئی تھیں، وہ شائنہ کے لئے کافی پریشان رہنے لگی تھیں، وہ اسے اپنی زندگی میں اس کے گھر بار کا ہوتا دیکھنا چاہتی تھیں، وہ کچھ عرصے سے بلڈ پریشر کے عارضے میں مبتلا تھیں، انہیں بیماری اور بڑھاپے نے اپنی زندگی سے بے اعتبار کر دیا تھا فوزیہ ان کی آمد کا ”مقصد“ سمجھ چکی تھیں اور ان سے کنی کتراتے ہوئے اِدھر اُدھر کی باتیں چھیڑے ہوئے تھیں، فوزیہ ان کے لئے چائے لے کر آئیں تو انہوں نے فوزیہ کو گفتگو کا آغاز نہ کرنے دیا۔

”آپا آپ چینی کتنی لیں گی۔“ فوزیہ نے ان کے سامنے چائے کا کپ رکھتے ہوئے ان کا سوال یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

”ایک چمچ۔“ آپا کے چہرے پر تاریک سایہ لرز کر رہ گیا، وہ جہاندیدہ تھیں انہیں اپنے سوال کا جواب مل چکا تھا، ان کا امید بھرا دل ٹوٹ گیا۔

فوزیہ نے چائے میں چینی مکس کر کے کپ انہیں تھمایا، آپا کی نظریں چائے سے اڑتی بھاپ پر تھیں، فوزیہ خاموشی سے اپنے کپ میں چینی مکس کرنے لگیں، بعض باتیں ان کہی اور ان سنی رہنے سے انسان دکھ و اذیت سے بچ جاتا ہے اور رشتوں کا بھرم بھی قائم رہتا ہے دونوں کے بیچ خاموشی خلیج کی صورت حائل ہو گئی تھی۔

”ہاں فوزیہ! تم کیا کہہ رہی تھی تمہارے بھتیجے کی نوکری لگ گئی ہے۔“ فوزیہ آپا کی جواب طلبی سے بچنے کے لئے اپنے شادی شدہ بھتیجے کا ذکر لئے بیٹھی تھیں، فاطمہ نے چائے کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے فوزیہ کی ٹوٹی گفتگو کا سلسلہ جوڑنا چاہا تھا، بڑا پن اسی میں تھا کہ وہ فوزیہ کو شرمندگی سے بچا لیتیں، اسی میں ان کا اپنا بھرم بھی پوشیدہ تھا، وہ رشتوں کا بھرم نہ توڑنا چاہتی تھیں، فاطمہ کے چہرے پر واضح شرمندگی پھیلی تھی، انہوں نے چور نگاہ آپا کے چہرے پر ڈالی، وہ چائے پینے میں مگن تھیں ان کے چہرے پر احساس شکستگی کا شائبہ تک نہ تھا فوزیہ نے حوصلہ پکڑ کر تھوک نگلتے ہوئے ٹوٹا سلسلہ تکلم جوڑا، آپا دلچسپی سے ان کی گفتگو سننے لگیں، فوزیہ کا دل آپا کے بڑے پن کا معترف ہو گیا تھا، گھونٹ گھونٹ چائے پیتی آپا کے چہرے پر گہرا سکون اور ان کی مخصوص شفقت پھیلی تھی۔

☆☆☆

شائنہ کے لئے ایک بہت اچھا رشتہ آیا تھا، لڑکا پڑھا لکھا اور ہائیکورٹ میں مشہور وکیل کے پاس ٹاپسٹ تھا، رشتہ نہایت معقول اور مناسب تھا، آپا نے بیٹوں سے مشورہ کر کے ایک ماہ بعد کی شادی کی ڈیٹ رکھ دی تھی آپا شائنہ کو اپنی زندگی میں اس کے گھر بار کا کرنا چاہتی تھیں، اللہ نے ان کی دعا سن لی تھی وہ رب کی شکر گزار تھیں، شادی کی تیاریوں میں ایک ماہ گزرنے کا احساس تک نہ ہوا اور شائنہ والدین اور بھائی بہنوں کی دعاؤں میں وداع ہو کر پیا دیس سدھاری تھی۔

☆☆☆

”بہن جی! مجھے آپ کی بچی بہت پسند آئی ہے، آپ بسم اللہ کر کے اگلے ماہ کی شادی کی ڈیٹ دے دیں۔“ فوزیہ نے صغراں کی مدد سے کئی لڑکیاں دیکھ ڈالی تھیں، انہیں کوئی لڑکی پسند نہ آئی تھی، وہ حسب پروگرام صغراں کے ساتھ اس کا بتایا رشتہ دیکھنے گئی تھیں، انہیں لڑکی والوں کی امارت نے پہلی نظر میں بے حد مرعوب کیا تھا، انہوں نے لڑکی کی دبتی رنگت نظر انداز کر کے ہاں بھی کر دی تھی لیکن لڑکی والوں کو ان کا غریب گھرانہ پسند نہ آیا تھا، فوزیہ نے ہمت نہ ہاری تھی وہ آج بھی صغراں کے ساتھ رشتہ دیکھنے آئی ہوئی تھی، اس نے یسریٰ کو دیکھتے ہی پسند کر لیا تھا۔

آمنہ کے چہرے پر تفاخر بھری مسکراہٹ پھیل گئی تھی، سعید صاحب آئرن مرچنٹ تھے وہ سیاست سے بھی لگاؤ رکھتے تھے ان کا بزنس وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا تھا، آمنہ نے صغراں کے ذریعے پہلے لڑکا دیکھنے کی ڈیمانڈ کی تھی، آمنہ کو فیضان پسند آیا تھا، پڑھا لکھا، سلجھا ہوا، دراز قد، خوبرو فیضان یقیناً ساری عمر یسریٰ کے سحر انگیز حسن میں الجھا رہتا اور یسریٰ کے لئے فیضان کو اپنی مٹھی میں کرنا آسان ہو جاتا، انہوں نے ہاں کے بعد فوزیہ اور رفیق کو مدعو کیا تھا، فیضان کی لائف پارٹنر کی ترجیح میں دولت نہ تھی جبکہ فوزیہ امیر گھرانے کی لڑکی لانا چاہتی تھیں، وہ عام گھرانے کی عام لڑکی لا کر آپا فاطمہ کے سامنے شرمندہ نہ ہونا چاہتی تھیں، انہوں نے شائنہ کا رشتہ چھوڑا تھا تو وہ شائنہ سے بہترین لڑکی کو بہو بنا کر آپا کے سامنے سرخرو رہنا چاہتی تھیں، حالانکہ آپا کی عادت طعنہ دینے یا بات جتلانے کی نہ تھی۔

آمنہ نے خوشدلی کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے سیخ کباب سے بھری پلیٹ فوزیہ کی طرف بڑھائی تھی۔

”اگلے ماہ کی پانچ تاریخ کیسی رہے گی؟“ رفیق نے رشتہ پکا ہوتے ہی فوزیہ کا اشارہ پاتے ہی بات بڑھائی، فوزیہ گھر سے رشتہ پسند آ جانے کی صورت میں تاریخ طے کرنے کا فیصلہ کر کے آئی تھیں۔

”ہماری تو کوئی خاص تیاری نہیں ہے ابھی۔“ سعید صاحب بوکھلا گئے، انہوں نے پانچ ماہ پہلے منجھلے بیٹے اور بڑی بیٹی کی شادیاں کی تھیں۔

”آپ بے فکر رہیں بھائی صاحب، یسریٰ ہماری ہی بچی ہے، آپ جہیز کی فکر نہ کریں۔“ رفیق نے خوشدلی و شگفتگی سے مسکراتے ہوئے سعید صاحب کے بازو پر ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دی، فوزیہ نے کھا جانے والی نظروں سے شوہر کو گھورا، وہ اپنی کم عقلی کے باعث لاکھوں کا جہیز گنوا رہے تھے۔

”آپ کی بات ٹھیک ہے بھائی جان، مگر لڑکی والوں کو کچھ تو تیاری کرنا پڑتی ہے نا۔“ آمنہ رفیق صاحب کے خلوص و محبت سے متاثر

ہوئیں۔

"جی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، ایک ماہ بھر باقی ہے، آپ لوگ تیاری کرلیں، ویسے بھی آج کل بازار میں ہر چیز ریڈی میڈ مل جاتی ہے اب تو شادی کی تیاری کوئی مسئلہ ہی نہیں رہا ہے۔" فوزیہ نے دل میں رفیق صاحب کو کوستے ہوئے فوراً بات سنبھالی۔

"جی آپ صحیح کہہ رہی ہیں بہن۔" سعید نے مسکرا کران کی تائید کی تو فوزیہ کا سانس بحال ہوا، وہ مطمئن ہوکر مسکرادیں۔

☆☆☆

"یسریٰ بیٹا، آج تمہاری کھیر پکائی کی رسم ہوگی۔" فوزیہ نے ہتھیلی پر سرسوں جمائی تھی انہوں نے فیضان کی جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا، شادی کے لئے ایک ماہ کا مختصر وقت اتنی تیزی سے گزرا کہ فوزیہ کا تنہا تیاری کرتے سر چکرا کر رہ گئیں، وہ اپنی بہنوں اور بھابھیوں کے ساتھ شاپنگ کے لئے صبح سے شام تک بازاروں کے چکر کاٹتی رہتی تھیں، فوزیہ بہو کو گھر لائیں تو انہیں سکون کا سانس لینا نصیب ہوا، یسریٰ اور فیضان کی شادی کو ایک ماہ کا وقت گزر گیا تھا، فوزیہ نے یسریٰ کی کھیر پکائی کی رسم کرنے کا سوچا تاکہ وہ گھر کے کاموں میں ان کی مدد کرواسکے، ان کے ہاں نئی نویلی دلہن سے کھیر پکائی کی رسم کے بغیر گھر کے کام کروانے کا رواج نہ تھا، اس روز اتوار تھا، فیضان اور رفیق بھی گھر تھے، فوزیہ اور رفیق ناشتہ کرچکے تھے، یسریٰ گیارہ بجے اٹھی اور اپنے اور فیضان کے لئے ناشتہ تیار کرنے لگی، وہ ناشتہ کمرے میں لے کر جانے لگی تو فوزیہ نے اسے مخاطب کیا۔

"امی گھر کے کاموں کے لئے بوا ہے نا، پھر اتنی جلدی کھیر پکائی کی رسم کی کیا ضرورت ہے۔" یسریٰ نے رک کرانہیں جواب دیا، وہ ہکا بکا رہ گئیں، انہیں یسریٰ سے زبان درازی کی توقع نہ تھی، وہ کافی ہشیار اور تیز تھی ان کی سوچ سے بھی بڑھ کر۔

"بیٹا بات محض گھر کے کاموں کی نہیں ہے، یہ شادی کے بعد کی ایک رسم بھی ہے۔" فوزیہ نے رسانیت سے بات سنبھالی، رفیق صاحب اخبار کے مطالعے میں غرق یوں بے نیاز بیٹھے تھے جیسے وہ یہاں نہ ہوں یا ان کا سرے سے اس معاملے سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

"امی بوا گھر کی صفائی کرجاتی ہے آپ کھانا بنالیتی ہیں پھر اس رسم کی کیا ضرورت ہے۔" یسریٰ نے ناک سے مکھی اڑاتے ہوئے ان کی بات چٹکی میں اڑائی فوزیہ اس کی ہشیاری پر پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں۔

"بیٹا تمہیں اس گھر کو سنبھالنا ہے اور آج یہ رسم ہوگی۔" فوزیہ نے لہجہ کو حتیٰ الوسع نرم رکھتے ہوئے سختی سے اپنی بات پر زور دیا۔

"اوکے امی۔" یسریٰ فیضان کی دیکھا دیکھی انہیں امی کہنے لگی تھی، ابھی شادی کو ایک ماہ گزرا تھا، فیضان نے اگلے روز سے آفس جوائن کرنا تھا، وہ اس کی موجودگی میں بدمزگی نہ چاہتی تھی۔

"ہوں۔" یسریٰ ناشتہ لے کر چلی گئی تو فوزیہ نے نخوت بھرا ہنکارا بھرا ان کا ذہن یسریٰ کی چالاکی اور تیزی پر غصے سے کھول رہا تھا، یسریٰ نے انہیں صاف انکار کرکے اپنی حیثیت جتا دی تھی۔

"آپ تو یہ چھوڑیں۔" فوزیہ نے اس کے جانے کے بعد اپنا سارا غصہ اخبار کے مطالعے میں ہنوز غرق رفیق صاحب پر اتارا اور ان سے اخبار چھین کر سائیڈ پر رکھ دیا، رفیق صاحب ان

کے غصے سے لال چہرے کو ناسمجھی سے دیکھنے لگے تھے۔

☆☆☆

"یسریٰ بیٹا! تم روٹیاں ڈال کر برتن دھو لو۔" بوا چھٹی پر تھی، رفیق اور فیضان آفس جا چکے تھے، فوزیہ ناشتہ کرکے گھر کے کاموں میں جت گئیں جبکہ یسریٰ ناشتے کے بعد دوبارہ اپنے کمرے میں جاکر سوگئی تھی، فوزیہ کچھ دیر اس کا انتظار کرنے کے بعد صفائی کرنے لگیں پھر وہ صفائی کے بعد کھانا بنانے لگیں، یسریٰ نے اپنے کمرے سے باہر نہ آنا تھا نہ آئی، فوزیہ سالن تیار کرچکی تھیں کہ یسریٰ پانی پینے کچن میں رکھے کولر سے پانی پینے آئی تو فوزیہ کی اس پر نظر پڑی، تو وہ بولیں۔

"امی مجھے روٹیاں بنانا نہیں آتی ہیں، آپ تو جانتی ہیں ہم سب بہنوں کو گھر کے کاموں کی عادت نہیں ہے، آپ بنالیں۔" یسریٰ نے ڈھٹائی سے پانی پی کر گلاس کولر پر رکھا اور یہ جا وہ جا، فوزیہ کی آنکھیں بے یقینی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، ناچار انہیں روٹیاں بنانا پڑیں۔

"یسریٰ بیٹا! آؤ کھانا کھالو۔" فوزیہ نے کھانا لگا کر اسے آواز دی، یسریٰ نے شاہانہ زندگی میکے میں گزاری تھی ان کے ہاں نوکر تھے، جبکہ یہاں محض بوا تھیں، وہ بھی صفائی کرکے دوپہر تک واپس چلی جاتی تھیں، یسریٰ کے میکے میں دن رات کی الگ الگ کل وقتی ملازمائیں تھیں اسے گھر کے کاموں سے رتی بھر دلچسپی نہ تھی اور نہ ہی اسے فوزیہ کے تنہا سارا کام کرنے پر کوئی شرمندگی تھی۔

"یسریٰ بیٹا! آؤ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" فوزیہ کھانا سامنے رکھے اسی کا انتظار کررہی تھیں کھانا ٹھنڈا ہو رہا تھا اور یسریٰ آنے کا نام نہ لے رہی تھی، وہ چند ثانیے بعد کمرے سے باہر نکل آئی اور فوزیہ کے ساتھ کھانا کھانے لگی۔

"امی! میں چائے بنا کر برتن دھو دوں گی، آپ آرام کریں۔" یسریٰ کھانا کھا کر ان کے لئے چائے بنانے اٹھ گئی، نجانے اسے ان پر ترس آیا تھا یا حقیقتاً ان کی تھکن کا احساس ہوا تھا، بہرحال وہ کچن کی طرف بڑھ گئی فوزیہ چائے کی نشہ کی حد تک عادی تھیں وہ کھانا کھانے کے بعد لازماً چائے پیتی تھیں جبکہ یسریٰ صرف ناشتہ کے وقت چائے پیتی تھی، وہ ان کے لئے چائے بنا کر لائی تو فوزیہ کھانا کھا کر اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔

"امی چائے۔" فوزیہ کا وجود تھکن سے چور تھا وہ آنکھیں موندے بیڈ کی بیک سے سر ٹکائے نیم دراز تھیں، یسریٰ نے ان کے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر چائے کا کپ رکھا اور ان کا جواب سنے بنا پلٹ گئی، فوزیہ کی تھکی نگاہوں نے اس کا دور تک پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆

ٹی وی لاؤنج میں سبھی بیٹھے ڈنر کے بعد چائے پیتے ہوئے ڈرامہ دیکھ رہے تھے، ٹی وی چینل پر کچھ عرصہ قبل ڈائجسٹ میں چھپنے والی کہانی کی ڈرامائی تشکیل پر مبنی سیریل آن ائیر تھی یسریٰ کو یہ ڈرامہ بہت پسند تھا، آج امی نے ڈنر تیار کیا تھا اور چائے کے بعد اسے برتن بھی دھونا تھے، ڈرامہ میں بریک آیا اور کمرشل آن ائیر ہو گئے وقفہ دس منٹ رہنا تھا، یسریٰ برتن سمیٹ کر کچن میں دھونے چلی گئی، وہ برتن دھو کر آئی تو ڈرامہ ختم ہونے کو تھا، آخری سین چل رہا تھا، وہ Coming up next کے Clips دیکھے بنا اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی، وہ کچھ چپ تھی، اس کی خاموشی کو کسی نے بھی محسوس نہ کیا تھا۔

”فیضان بیٹا میں کل تمہارے لئے کیا بناؤں۔“ گھر میں کھانا فیضان کی پسند سے پکتا تھا، فوزیہ بیٹے سے روزانہ اس کی پسند پوچھ کر اس کی پسند کی ڈشز تیار کرتی تھیں، انہوں نے حسب عادت ٹی وی پر ٹاک شو دیکھنے میں محو فیضان کو مخاطب کیا۔

”امی آپ جو مرضی بنالیں۔“ فیضان نے ٹاک شو نما شور شرابے سے عاجز آ کر ٹی وی بند کرتے ہوئے ماں کے گلے میں محبت سے بازو حمائل کر دیے، رفیق صاحب ماں بیٹے کی محبت دیکھ کر ہولے سے مسکرا دیے۔

”امی آپ کو تو بخار ہے۔“ وہ اگلے لمحے پیچھے ہٹ گیا تھا، فیضان نے فوزیہ کی پیشانی چیک کی جو بخار کی حدت سے سرخی مائل ہو چکی تھی۔

”بیٹا! یہ بخار نہیں تھکن کا اثر ہے، میں تھوڑا آرام کروں گی تو صبح تک ٹھیک ٹھاک ہو جاؤں گی۔“ فوزیہ نے بیٹے کے اپنے لئے تشویش پر خوش ہوتے ہوئے لہجے میں بشاشت سموئی تھی رفیق بھی چونک کر انہیں گہری تشویش زدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

”تھکن کیسی تھکن؟“ رفیق نے فیضان کے ذہن میں ابھرنے والے سوال کو زبان دی تھی، وہ شوہر و بیٹے کی توجہ پا کر نہال ہو گئیں۔

”آج بوا نے چھٹی کی تھی، تو سارا کام مجھے خود کرنا پڑا تھا۔“ فوزیہ نے عام سے مطمئن لہجے میں انہیں بتایا۔

”یسریٰ کہاں تھی، آپ نے اسے کیوں نہیں اپنے ساتھ کام لگایا آپ سے تو گھر کے کام اب نہیں ہوتے ہیں۔“ فیضان نے ایک سانس میں سوال و گلہ کیا، فوزیہ نے محبت پاش نظروں سے بیٹے کو دیکھا، وہ حسب عادت ڈنر کے بعد فراغت سے ان کے پاس بیٹھا تھا، فیضان آفس سے آ کر سارا وقت امی ابو کے ساتھ گزارتا، یسریٰ اس دوران ڈنر تیار کرتی اور پھر کام سے فارغ ہو کر کمرے میں چلی جاتی، فیضان فوزیہ کے سونے تک انہی کے کمرے میں رہتا تھا۔

”وہ سوئی ہوئی تھی میں نے اسے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔“ فوزیہ نے اپنے تئیں نرمی سے اسے تسلی دینا چاہی تھی۔

”اس نے ناشتہ تو ہمارے ساتھ کیا تھا، پھر وہ کب سوئی۔“ فیضان کو یسریٰ کی غیر ذمہ داری غصہ دلانے لگی تھی، اسے امی کا کاموں میں ہاتھ بٹانا چاہیے تھا اور وہ بے فکری سے سوتی رہی تھی۔

”بیٹا کوئی بات نہیں ہے وہ بچی ہے اسے آہستہ آہستہ سمجھ آ جائے گی۔“ فیضان کی تفتیش نے فوزیہ کو پریشان کر دیا تھا، یسریٰ شادی کے دو ماہ بعد بھی گھر والوں سے فرینک یا مکمل مل نہ سکی تھی، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ فیضان اسے ڈانٹے اور وہ دل میں بغض و کینہ کو جگہ دے، انہوں نے نرمی و رسانیت سے فیضان کے خفگی بھرے غصے کا اثر زائل کرنا چاہا تھا فیضان نے ان کے سمجھانے پر ہولے سے سر جھٹک دیا تھا، اس نے نچلا لب دانتوں تلے دبا کر اپنا غصہ زائل کرنے کی سعی کی تھی۔

”بیٹا تم یسریٰ سے کچھ مت کہنا، اسے تو میری خرابی صحت کا علم بھی نہیں ہے۔“ وہ فوزیہ سے آرام کرنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں جانے لگا تو فوزیہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اس نے تابعداری سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

☆☆☆

”فیضان! لبنیٰ آپی نے ہمیں آج ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے۔“ فیضان آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا، اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بال بناتے ہوئے مرر میں سے بیک میں جھانکا، یسریٰ

اس کی ٹائی اور کوٹ لئے موجود تھی، وہ یسریٰ سے خفا تھا مگر اس نے اپنی خفگی ظاہر نہ کی تھی، اسے یسریٰ سے اتنی لاپروائی کی امید نہ تھی۔

”آپ شام کو جلدی آ جائیے گا۔“ اس نے فیضان کی معنی خیز خاموشی محسوس ضرور کی مگر وہ وجہ سمجھنے سے قاصر رہی تھی اس نے فیضان کی خاموشی چڑ کر رخ موڑا اور اسے کوٹ پہنانے لگی۔

”تم امی کو بتا دینا، میں شام کو جلدی آنے کی کوشش کروں گا، تم دونوں سات بجے تک تیار رہنا۔“ فیضان نے کوٹ پہن کر اپنی کلائی پر رسٹ واچ باندھتے ہوئے یسریٰ پر اچھلتی نگاہ ڈالی۔

”فیضان آپ شاید سمجھے نہیں ہیں، آپی نے ہم دونوں کو انوائیٹ کیا ہے۔“ یسریٰ نے جھجک کر وضاحت کی، فیضان رک کر پلٹا۔

”تو پھر تم ہی چلی جانا، میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔“ ان کی شادی کے بعد دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو لبنیٰ آپی اپنے سسرالی رشتے داروں کے ہاں شادی میں گئی ہوئی تھیں، لبنیٰ نے آتے ہی دعوت کرنا چاہی تھی مگر وہ دونوں کہیں نہ کہیں انوائیٹڈ ہونے کی وجہ سے نہ جا سکے، دعوتوں کے بعد ان کا ہنی مون پیریڈ اور واپسی پر فیضان نے آفس جوائن کر لیا، سو وہ دعوت پر نہ جا سکے تھے، لبنیٰ کئی بار انہیں انوائیٹ کر چکی تھی، یسریٰ نے فیضان سے مشورہ کیے بناء لبنیٰ کو دعوت کے لئے ہاں کر دی لیکن فیضان اپنے والدین کے بغیر جانے پر تیار نہ تھا، یسریٰ اس کے انکار کی وجہ بخوبی جانتی تھی۔

”فیضان...... فیضان پلیز میری بات سنیں۔“ فیضان غصے سے تن فن کرتا راستے میں آئی ہر شے کو ٹھوکر مارتا ہوا چلا گیا یسریٰ پریشانی سے اس کے پیچھے لپکی، اسے لبنیٰ سے انکار کے امکان اور فیضان کی ناراضگی نے بیک وقت پریشان کر دیا تھا، فیضان رکے بناء گاڑی باہر نکال گیا۔

”کیا ہوا بیٹا؟“ یسریٰ پریشان سی ناکام واپس لوٹی تو فوزیہ نے کچن سے باہر آ کر پوچھا تھا وہ فیضان کو غصے سے جاتا دیکھ چکی تھیں۔

”کچھ نہیں۔“ یسریٰ زہر خند لہجے میں بولی اور ان پر تلخی بھری نظر ڈال کر تیزی سے کمرے میں گھس گئی وہ فوزیہ کی مداخلت پر غصے سے کھول اٹھی تھی۔

اس کا دماغ سوچ سوچ کر اور ٹانگیں مسلسل چلنے سے تھک کر شل ہو چکے تھے، امی نے فیضان کا رشتہ غربت کے باوجود اسی لئے پسند کیا تھا کہ انہیں اس میں ”تابعدار شوہر“ کی تمام خوبیاں نظر آئی تھیں، فیضان کی تابعدارانہ خوبیاں نجانے کہاں گم ہو گئی تھیں وہ اپنے والدین کے بارے میں کسی کمپرومائز پر آمادہ نہ تھا، یسریٰ بھی ان کی بہت عزت کرتی تھی لیکن جب فیضان انہیں اس پر فوقیت دیتا تو وہ غصے سے بل کھا کر رہ جاتی۔

”کیا تھا اگر فیضان آنٹی اور انکل کے بغیر چلے جاتے۔“ یسریٰ نے پریشانی سے ماتھا رگڑا، اسے لبنیٰ کی ناراضگی کا بھی احساس تھا، لبنیٰ اپنے سسرال سے الگ رہتی تھی، اس نے بہن اور بہنوئی کی دعوت بہنوئی پر امارت کا رعب جھاڑنے کے لئے ہوٹل میں کی تھی، سوچوں میں گم یسریٰ دفعتاً چونکی اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑا اپنا موبائل جھپٹا اور لبنیٰ کا نمبر پش کر دیا۔

”ہیلو۔“ اس نے چند ثانیے کے بعد لبنیٰ کی آواز سنی، اس نے لبنیٰ سے معذرت کے لئے مناسب بہانہ سوچ لیا تھا۔

”آپی ہم آج نہیں آ سکیں گے ایکچوئلی

آنٹی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" یسریٰ نے سلام دعا کے بعد فون کرنے کا مقصد ظاہر کیا۔

"کیوں تم لوگ ایک گھنٹے کے لئے تو آ سکتے ہو نا۔" لبنیٰ نے ماتھے پر تیوری چڑھائی وہ نوید سے دعوت کی بات کر چکی تھی اور اسے آفس سے سرِشام واپس آجانا تھا۔

"نہیں آپی ایک گھنٹہ بھی مشکل ہے۔" یسریٰ نے پہلو بدلا اور آہٹ پر نظریں دروازے پر جمادیں، بوا کمرے کی صفائی کے لئے آئی تھی اس نے انہیں اشارتاً بعد میں آنے کا کہا وہ پلٹ گئیں۔

"آپی! فیضان اپنے پیرنٹس کے بغیر آنے پہ راضی نہیں ہیں۔" بالآخر اسے آپی کی جرح پر حقیقت اگلنا پڑی۔

"واٹ۔" لبنیٰ حیرت سے اپنی جگہ پر اچھلتے ہوئے چلائی، یسریٰ شرمندگی سے چپ سادھے ہوئے تھی جیسے یہ بات اس کے لئے باعث شرمندگی ہو۔

"یسریٰ! تمہیں فیضان کو اپنی مٹھی میں کرنا ہوگا۔" لبنیٰ نے اپنی حیرت پر قابو پا کر اپنی دانست میں کامیاب ازدواجی زندگی کا گر بتایا تھا، یسریٰ اپنی ناکامی پر آہ بھر کر رہ گئی، لبنیٰ اسے کامیاب ازدواجی زندگی کے مزید گر بتانے لگی تھی ان دونوں کا موضوع گفتگو بدل چکا تھا۔

☆☆☆

شاپنگ مال میں خاصا رش تھا، یسریٰ دو گھنٹے سے مال کی خاک چھان رہی تھی لیکن اسے کچھ پسند نہ آ رہا تھا، فیضان اس کے ساتھ ساتھ پھر رہا تھا وہ یسریٰ کو کچھ پسند نہ آنے پر چڑنے لگا تھا۔

"فیضان یہ دیکھیں۔" یسریٰ کی نظرِ انتخاب بالآخر ایک سوٹ پر ٹھہر گئی اس نے سوٹ اپنے ساتھ لگاتے ہوئے فیضان کی توجہ چاہی تھی، بلیک فرنٹ اور وائٹ بیک والا ایمبرائیڈڈ سوٹ بلاشبہ بہت خوبصورت تھا اور اس کی دودھیا رنگت پر بے حد جچ رہا تھا، فیضان کی آنکھوں میں ابھرنے والی بے ساختہ ستائش نے یسریٰ کو مطمئن کر دیا۔

"یہ پیک کر دیں۔" یسریٰ نے پرائس ٹیگ فیضان کو دکھاتے ہوئے سوٹ کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے کاؤنٹر بوائے کو مخاطب کیا، اس نے سوٹ پیک کر کے مین کاؤنٹر پر اچھال دیا۔

"آپ وہاں سے جا کر پے منٹ کر کے سوٹ لے لیں۔" کاؤنٹر بوائے نے دوسرے گاہکوں کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے یسریٰ کو اشارہ کیا۔

"یسریٰ امی کے لئے بھی سوٹ لے لو۔" فیضان کو زنانہ شاپنگ کا تجربہ نہ تھا یسریٰ نے اپنے لئے دو سوٹ پسند کیے تو فیضان کو امی کا خیال آیا، یسریٰ کے ماتھے پر تیوری چڑھ گئی، اس نے کمال ہوشیاری سے اپنی خفگی چھپاتے ہوئے سستے کاؤنٹر سے ان کے لئے سوٹ پسند کرلیا۔

"یسریٰ یہ پندرہ سو کا ہے، تم کوئی اور سوٹ دیکھ لو۔" وہ سوٹ پیک کروانے کو تھی کہ فیضان نے دخل اندازی کی، یسری نے ناگواری بھری خاموشی سے اگلے کاؤنٹر کا رخ کیا۔

"یہ لے لیں۔" یسریٰ نے ایک سوٹ پسند کرتے ہوئے فیضان کو دیکھا، اسے لائٹ گرین اور براؤن مسک پرنٹڈ سوٹ بے حد بھایا تھا، فوزیہ کو سبز شیڈ کے سبھی کلرز بے حد پسند تھے، فیضان نے امی کی پسند کا کلر دیکھ کر سوٹ پیک کرنے کا اشارہ کیا، وہ سوٹس کی پے منٹ کر کے مین کاؤنٹر سے باہر آ گئے۔

"یہ تم کیا اٹھا لائی ہو۔" یسریٰ نے فیضان

کی تاکید پر امی کو شاپنگ دکھانے کے لئے شاپنگ بیگز سے نکالے تو وہ ایک سوٹ پر نظر پڑتے ہی بول پڑیں، لائٹ سی گرین سوٹ کا دوپٹہ اور بازو وائٹ نیٹ کا تھا جبکہ گلے اور دامن کے ڈیزائین میں خاصے بڑے سوراخ تھے جن سے بے پردگی کا احتمال تھا، یسریٰ فیشن اور جدید سٹائلش سوٹس کی دلدادہ تھی فوزیہ فیشن کے نہیں فیشن کے نام پر بے ہودگی کے سخت خلاف تھیں، یسریٰ انہیں اپنی شاپنگ نہ دکھانا چاہتی تھی مگر اسے فیضان کی خفگی کے خدشے سے انہیں دکھانا پڑی، یسریٰ کا منہ بن گیا۔

"بیٹا تم خود سمجھدار ہو تمہیں دیکھ بھال کر شاپنگ کرنی چاہیے تھی۔" فوزیہ کی نظریں دوسرے سوٹ پر جمی تھیں، جس کا گلا آگے اور پیچھے سے بہت ڈیپ تھا، گلے پر بنے بھاری کام کی وجہ سے گلا لٹک کر مزید گہرا ہو جاتا، انہوں نے دوسرے سوٹ کو تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنے سامنے پھیلا لیا۔

"اور اس کا گلا پہلے ہی اتنا گہرا ہے، بھاری کام کی وجہ سے مزید لٹک جائے گا۔" فوزیہ نے دوسرے سوٹ پر بھی اعتراض کر دیا تھا، رفیق اور فیضان ان سے یکسر لاتعلق سیاسی گفتگو میں محو تھے، یسریٰ بددل ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"بیٹا تم یہ سوٹ بدل کر لاؤ۔" فوزیہ نے اعتراض کے بعد دونوں سوٹس شاپرز میں ڈالنے کے بعد اسے شاپرز تھمائے اور اپنا سوٹ دیکھنے لگیں انہیں اپنا سوٹ پسند آ گیا تھا۔

یسریٰ نے غصے سے شاپرز صوفے پر پھینکے، دوپٹہ اتار کر گولے کی صورت دور اچھالا اور بیڈ پر اوندھے منہ گر گئی، بیڈ پر نیم دراز فیضان (جو چند ثانیے قبل آیا تھا) نے تحیر بھری الجھن سے اسے دیکھا۔

"آنٹی کو تو میری ہر چیز ناپسند ہوتی ہے۔"

فیضان کی استفہامیہ نظروں کے جواب میں یسریٰ بگڑ کر بولی، فیضان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"امی کو خواہ مخواہ نقص نکالنے کی عادت نہیں ہے یقیناً تمہاری پسند میں کوئی کمی ہوگی۔" فیضان امی کی عادت سے واقف تھا، وہ چیزوں میں بلاوجہ نقص نہ نکالتی تھیں اگر انہوں نے کوئی نقص نکالا تھا تو وہ بے جا نہ تھا، فیضان نے یسریٰ کے بگڑے موڈ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اسے سرتا پا سلگا دیا تھا۔

"ہاں...... ہاں آپ کو تو اپنی امی کے سامنے کوئی دوسرا صحیح لگ ہی نہیں سکتا۔" یسریٰ خفگی سے چیخی، فیضان نے اپنے اندر غصے کی تیز لہر ابھرتی محسوس کی، اس کی مٹھیاں غصہ ضبط کرنے کی کوشش میں بھنچ گئیں اور ماتھے پر رگ ابھر آئی تھی۔

"جسٹ شٹ اپ یسریٰ۔" وہ غصے سے کھولتے ہوئے بھینچے لہجے میں غرایا تھا، یسریٰ قدرے سہم کر چپکی رہ گئی، اس نے فیضان کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا، فیضان نے اسے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے لائٹ آف کر دی تھی۔

اس کی آنکھ صبح معمول سے لیٹ کھلی وہ گھڑی پر نظر پڑتے ہی جھٹکے سے اٹھ بیٹھا، یسریٰ اٹھ کر جا چکی تھی، وہ اس سے ناراض تھی جبھی اس نے فیضان کو جگانے کا تکلف نہ کیا تھا، کچن سے برتنوں کی کھڑ پڑ کی آوازیں آ رہی تھیں، وہ طویل سانس کھینچتا وارڈ روب سے کپڑے نکال کر واش روم کی سمت بڑھ گیا، وہ نہا کر لوٹا تو گھڑی کی سوئیاں سوا آٹھ بجا رہی تھیں وہ اور ابو ساڑھے آٹھ بجے آفس چلے جاتے تھے، بال سلجھاتے اور شرٹ کے بٹن بند کرتے مزید پانچ منٹس گزر گئے۔

"بیٹا آج اتنی لیٹ اٹھے ہو، یسریٰ بتا رہی تھی کہ تم اس کے جگانے پر بھی نہیں جاگے تھے۔" وہ ناشتہ کرنے کے لئے ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو فوزیہ اسے دیکھتے ہی بول اٹھیں، فیضان کو یسریٰ کی چالاکی پر غصہ آیا دراصل امی اسے جگانے کو کہہ رہی تھیں، وہ ناراضگی کے باعث آنا نہ چاہتی تھی، اسی لئے اس نے بہانہ بنا دیا تھا۔

"امی رات کو آنکھ دیر سے لگی تھی۔" فیضان نے دھیمے لہجے میں وضاحت دیتے ہوئے سالن کے ڈونگے کی طرف ہاتھ بڑھایا یسریٰ نے اسی کے سامنے سالن کا ڈونگا اور پراٹھا رکھ دیا، فیضان بے نیازی سے یسریٰ پر نظر ڈالے بناء ناشتہ کرنے لگا جیسے اسے یسریٰ کی ناراضگی کی بالکل پروا نہ ہو، یسریٰ کو فیضان کی بے نیازی سلگا گئی۔

"ہوں۔" وہ خفگی سے سر جھٹک کر ناشتہ کرنے لگی، اسے فیضان پر اپنی خفگی واضح کرنا تھی، فیضان کا امی کی طرف حد درجہ لگاؤ اسے کھلنے لگا تھا اسے اس کا امی کے پاس رات کو دیر تک بیٹھنا بھی برا لگتا تھا، وہ اس سے شدید ناراض تھی۔

"پانی۔" ناشتہ کرتے فیضان کو اچانک اچھو لگ گیا، فوزیہ نے یسری کے سامنے پڑے جگ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"میں ڈال دیتی ہوں۔" یسریٰ نے ان کے ہاتھ سے گلاس جھپٹنے کے انداز میں پکڑا اور پانی ڈال کر فیضان کی طرف بڑھایا، فوزیہ اس کے انداز پر دکھ سے ساکت رہ گئیں، یسریٰ کو ان کا انداز اور بے ساختہ اظہار محبت ڈرامہ لگا تھا، فیضان پانی پی کر آفس جانے کو تیار ہو گیا، رفیق صاحب کسی ضروری کام کی وجہ سے جلد آفس چلے گئے تھے، یسریٰ فیضان کو گیٹ تک چھوڑنے کی

بجائے اپنے کمرے میں چلی گئی، فوزیہ کی الجھی نگاہوں نے باری باری دونوں کا تعاقب کیا تھا۔

☆☆☆

"یسریٰ!" موسم میں حبس بڑھ گیا تھا یسریٰ کا سر صبح سے بھاری تھا، وہ کچن میں فوزیہ کا ہاتھ بٹا رہی تھی، اس کا دل یکا یک متلایا تو وہ منہ پر ہاتھ رکھے سنک کی طرف تیزی سے لپکی تھی، فوزیہ نے تشویش سے متلی سے بے حال ہوتی یسریٰ کو دونوں کندھوں سے تھام لیا۔

"کیا ہوا بیٹا؟" فوزیہ نے زرد پڑتی یسریٰ کو پکڑ کر کچن کے کونے میں رکھی ڈائننگ ٹیبل پر لا بٹھایا، وہ فریج سے پانی نکال لائیں، یسریٰ نے غٹا غٹ گلاس خالی کر دیا، اس کی طبیعت پانی پی کر قدرے بحال ہوئی۔

"پتہ نہیں امی، صبح سے چکر آ رہے ہیں۔" یسریٰ نے گلاس میں پانی بھر کر لبوں سے لگا لیا، فوزیہ چونک کر مسکرا دیں، انہیں اس کی بگڑی طبیعت کی وجہ سمجھ میں آنے لگی تھی۔

"تم میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلو۔" فوزیہ اسے ساتھ لئے اسی وقت قریبی کلینک پہنچ گئیں۔

"مبارک ہو آپ ماں بننے والی ہیں۔" ڈاکٹر نے رپورٹ دیکھ کر یسریٰ کو خوشخبری سنائی، فوزیہ خوشی سے کھل اٹھیں، انہوں نے محبت سے یسریٰ کو خود سے لگا لیا۔

"امی آپ تنہا سارا کام کرتی ہیں یسریٰ کو بھی ساتھ لگا لیا کریں۔" فیضان آفس سے لوٹا تو امی نماز مغرب پڑھ رہی تھیں، وہ نماز سے فراغت کے بعد کھانا تیار کرنے لگیں، فوزیہ یسریٰ کے کھانا تیار کرنے پر فارغ ہوتی تھیں اور فیضان انہی کے پاس وقت گزارتا تھا، یسریٰ کی پریگنینسی رپورٹ پوزیٹو آتے ہی امی نے گھر کے سارے کام اپنے ذمے لے لئے تھے، فیضان ان کے پاس کچن میں آ کر برتنوں میں جھانکنے لگا۔

"واؤ پالک گوشت۔" وہ اپنی پسندیدہ ڈش دیکھتے ہی خوشی سے کھل اٹھا تھا، اس نے چاولوں کو دم دیتی فوزیہ کے کندھوں کے گرد بازو حمائل کر دیئے۔

"آپ یسریٰ کو ساتھ لگا لیا کریں، آپ کو سہولت ہو جایا کرے گی۔" فیضان نے لاڈ سے ماں کے کندھے پر ٹھوڑی رکھی، کچن میں لیموں لینے کے لئے آتی یسریٰ کی سماعتوں نے اس کا جملہ کیچ کر لیا، وہ جل کر خاک ہو گئی، اس کا جی متلا رہا تھا، اس نے فیضان پر گھری نظر جماتے ہوئے فریج سے لیموں نکالا۔

"میں شوقیہ آرام نہیں کر رہی ہوں، میرا جی متلا رہا تھا۔" یسریٰ لبنیٰ آپی کی باتوں کے زیر اثر ان کی ہدایات پر عمل شروع کر چکی تھی، اسے اپنی کامیاب ازدواجی زندگی کے لئے فیضان اور امی میں فاصلے بڑھانے تھے، اسی لئے وہ گھر کے کام تقریباً چھوڑ چکی تھی، اس پر قدرت نے اسے سنہری موقع فراہم کر دیا تھا، فیضان لب بھینچے اسے گھور کر رہ گیا، وہ اس کی ساری بدتمیزیاں امی کی خاطر برداشت کر رہا تھا، اگلے پل وہ لمبے ڈگ بھرتی چلی گئی فوزیہ کی تادیبی نگاہوں نے یسریٰ کا تعاقب کیا تھا۔

☆☆☆

"تم مجھے کچھ پریشان لگ رہی ہو۔" فوزیہ نماز عشاء کے بعد اپنا روزمرہ وظیفہ کیے بناء سوچوں میں گم بیڈ پر لیٹی چھت کو گھور رہی تھیں تو اخبار کے مطالعے میں گم رفیق صاحب پوچھے بناء نہ رہ سکے، وہ فوزیہ کے پریشان چہرے کو دیکھ کر اخبار کا مطالعہ موقوف کر چکے تھے، انہوں نے اخبار تہہ کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

"رفیق میں یسریٰ اور فیضان کے لئے پریشان ہوں، کہیں میں نے انجانے میں فیضان کے ساتھ کچھ غلط تو نہیں کر دیا ہے۔" فوزیہ کی خواہش سلیقہ شعار اور سلجھی ہوئی بہو کی تھی وہ چاہتی تھیں کہ یسریٰ گھریلو امور میں دلچسپی لے کر ان کا ہاتھ بٹائے، وہ اپنی بیماری کی وجہ سے زیادہ کام نہ کر سکتی تھیں، یسریٰ گھریلو امور میں دلچسپی صفر تھی اور وہ سب سے اکھڑی اکھڑی رہتی تھی حتیٰ کہ وہ فیضان کو بھی خاطر میں نہ لاتی تھی اور اس سے الجھ پڑتی تھی۔

"اللہ بہتر کرے گا، تم کیوں پریشان ہوتی ہے، وہ تعلیمافتہ اور سمجھدار بچی ہے۔" رفیق نے ان کی پریشانی کم کرنا چاہی تھی۔

"میں بھی یہی سمجھتی تھی مگر ایسا نہیں ہے۔" فوزیہ نے تیزی سے ان کی بات کاٹ دی۔

"کیا مطلب، میں سمجھا نہیں۔" رفیق کے لہجے سے تشویش مترشح تھی، فوزیہ انہیں ساری بات بتانے لگیں، رفیق کے ساتھ پر سوچ کی لکیریں گہری ہوتے لگیں۔

"فوزیہ! آپا خود ہمارے پاس چل کر آئی تھیں تم نے ان کا دل توڑا تھا یہ قدرت کی طرف سے سزا ہے۔" رفیق کچھ دیر بعد گہری سوچ سے باہر نکلے، فوزیہ کا دل کانپ کر رہ گیا، وہ بے اختیار دھیرے سے گردن نفی میں ہلانے لگیں۔

رات کا آخری پہر تھا، اس کی آنکھ تیز چیخ نما آواز پر کھلی تھی، وہ تیزی سے پلٹا تو درد سے بے حال یسریٰ پر نظر پڑی، اس کا لاسٹ منتھ تھا، مگر اس کی ڈیلیوری ڈیٹ میں کافی دن تھے، فیضان نے تیزی سے اس کو سیدھا کیا، وہ درد ضبط کرتے ہوئے اپنا لب بھینچے ہوئے تھی۔

"فیضان میری طبیعت......" وہ درد سے جملہ پورا نہ کر پائی تھی اور جملہ ادھورا چھوڑ کر اس نے فیضان کا کالر مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"میں امی کو بلا کر لاتا ہوں۔" وہ اسے دلاسا دیتا فوزیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا، وہ چند ثانیے بعد اس کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔

"تم جلدی سے گاڑی باہر نکالو۔" فوزیہ نے درد سے بے حال یسریٰ کو فوراً چادر اوڑھائی، انہوں نے بعجلت یسریٰ کی وارڈ روب سے تیار بیگ نکالا اور اسے لئے گاڑی میں آ بیٹھیں، رفیق صاحب بھی جاگ چکے تھے، فیضان ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے انہی کا منتظر تھا، ان دونوں کے بیٹھتے ہی اس نے گاڑی کا رخ قریبی پرائیویٹ کلینک کی طرف موڑ دیا، جہاں سے یسریٰ گائنا کالوجسٹ سے ماہانہ چیک اپ کروائی تھی۔

"مبارک ہو بیٹا پیدا ہوا ہے۔" ان کے پہنچتے ہی یسریٰ کو لیبر روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا، فوزیہ اور فیضان نے ہاسپٹل کا روم لے لیا تھا وہ وہیں بیٹھے انتظار کر رہے تھے، نرس نے آ کر انہیں مبارکباد دی۔

"مبارک ہو امی۔" فیضان خوشی سے بے قابو ہو کر ماں کے گلے لگ گیا تھا، اس کے وجود سے پھوٹتی خوشی نے فوزیہ کو پرسکون کر دیا۔

"تمہیں بھی مبارک ہو بیٹا، اللہ بچے کو لمبی عمر اور نیک ہدایت نصیب کرے۔" فوزیہ نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر پوتے کی سلامتی کی دعائیں مانگیں، اسی اثناء میں یسریٰ اور بچے کو کمرے میں شفٹ کر دیا گیا تھا، اس کا کیس نارمل تھا، فوزیہ نے بہو کی پیشانی چوم کر بچے کو اپنی آغوش میں لے لیا، فیضان نے جھک کر بیٹے کی پیشانی چوم لی، فوزیہ نے بچہ اس کی گود میں دے دیا، فیضان نے بیٹے کو سینے سے لگاتے ہوئے یسریٰ کو محبت پاش نظروں سے دیکھا، وہ پرسکون تھی، وہ شوہر کی والہانہ محبت بھری نظروں سے محجوب ہو کر آسودگی سے مسکرا دی۔

☆☆☆

"یسریٰ زیادہ کو لے کر باہر آؤ شازیہ باجی بچہ دیکھنے آئی ہیں۔" فوزیہ کمرے میں داخل ہوئیں تو کمرے میں گھپ اندھیرا تھا، انہوں نے کھڑکی کے پردے ہٹائے تو دھوپ نے موقع پاتے ہی ایک سیکنڈ میں سارے کمرے کو روشن کر دیا، یسریٰ کا بیڈ کھڑکی کے عین سامنے تھی، وہ ساری کی ساری دھوپ میں نہا گئی، اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں، فوزیہ اسے ہدایت کر کے باہر نکل گئیں، زیاد کا عقیقہ ایک ہفتے میں ہو گیا تھا، شازیہ باجی اپنی منجھلی بیٹی کے ہاں گئی ہوئی تھی، وہ صبح ہی لوٹی تھیں اور چند گھنٹے آرام کر کے بہن کا پوتا دیکھنے آ گئی تھیں۔

یسریٰ اٹھ کر کھڑکی میں آ گئی، زیاد سویا ہوا تھا، صحن میں امی اور شازیہ خالہ محو گفتگو تھیں، شازیہ خالہ کے چہرے پر سفر کی تھکان واضح تھی وہ تھکن کی وجہ سے جلد واپس گھر جانا چاہتی تھیں۔

"فوزیہ یسریٰ کو بلاؤ، مجھے تھکن محسوس ہو رہی ہے میں گھر جاؤں پھر۔" انتظار کی کوفت نے شازیہ خالہ کے لہجے میں بیزاری سمو دی تھی، شازیہ خالہ نے اپنا ماتھا دبایا، غالباً ان کا سر بھی دکھ رہا تھا۔

"باجی آپ بیٹھیں، اتنی جلدی بھی کیا ہے وہ آتی ہے تیار ہو رہی ہو گی۔" یسریٰ گھر آئے مہمانوں سے بھی بنا تیاری کے نہ ملتی تھی وہ ہلکا میک اپ کر کے رکھتی تھی، فوزیہ نے فوراً اس کی سائیڈ لی۔

"آپ بیٹھ ہی جائیں خالہ۔" کھڑکی میں موجود یسریٰ کے کانوں نے جملے بخوبی کیچ کر لئے تھے، اس کے لبوں پر زہر خند مسکراہٹ پھیل گئی، وہ بیٹا پیدا ہونے کے بعد لبنیٰ کی ہدایات کے زیر اثر تھی وہ بہن کی نصیحتوں پر پورے دل سے عمل پیرا تھی، فیضان نے امی کی خاطر اس کی بہن کی دعوت قبول نہ کی تھی اس کے دل سے قلق ختم نہ ہوا تھا، وہ امی کو ان کی بہن کے سامنے شرمندہ کر کے اپنے انتقام و قلق کم کرنا چاہتی تھی۔

"یسریٰ!" سوچوں میں گم یسریٰ کی نظر کمرے کی طرف آتی فوزیہ پر پڑی تو وہ سرعت سے بیڈ پر آ کر لیٹ گئی، فوزیہ انتظار کر کے تھک ہار کر آئی تھیں۔

"یسریٰ بیٹا! باجی عجلت میں ہیں تم جلدی آؤ۔" فوزیہ نے نرمی و محبت سے بظاہر سوئی یسریٰ کا کندھا ہلایا۔

"امی میں آتی ہوں۔" یسریٰ اپنے لہجے میں مصنوعی خفت سموتے ہوئے واش روم میں گھس گئی، فوزیہ سر ہلا کر چلی گئیں، اس کا ارادہ واش روم میں کچھ دیر لگانے کا تھا، یہ نہ تھا کہ وہ جانا نہ چاہتی تھی، وہ محض انہیں تنگ کرنا چاہتی تھی، وہ انہیں انتظار کی اذیت سے دوچار کر کے جانا چاہتی تھی۔

"فوزیہ تم زیاد کو اٹھا کر لے آؤ میرے پاس۔" فوزیہ نے لوٹ کر باجی کو یسریٰ کے واش روم میں جانے کا بتا کر گفتگو کا ٹوٹا سلسلہ جوڑ دیا تھا، شازیہ خالہ نے مزید انتظار کر کے فوزیہ کو بچہ لانے کا کہا، وہ زیادہ انتظار نہ کر سکتی تھیں، انہیں تھکن کے باعث بخار کی حدت محسوس ہونے لگی تھی، فوزیہ بھی بار بار یسریٰ کا دفاع کر کے ان کے سامنے شرمندہ ہو رہی تھیں، وہ سر ہلا کر یسریٰ کے کمرے میں آئیں، وہ واش روم میں تھی، واش روم میں خاموشی تھی، انہوں نے چند ثانیے اس کا انتظار کیا وہ باہر نہ نکلی تو انہوں نے بیڈ پر سوئے زیاد کو نرمی سے اٹھایا اور باہر نکل گئیں۔

"ماشاءاللہ...... ماشاءاللہ یہ تو پورا اپنے باپ پر گیا ہے۔" انہوں نے بچہ شازیہ باجی کی گود میں ڈال دیا، شازیہ باجی نے ننھے معصوم زیاد کی بے ساختہ بلائیں لے ڈالیں، انہوں نے شفقت سے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور اس کے ننھے ہاتھوں پر اپنے پرس سے دو ہزار نکال کر رکھ دیئے۔

"ارے ارے۔" فوزیہ انہیں منع کرتی رہ گئیں مگر انہوں نے زیاد کی مٹھی بھر دی۔

"تیری خوشی مجھے کم عزیز تو نہیں ہے فوزیہ۔" شازیہ باجی نے محبت سے ان کے ٹوکنے کا برا مناتے ہوئے انہیں گھر کا، وہ خاموش رہ گئیں۔

"میں چلتی ہوں فوزیہ، آج میں سفر سے بہت تھکی ہوئی ہوں پھر کسی دن فرصت سے آؤں گی۔" شازیہ باجی زیاد کی پیشانی چومتی گھٹنوں پر دباؤ ڈالتی کھڑی ہو گئیں، فوزیہ انہیں گیٹ تک چھوڑنے آئی تھیں، پھر انہوں نے پلٹ کر ننھے زیاد کو (جو ابھی تک محو نیند تھا) کمرے میں چھوڑ آئیں اور دوپہر کا کھانا تیار کرنے لگیں۔

یسریٰ من چاہا وقت واش روم میں خواہ مخواہ ضائع کر کے باہر نکلی تو اسے صحن میں چھائے سکوت نے چونکا دیا، اس نے دبے پاؤں کمرے کے دروازے سے باہر جھانکا، صحن خالی تھا اور امی کچن میں مصروف تھیں، وہ لحہ بھر کو نادم ہو گئی، پھر لبنیٰ آپی کی نصیحتیں یاد آتے ہی خود کو شاباش دینے لگی، آخر اس کا پلان کامیاب رہا تھا بلکہ اس کی توقع سے بڑھ کر کامیاب ہوا تھا، خالہ زیاد کو دیکھنے کی حسرت دل میں لئے لوٹ گئی تھیں اور امی بہن کے لئے پریشان ہوں گی۔

"اب فیضان اور امی کو احساس ہو گا کہ اس نے آپی کی دعوت ٹھکرا کر میرا کتنا دل دکھایا تھا۔"

وہ بجائے شرمندہ ہونے کے انتقامی انداز میں سوچ رہی تھی، اس کے چہرے پر سکون پھیلا تھا، امی کچن میں کام میں مصروف کوئی شے لینے کے لئے پلٹیں تو یسریٰ ان کی نظروں میں آنے کے خدشے کے باعث سرعت سے پیچھے ہٹی اور دبے پاؤں بنا آہٹ کیے زیاد کے پاس آ گئی۔

"ہائیں۔" وہ اپنی کامیابی پر مسرور و شاداں بیٹے کی پیشانی چومنے کو تھی کہ اس کے ننھے ہاتھوں کے نیچے دبے نوٹ دیکھ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا، اسے دھیرے دھیرے سارا معاملہ سمجھ میں آنے لگا، امی اسے آ کر خالہ کو دکھا لائی تھیں اور خالہ عجلت کے باعث زیادہ دیر بیٹھے بنا چلی گئی تھیں اور وہ...... وہ نادان بے وقوف بنی تھی، وہ اپنی بے وقوفی میں اپنی کامیابی کو کامیابی تصور کر کے خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی۔

اس کی آنکھوں سے غصے و انتقام کی آگ لپکنے لگی، وہ امی کی آہٹ تک نہ سن پائی تھی، ورنہ وہ اسی لحہ واش روم سے باہر نکل آتی، وہ امی کی نظروں میں بری بھی بنی تھی اور اس کا پلان بھی ناکام رہا تھا۔

"میں فیضان کے سامنے صاف انکار کر دوں گی۔" اس کی شرارت امی کی جہاندیدہ نظروں سے مخفی نہ رہ سکتی تھی وہ اس کی شرارت سمجھ کر فیضان کو بتا کر اسے غصہ دلا سکتی تھیں، یسریٰ کا سازشی ذہن تیزی سے آئندہ کا لائحہ عمل مرتب کر رہا تھا، حالانکہ فوزیہ نے کبھی بیٹے یا شوہر کے سامنے اس کی برائی یا شکایت نہ لگائی تھی، اس کا خون اشتعال سے گرم ہو گیا اور آنکھوں سے شرارے پھوٹنے لگے۔

☆☆☆

تجھے اوڑھوں یا تیرا لباس ہو جاؤں
تیرے رنگوں میں ڈھل کر اک احساس ہو جاؤں
اک راحت جو ملے مجھے تیری ذات سے
تو سمندر بنے اور میں پیاس ہو جاؤں
تیرے وجود سے ہے میرے چہرے پہ خوشیوں کی دھنک
تیرا چہرہ نہ دیکھوں تو اداس ہو جاؤں
فقط اتنی سی خواہش ہے کہ تیری زندگی میں شامل ہوں
پھر بھلے قصہ بنوں یا قیاس ہو جاؤں
تیرے لب تیرے ہاتھ میرا اک اک نقش امر کر لیں
تو مجھے بھول نہ پائے میں اتنا خاص ہو جاؤں

یسریٰ بیڈ پر نیند میں محو تھی زیاد کاٹ میں سو رہا تھا، وہ اسٹڈی میں رات گئے مطالعہ کر کے آیا تھا، نیند میں یسریٰ کے چہرے پر پھیلی معصوم چمک اور بھولپن نے اس کے سوئے حواس جگا ڈالے تھے وہ چینج کر کے یسریٰ کے مخالف سمت لیٹنے لگا تو سوئی ہوئی یسریٰ نے اس کی توجہ کھینچ لی، وہ چند روز سے اظہار ناراضگی سے اس کے مخالف سمت سوتا تھا وہ اس سے اس کی شازیہ خالہ سے بد سلوکی کی وجہ سے خفا تھا۔

وہ بے خیالی میں محبت سے اسے دیکھنے لگا، وہ اس کی محبت تھی، وہ اسے اس کی تمام تر بدتمیزیوں کے باوجود دل و جان سے عزیز تھی اور وہ زیاد کی ماں بھی تو تھی، اس نے ذرا فاصلے پر کاٹ میں سوئے زیاد کو نظروں سے چوما تھا، وہ آہستگی سے بنا آہٹ کیے یسریٰ کے قریب نیچے کارپٹ پر دو زانو بیٹھ گیا، اس نے نرمی سے دائیں ہاتھ کی پشت اس کے گالوں سے رگڑی، یسریٰ نے ذرا کسمسا کر کروٹ بدل لی، اس نے تیزی سے ہاتھ پیچھے کر کے دم سادھ لیا، وہ اس کے سامنے خود کو کمزور ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا، یسریٰ کے سینے کے زیر و بم نے اس کے اندر کے مرد کو جگا دیا، وہ مٹھیاں بھینچ کر بیڈ کی پٹی پر رخ موڑے ٹک گیا، اس نے آنکھیں بند کر کے خود کو نارمل کرنے کی سعی کی، اس نے اندر گھٹن بڑھتی جا رہی تھی، اس نے بڑھ کر کھڑکی کھول دی، تازہ ہوا نے اس کی گھٹن زدہ حبس کم کی۔

"فیضان آپ ابھی تک سوئے نہیں ہیں۔" کمرے میں تازہ ہوا سے خنکی بڑھ گئی اوائل اکتوبر کے دن تھے، یسریٰ کی آنکھ خنکی سے کھل گئی تھی، یسریٰ کی آواز اس کی پشت پر ابھری تو وہ چونک کر پلٹا، دونوں کی نظریں الجھ گئیں، یسریٰ فطرتاً صاف دل کی مالک تھی، وہ فیضان سے شدید محبت کرتی تھی اور اس کا ہر طرح خیال رکھتی تھی، اسے فیضان اور امی کی ناراضگی کی پرواہ بھی ہوتی تھی، نجانے اب ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ ضد پر اتر آئی تھی اور فیضان کی ناراضگی کو کسی خاطر میں نہ لاتی تھی۔

"مجھے گرمی سے نیند نہیں آ رہی تھی۔" فیضان نے بمشکل اس کے دلکش چہرے سے نظریں ہٹائیں وہ اس کے دل کا چین و سکون تھی۔

"تو آپ نے مجھے جگا لیا ہوتا۔" یسریٰ نے نرمی سے اس کے بازو کو پکڑا فیضان بدک کر یوں پیچھے ہٹا جیسے اسے کرنٹ لگا ہو، اس نے بمشکل اپنے جذبات کو تھپک کر سلایا تھا، اس کے ماتھے پر سبز رگ ابھر کر نمایاں ہو گئی۔

"کیا ہوا؟" یسریٰ نے تحیر سے اس کے گریز پر احتجاج کیا، اسے فیضان کا گریز سیخ پا کر گیا تھا، اس کے من موہنے چہرے کو غصے کی سرخی نے مزید دلکش بنا دیا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ اسے ٹالتا بیڈ پر لیٹ گیا یسریٰ لب بھینچے اسے دیکھتی رہ گئی، کمرے میں خنکی بڑھ گئی تھی اس نے آگے بڑھ کر فیضان کو چادر اوڑھائی اور اس کے پہلو میں جگہ سنبھال لی، فیضان اس کی موجودگی نظر انداز کر کے سونے کی

کوشش کرنے لگا، یسریٰ کے لئے فیضان کا گریز چیلنج بن گیا تھا اس نے اپنا بازو اس کے سینے پر رکھ دیا، فیضان نے لب بھینچ کر اسے گھورا، یسریٰ نے اس کے غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنا ہاتھ فیضان کے گال کے نیچے رکھ دیا، فیضان کے لئے رات امتحان سے کم نہ تھی، وہ جتنا اس سے دور بھاگتا وہ اتنا اس کے گریز کو بھانپ کر قریب ہونے کی کوشش کرتی، اس نے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

موسم بے حد خوشگوار تھا، یسریٰ میکے دو ہفتے گزار کر کل ہی لوٹی تھی، اتوار کی چھٹی تھی، ابو اور فیضان بھی گھر پر تھے، امی نے ناشتہ میں حلوہ پوری بنائی تھی، ابو اور فیضان نے ڈٹ کر ناشتہ کیا تھا۔

”فیضان بیٹا تم آج دوپہر کو کیا کھاؤ گے۔“ فوزیہ بیٹے کی ہر خواہش پورا کرنے کی کوشش کرتی تھی انہوں نے حسب عادت بیٹے کی پسند جاننا چاہی ناشتہ بھی اسی کی فرمائش پر بنا تھا۔

”امی آپ نہاری بنالیں۔“ فوزیہ کے ہاتھ کی بنی نہاری سارے خاندان میں ضرب المثال تھی، فیضان نے چائے کا آخری گھونٹ بھرا اور بیٹے کو گود میں اٹھالیا۔

”امی آج دوپہر کا کھانا فیضان کی پسند کا میں بناؤں گی۔“ یسریٰ نے دخل اندازی کی، زیاد سے کھیلتے فیضان نے چونک کر نگاہ ناشتے کے برتن سمیٹتی یسریٰ پر ڈالی۔

”ابو آپ چکن اور مٹن لے آیئے گا میں آج چکن کڑاہی اور مٹن قورمہ بناؤں گی۔“ یسریٰ نے ابو کو مخاطب کیا، فوزیہ اور رفیق کی نظریں ملیں تو فوزیہ نے نظریں چرالیں، یسریٰ کے استحقاق بھرے لہجے نے انہیں رفیق کے سامنے نادم کر دیا۔

”یسریٰ تم نہاری بناؤ۔“ فیضان نے غصے سے دبے لہجے میں اسے ٹوکا اس کا بات بے بات امی سے اختلاف بڑھتا ہی جارہا تھا، فیضان مصلحتاً صرف نظر کیے ہوئے تھا مگر اس کی برداشت جواب دے گئی تھی۔

”فیضان آپ کو مٹن قورمہ اور چکن کڑاہی بہت پسند ہے نا۔“ یسریٰ نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں، فیضان کا غصے سے اس کی گردن مروڑنے کو جی چاہا، ابو اور امی ان کی تکرار خاموشی سے سن رہے تھے۔

”فیضان بیٹا میں مٹن اور چکن لے آؤں گا، یسریٰ بیٹی تمہاری پسندیدہ ڈشز بنا دے گی۔“ فیضان برتن اٹھا کر کچن کی طرف بڑھتی یسریٰ پر گرجنے کو تھا کہ ابو نے نرمی بھری رسانیت مگر بے لچک لہجے میں جھگڑا سمیٹا، وہ چاہ کر بھی کچھ نہ کہہ پایا تھا، اس کے دل میں یسریٰ کے لئے کدورت مزید بڑھ گئی تھی، جبکہ یسریٰ اپنی دانست میں فوزیہ کو شکست دے کر جی میں بہت خوش تھی۔

☆☆☆

”دادو میں آ گیا۔“ وقت تیزی سے گزرتا رہا زیاد دو سال کا ہو چکا تھا، اس کی توتلی زبان میں باتیں گھر کی رونق تھیں فوزیہ نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن پاک میں مشغول تھیں، ننھا زیاد ان کی گود میں چڑھ گیا فوزیہ نے محبت سے پوتے کا منہ چوم لیا، زیاد نے تلاوت قرآن پاک میں محو فوزیہ کا دوپٹہ مٹھی میں جکڑ لیا، فوزیہ اس کی معصوم شرارتوں پر ہنس دیں، زیاد کچھ دیر ان کے دوپٹے سے کھیلنے کے بعد اکتا کر قرآن پاک کی طرف لپکا، انہوں نے قرآن پاک کے صفحے کے شہید ہونے کے خدشے سے اسے گود سے اتار کر تلاوت جاری رکھی۔

زیاد دادی کی گود سے اتر کر صحن کے کونے میں بنے کچن میں چلا گیا اس نے ہاتھ مار کر صابن نیچے گرا لیا، فوزیہ کی تلاوت باقی تھی انہوں نے اسے اشارے سے منع کیا، زیاد ان کے اشارے کو سمجھے بنا صابن سے کھیلنے میں مگن رہا، فوزیہ نے بعجلت تلاوت مکمل کی۔

”زیاد بیٹا!“ فوزیہ نے اس کے ہاتھ سے صابن لے کر اونچی جگہ پر رکھ دیا۔

”الو کی پٹھی۔“ زیاد کا پسندیدہ مشغلہ میں خلل پڑا تو وہ بولا، واش روم کی سمت جاتی فوزیہ نے رک کر اس کے پھول سے گال پر ایک چھپڑ جڑ دیا وہ اشتعال سے سرخ پڑ گئیں، زیاد بھاں بھاں کر کے رونے لگا، معصوم بچے کے رونے کی آواز نے انہیں ہوش دلا کر ان کا غصہ ٹھنڈا کیا مگر ان سے گالی برداشت نہ ہو رہی تھی، وہ اس کے رونے کی پرواہ کیے بغیر اس کے ہاتھ دھلا کر اسے اپنے کمرے میں لے آئیں۔

”زیاد کیوں رو رہا ہے۔“ زیاد کا رونا کم ہو چکا تھا رفیق اس کے رونے سے جاگ کر فوزیہ سے استفسار کرنے لگے۔

”مجھے بالکل اندازہ نہ تھا کہ یسریٰ بچے کو گالی بھی سکھائے گی۔“ فوزیہ کی آنکھوں میں بدگمانی ہلکورے لے رہی تھی۔

”بھلی لوگ کیوں یسریٰ کے متعلق ایسا سوچتی ہو۔“ رفیق سارا معاملہ سمجھ چکے تھے انہوں نے نرمی سے ان کے غلط فہمی دور کرنا چاہی، زیاد دادی کی گود سے نکل کر دادا کی گود میں دبک گیا تھا، اس کے گال پر تھپڑ اور آنسوؤں کے نشانات تھے۔

”کیا ہوا امی!“ یسریٰ کی آنکھ زیاد کے رونے سے کھلی تو وہ فیضان کو بھی اٹھا کر ساتھ لے آئی، وہ اسے دکھانا چاہتی تھی کہ دادی معصوم پوتے پر مار پیٹ کرتی ہے وہ معاملے سے بے خبر ہونے کے باوجود فیضان کو ماں سے بدگمان کرنا چاہتی تھی تاکہ فیضان اس پر ماں کو فوقیت دینا چھوڑ دے، فیضان نے ماں سے استفسار کرتے ہوئے زیاد کو گود میں اٹھالیا، گو وہ چپ تھا لیکن اس کے چہرہ آنسوؤں سے ابھی تک تر تھا، یسریٰ کی آنکھوں میں عیار چمک تھی، وہ فوزیہ کو کڑی نظر سے دیکھنے کے بعد زیاد کی طرف بڑھی۔

”تم دونوں بچے کی کیا تربیت کر رہے ہو کیا اسے بڑوں کو گالیاں دینا سکھا رہے ہو۔“ فوزیہ کی جہاندیدہ ذہن یسریٰ کی سوچ سے آگاہ ہو گیا، انہوں نے سجاؤ سے بات بنائی تاکہ بیٹے کو محسوس نہ ہو کہ وہ زیاد کی شکایت لگا رہی ہیں۔

”کیا اس نے آپ کو گالی دی ہے۔“ فیضان نے کچا کھا جانے والی نظروں سے یسریٰ کو گھورا، وہ اسے ہر طرح سے سمجھا کر تھک چکا تھا، یسریٰ اپنی روش بدلنے کو تیار ہی نہ تھی، ہر روز اک نیا مسئلہ اک نیا جھگڑا اس کا منتظر ہوتا تھا، وہ ذہنی انتشار کا شکار رہنے لگا تھا۔

”امی سوری۔“ شوہر کے بگڑے تیور دیکھ کر اور اپنی چال خود پر الٹی پڑتے ہی یسریٰ ہکلائی تھی، اس نے شوہر کو بھڑکانے کا منصوبہ بنایا تھا، مگر اب مصالحت میں ہی عقلمندی تھی۔

”یسریٰ بیٹا، میں یہ نہیں کہتی کہ تم نے اسے گالیاں سکھائی ہیں، اس نے نیا نیا بولنا شروع کیا ہے تم اسے پہلا کلمہ سکھاؤ۔“ فوزیہ نے رسانیت سے یسریٰ کو دیکھتے ہوئے فیضان کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا تھا، وہ ان کی اور رفیق کی موجودگی کی پرواہ کیے بغیر اسے مسلسل غصے سے گھور رہا تھا۔

”جی امی۔“ یسریٰ فوزیہ سے بھلے کھلم کھلا اختلاف رکھتی ہو مگر فیضان کا غصہ اس کا خون خشک کر دیتا تھا، اس نے اندر ہی اندر غصے سے پیچ

وتاب کھا کر بظاہر فرمانبرداری سے سر ہلایا اور زیاد کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

"ارے آپا آپ۔" فوزیہ کو ملیریا بگڑنے پر ہاسپٹل ایڈمٹ کروایا گیا، آپا فاطمہ نے سنا تو وہ ان کی عیادت کے لئے ہاسپٹل پہنچ گئی تھیں، فیضان یسریٰ کو آفس ان دونوں کے لئے ناشتہ لے کر آئی تھی فوزیہ کی حالت کافی بہتر تھی، وہ تکیے سے ٹیک لگائے سیب کھا رہی تھیں، یسریٰ ان کی پلیٹ میں سیب کاٹ کر رکھ رہی تھی، رفیق کی نظر فاطمہ آپا پر سب سے پہلے پڑی وہ احتراماً کھڑے ہو گئے، آپا نے یسریٰ اور رفیق کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرنے کے بعد فوزیہ کو سینے سے لگا لیا۔

"کیسی ہو فوزیہ۔" آپا نے اپنے مخصوص مشفق لہجے میں احوال پوچھا تھا، ان کے چہرے و لہجے سے کہیں بھی غصہ یا نفرت نہ تھی اور نہ ہی ان کی محبت کم ہوئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں آپا، مجھے کل ڈسچارج کر دیا جائے گا۔" آپا کے نرم و محبت بھرے لہجے نے فوزیہ کے دل سے ملال دھو ڈالا تھا۔

آپا فیضان کی شادی کے بعد تین چار بار ہی ان کے ہاں آ سکی تھیں، وہ پہلے سے کافی ضعیف و نحیف لگ رہی تھیں۔

"آپا آپ سنائیں آپ کی طبیعت کیسی رہتی ہے۔" رفیق نے ان کی کمزوری محسوس کی تو ان کے لہجے میں تشویش سمٹ آئی۔

"اب تو میرا چل چلاؤ کا وقت ہے بیٹا۔" آپا نے مسکرا کر رسانیت سے جواب دیا۔

"اللہ نہ کرے، آپ کو کچھ ہو آپا۔" رفیق تڑپ اٹھے ان کے لہجے سے ماں جیسی عقیدت ٹپک رہی تھی، یسریٰ نے پلیٹ میں سیب کاٹ کر آپا اور انکل کے سامنے رکھے۔

"نہ بیٹا تم تکلف نہ کرو۔" انہوں نے یسریٰ کے ہاتھ میں تھمی پلیٹ پیچھے کی، ان کے لہجے میں چھپی آسودگی اور خوشی نے فوزیہ اور رفیق کے دل ملول کر دیئے، فوزیہ کا بھی آپا کے ہاں جانا کم ہو چکا تھا، شائنہ اپنے گھر خوش و آباد تھی، اس کا شوہر جاب کے ساتھ ایل ایل بی کر کے ٹاپکسٹ سے وکیل بن گیا تھا، وہ دو پیارے بچوں کی ماں تھی، آپا کے چہرے پر پھیلا سکون شائنہ کی خوشیوں کی نوید دے رہا تھا، آپا نے یسریٰ کو محبت سے اپنے پاس بٹھا لیا، رفیق کو سوچوں میں گم فوزیہ نے ملول کر دیا تھا، وہ شائنہ کو پسند کرتے تھے اور اسے بہو بنانے کے حق میں تھے جبکہ فوزیہ کو شائنہ فیضان کے لئے کسی طور موزوں نہ لگی تھی۔

"اگر یسریٰ کی جگہ شائنہ ان کی بہو ہوتی تو ان کا گھر جنت جیسا ہوتا۔" رفیق نے یاسیت سے یسریٰ سے باتوں میں گم آپا کو دیکھا، فوزیہ کے لبوں پر چپ تھی شائنہ نے ہنر و سلیقہ، سگھڑاپا سبھی کچھ ماں کا چرایا تھا یسریٰ بدسلیقہ یا پھوہڑ نہ تھی مگر فوزیہ کو اس سے بہت شکایتیں تھیں، ان کی شکایتیں بے جا نہ تھیں، یسریٰ نے ان سے اک انجانا بیر باندھ لیا تھا، رفیق صاحب سارا دن گھر نہ رہتے تھے مگر وہ گھریلو سیاست سے ناواقف بھی نہ تھے، رفیق انجانے میں یسریٰ اور شائنہ کا تقابل کرنے لگے۔

☆☆☆

گھر میں خوب رونق لگی ہوئی تھی، فوزیہ ڈسچارج ہو کر گھر آ گئی تھیں، یسریٰ کے میکے والے فوزیہ کی عیادت کو آئے ہوئے تھے، حالانکہ رفیق اور فوزیہ نے گھر میں دعوت کا اہتمام کرنے کی بجائے یتیم خانے اور غرباء میں نیاز بانٹنے کو ترجیح دی تھی، دیگیں تیار ہوئی تو رفیق اور فیضان

نے نیاز بانٹنے کا کام سنبھال لیا۔

"یسریٰ تم اپنی ساس کی بڑی خدمتیں کرنے لگی ہو۔" فیضان اور رفیق نیاز بانٹ کر گھر کچھ دیر قبل ہی لوٹے تھے، رفیق خاصا تھک چکے تھے وہ آرام کی غرض سے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے جبکہ فیضان فریش ہونے کے لئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، وہ اندر داخل ہونے کو تھا کہ اس کے کانوں سے لبنیٰ کا تیکھا لہجہ ٹکرایا، وہ کچھ سوچ کر رک گیا۔

"آپی وہ بیمار ہیں اگر میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہوں تو کیا حرج ہے اس میں۔" یسریٰ نے ناگواری سے بہن کو ٹوکا، وہ دونوں اوپر تلے کی بہنیں ہونے کے ساتھ بہترین سہیلیاں بھی تھیں، فیضان کو ٹوہ کی عادت نہ تھی وہ محض یسریٰ کا پوائنٹ آف سننا چاہتا تھا، ان دونوں کے بیچ وسیع خلیج حائل ہوتی جا رہی تھی، دلوں میں بدگمانیاں جڑ پکڑ رہی تھیں اور جب دلوں میں بدگمانیاں جگہ پا لیں تو وہ محبت کو دل کی سرزمین سے کھرچ ڈالتی ہیں، اسے یک گونہ سکون ملا۔

"پھر بھی یسریٰ تم......" لبنیٰ نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"آپی پلیز۔" یسریٰ نے نرمی سے اس کی بات کاٹ دی، فوزیہ ہمہ وقت گھر کے کاموں میں لگی رہتی تھیں، انہیں آرام کی سخت ضرورت تھی مگر وہ یسریٰ سے زیادہ کام کرتی تھیں۔

"میں تمہارا بھلا چاہتی ہوں، نہیں تو نہ سہی۔" لبنیٰ کے ماتھے پر تیوریاں چڑھ گئیں، اس کو یسریٰ کا ٹوکنا بہت برا لگا تھا، وہ رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔

"آپی آپ مجھ سے ناراض ہو گئی ہیں۔" یسریٰ نے اسی کی خاطر فوزیہ سے بدگمانی و بیر پالا تھا، وہ اس کی خفگی کیسے سہتی، وہ لبنیٰ کی خفگی پر پریشان ہو گئی۔

"السلام علیکم فیضان بھائی۔" کمرے میں چھائی گہری خاموشی لبنیٰ کی ناراضگی پریشانی ظاہر کر رہی تھی واقعی وہ اس کی خاموشی سے پریشان تھی، فیضان اندر داخل ہوا تو لبنیٰ نے بشاشت بھرے و مسکراتے چہرے سے ان کا استقبال کیا، فیضان کے چہرے پر سکون و اطمینان اور دل مسرور تھا۔

"وعلیکم السلام۔" فیضان باری باری دونوں پر نظر ڈال کر واش روم چلا گیا لبنیٰ کے مسکرانے سے یسریٰ کے چہرے پر اطمینان چھا گیا، لبنیٰ بھی اس سے زیادہ دیر خفا نہ رہ سکتی تھی، اس نے موضوع گفتگو بدل دیا۔

اسے لبنیٰ سے باتوں میں مگن اک انجانے احساس نے اپنی گرفت میں جکڑا تھا، اس نے چونک کر بند دروازے کو چند ثانیے گھورا، باتوں میں مگن لبنیٰ نے اس کا چونکنا محسوس نہ کیا تھا۔

"پھر بھی یسریٰ تم......" لبنیٰ آپی یقیناً اسے اپنی قیمتی آراء سے نوازنے کو تھی کہ یسریٰ نے سر کو معنی خیزی سے جنبش دے کر اسے روکا، لبنیٰ بھی بات ادھوری چھوڑ کر بند دروازے کو گھورنے لگی۔

"آپی پلیز۔" لبنیٰ نے چڑ کر خفگی سے منہ پھلا لیا، یسریٰ سے بہن کی خفگی نہ سہی گئی، اس نے نرمی سے لبنیٰ کا ہاتھ دبایا۔

"میں تمہارا بھلا چاہتی ہوں نہیں تو نہ سہی۔" یسریٰ الجھے ذہن سے مسلسل بند دروازے کو گھورے جا رہی تھی، لبنیٰ نے خفگی سے منہ پھلا لیا۔

"آپ آپ مجھ سے خفا ہو گئی ہیں۔" یسریٰ نے اپنی الجھن کا سرا پا بالآخر پا لیا، اس کی نظریں دروازے سے پھسل کر نیچے فلور پر جم گئیں، اس کے چہرے پر معنی خیزی و زہر خند مسکراہٹ بکھر گئی، اس نے لبنیٰ کا اپنے ہاتھ میں دبا ہاتھ ہولے

سے کھینچ کر اسے دروازے کی درز سے جھانکتے کسی کی جوتوں کی طرف متوجہ کیا، وہ دونوں بخوبی سمجھ گئیں کہ آنے والا کون ہو سکتا ہے، یسریٰ کے چہرے پر گہری مسکراہٹ اور لہجے میں تشویش تھی، لبنیٰ نے یسریٰ کی زبردست ایکٹنگ اور چھٹی حس پر اسے دل میں بے ساختہ سراہا تھا، ان دونوں کے درمیان معنی خیز خاموشی بھری نظروں کا تبادلہ ہوا تھا۔

''السلام علیکم فیضان بھائی۔'' چند ثانیے بعد فیضان اندر داخل ہوا، لبنیٰ نے اسے بشاشت بھرے لہجے میں سلام کیا تھا، دونوں نے اسی کے چہرے کا باریک بینی سے جائزہ لیا، اس کے چہرے پر پھیلے اطمینان نے دونوں کو مطمئن کر دیا فیضان اپنا غصہ نہ چھپا تا تھا، اگر اس نے ان کی کوئی بات سنی ہوتی تو وہ لبنیٰ آپی کا بالکل لحاظ نہ کرتا اور ان کی ٹھیک ٹھاک بے عزتی کر دیتا۔

''وعلیکم السلام۔'' وہ سلام کا جواب دیتا ہوا ان پر اک نظر ڈال کر واش روم میں گھس گیا، لبنیٰ کے چہرے پر خباثت بھری مسکراہٹ بکھر گئی اس نے موضوع گفتگو بدل دیا تھا۔

☆☆☆

''آپی آپ سے دھیمی سرگوشی نہیں کی جاتی، وہ تو شکر ہے میں نے فیضان کے شوز دیکھ لئے ورنہ آپ تو مجھے مروانے پہ تلی ہوئی تھیں، میں نے آپ کو بتایا بھی تھا کہ فیضان اپنی امی کے خلاف کچھ نہیں سنتے۔'' فیضان نے باتھ لے کر شاور بند کیا تو اسے یسریٰ کی سرگوشی سنائی دی، وہ دونوں باتوں میں مگن واش روم میں چھائی خاموشی نہ محسوس کر پائی تھیں۔

''چلو چھوڑو اس نے کون سا سن لیا ہے۔'' لبنیٰ نے لاپرواہی سے ہاتھ جھاڑے۔

''آپ نے کسر نہیں چھوڑی تھی نا، ان کے سننے میں۔'' یسریٰ نے خفگی سے منہ پھلا لیا، کمرے میں خاموشی چھا گئی، وہ دونوں کے واش روم میں چھائی خاموشی محسوس کرنے سے قبل تیزی سے باہر آ گیا، اس کا چہرہ اور آنکھیں غصے اور اشتعال کی زیادتی سے سرخ تھے، دکھ واذیت اس کی رگوں کو چیر رہا تھا، اس نے دونوں پر نگاہ غلط ڈالنا بھی گوارا نہ کیا تھا اور گیلا تولیہ بیڈ پر اچھالتا کمرے سے چلا گیا، باتوں میں مگن ان دونوں نے چونک کر تولیہ کو دیکھا اور سر جھٹک کر دوبارہ باتوں میں مگن ہو گئیں۔

☆☆☆

صبح ناشتے پر حسب معمول ہڑبونگ مچی تھی، یسریٰ کی آنکھ دیر سے کھلی تھی، وہ تو شکر تھا کہ اس کے جاگنے کا انتظار کیے بغیر فوزیہ ناشتہ تیار کر چکی تھیں، فیضان نہا رہا تھا اور زیاد خلاف معمول ابھی تک سویا ہوا تھا، اس کی آنکھ روزانہ صبح زیاد کے رونے کی آواز سے کھلتی تھی، چونکہ وہ ابھی نہ جاگا تھا سو اس کی آنکھ نہ کھل سکی تھی، وہ بالوں کو جوڑے کی صورت لپیٹتی تیزی سے منہ پر پانی کے چھپاکے مار کر کچن میں آ گئی، فوزیہ رات کا بچا سالن گرم کرنے کے بعد پراٹھے بنا رہی تھیں۔

''السلام علیکم امی!'' یسریٰ نے انہیں سلام کر کے چولہے پر چائے کا پانی رکھ دیا، فوزیہ نے سر کے اشارے سے جواباً سلامتی بھیجی، ان کے مشفق چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔

''امی آپ بیٹھ جائیں میں کرتی ہوں۔'' یسریٰ فطرتاً بری نہ تھی اس سے ان کی تھکن نہ دیکھی گئی تھی، وہ انہیں چیئر پر بٹھا کر پراٹھے بنانے لگی، اس نے ناشتہ تیار کر کے ڈائننگ روم میں ٹیبل پر لگا دیا، فوزیہ اس کا ہاتھ بٹانے لگیں، یسریٰ کے دل میں پہلی بار ندامت ابھری، وہ تھکن اور بیماری کے باوجود اس کا بہت خیال رکھتی تھیں، جبکہ وہ...... اس نے ان سے جیسے بیر باندھ لیا تھا، اگر فیضان ان سے محبت اور کیئر کرتا تھا تو اس نے کبھی یسریٰ کے فرائض و حقوق میں بھی کمی نہ کی تھی، وہ رشتوں کو خوبصورتی سے نبھاتے ہوئے ان میں توازن رکھے ہوئے تھا، اک وہی تھی جس کے دل میں کوڑھ پل رہا تھا اور وہ فوزیہ سے توقع رکھتی کہ وہ اس کا خیال رکھیں، فوزیہ کی تھکن بڑھ گئی تھی، لیکن وہ برابر اس کے ساتھ لگی رہیں، یسریٰ ندامت سے ان سے نظریں نہ ملا پا رہی تھی۔

''امی آپ کو آرام کی ضرورت ہے میں کام کر لوں گی۔'' یسریٰ نے محبت بھری نرمی سے ان کے ہاتھ پکڑ لئے، فوزیہ کے لبوں پر مخصوص مشفق مسکراہٹ بکھر گئی، وہ ان لوگوں میں سے تھیں جن کا دل معمولی کوشش سے جیتا جا سکتا ہے، انہیں ڈسچارج ہوئے چند روز گزرے تھے، ڈاکٹرز نے انہیں چند روز کا کمپلیٹ بیڈ ریسٹ کی تاکید کی تھی۔

''کوئی بات نہیں بیٹا، آج بوا کی چھٹی ہے، تم تنہا تھک جاؤ گی اور مجھے بھی اکیلا پن کاٹے گا۔'' فوزیہ کا نرم دل پگھل چکا تھا، انہوں نے اس کی بات سہولت سے ٹال دی، یسریٰ کی ندامت بڑھ گئی، بوا کا پوتا بیمار تھا انہوں نے اسے ڈاکٹر کو دکھانے کے لئے دو روز کی چھٹی لی تھی وہ فیضان اور رفیق کے آفس جانے کے بعد بھی یسریٰ کا ہاتھ بٹاتی رہیں یسریٰ کے ذہن و دل نے پہلی بار شدت سے لبنیٰ کے ''زریں خیالات'' کی تردید کی تھی امی کا رویہ اس کی بدتمیزیوں اور گستاخیوں کے باوجود بے حد مشفقانہ و دوستانہ تھا، یسریٰ نادم سی اپنی بدتمیزیوں کا ان کے محبت بھرے رویے سے تقابل کرتی رہی اسے لبنیٰ آپی نے اسے سسرال میں رہنے اور اپنی حیثیت منوانے کے جو گر بتائے تھے اس کا دل ان سے اختلاف کرنے لگا، اس نے اک چور نظر امی پر ڈالی، وہ پرخلوص مسکراہٹ چہرے پر سجائے زیاد کے کپڑے چینج کروا رہی تھیں، اس کے دل پر اک انجانا بوجھ آن گرا۔

☆☆☆

اپنے نرم مزاج کے باعث سیدھے سادھے لگتے ہو
روٹھی پھیکی باتوں سے تم ٹوٹے ٹوٹے لگتے ہو
کھوئے کھوئے رہتے ہو الجھے الجھتے رہتے ہو
پہلے جیسے تم آج نہیں بدلے بدلے لگتے ہو
کوئی بھی لیکن میری طرح نہ تم کو ٹوٹ کے چاہے گا
جانتی ہوں تم غیر ہو لیکن اپنے اپنے لگتے ہو
پوچھا اس نے میں تم کو کیسا لگتا ہوں
میں نے کہا اچھے ہو اتنا بھی نہیں
آدھے آدھے لگتے ہو
آنکھوں کی سرخی سوکھے ہونٹ بکھرے بال
سچ بولو کل رات کہاں تھے جاگے جاگے لگتے ہو

''فیضان میں نے آپ کے کپڑے صبح کے لئے پریس کر دیئے، مجھے اپنی پسندیدہ ٹائی نکال دیں تاکہ میں استری کر دوں۔'' وارڈ روب میں منہ گھسیڑے فیضان کے کپڑے سیٹ کرتی ہوئی یسریٰ نے بیڈ پر نیم دراز لیپ ٹاپ پر آفس ورک میں بزی فیضان کے کام میں مداخلت کی۔

''یار جو مرضی نکال کر پریس کر دو۔'' فیضان نے جھنجھلاہٹ سے لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے Page back کیا تھا، یسریٰ نے چونک کر سر باہر نکالا، اس کے ماتھے پر سنجیدہ سلوٹیں اور چہرہ بے تاثر تھا، وہ اسے کافی بدلا بدلا اور خود میں الجھا لگا تھا، وہ ایسا تو نہ تھا، اسے اپنی پسندیدہ ٹائیز پہننے کی عادت تھی، وہ کپڑوں کی سلیکشن میں میچنگ کا بہت دھیان رکھتا تھا یسریٰ کو یاد آیا اس نے مدت ہوئی کپڑوں پر دھیان دینا چھوڑ دیا تھا۔

"فیضان دیکھیں ان میں سے کون سی میچ کرے گی۔" یسریٰ کچھ سوچ کر اس کی پریس شدہ شرٹ اور دو ٹائیاں لے کر اس کے پاس آ گئی۔

"یار کہا ہے نا تم جو مرضی کر لو۔" اس نے لیپ ٹاپ کی سکرین سے نگاہیں ہٹانا تک گوارا نہ کیا تھا، اس کے بدلے اور اکھڑے لہجے نے یسریٰ کی آنکھوں میں نمی بھر دی۔

"ادھر لاؤ۔" وہ آنکھوں میں آئی نمی چھپاتی پلٹنے کو تھی کہ فیضان نے اس کی کلائی نرمی سے اپنی مضبوط گرفت میں جکڑ لی۔

"ارے۔" فیضان نے اسے اپنی محبت بھری بانہوں میں جکڑ کر اس کے آنسو پونچھ ڈالے، یسریٰ کا دل فیضان کی قربت میں پگھل کر راہ فرار ڈھونڈنے لگا، فیضان کی لو دیتی آنکھیں یسریٰ کے چہرے کو آنچ دے رہی تھیں، یسریٰ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

اس کی آنکھوں کی سرخی اور بکھرے بال کوئی اور داستان سنا رہے تھے، وہ خود سے لاپرواہ اور کہیں سے بھی پہلے والا فیضان نہ لگ رہا تھا۔

"فیضان۔" یسریٰ کے دل کو کچھ ہوا تھا، فیضان نے اسے پوری شدتوں سے چاہا تھا اور وہ اپنی حماقت سے اپنی جنت کھونے کو تھی، اس کے دل پر کسی نے چٹکی بھری، وہ تڑپ کر کسمسائی۔

"مسز اتنی سی بات پر کیا رونا۔" فیضان نے اس کے گال پر چٹکی بھرتے ہوئے اس کی گود میں دھری ایک ٹائی اٹھا کر اس کے سامنے لہرائی۔

"آپ کے لئے اتنی سی بات ہو گی، میرے لئے نہیں۔" یسریٰ کے لہجے میں محبت پرواہ شکوہ سبھی کچھ تھا، فیضان نے اس کا یہ روپ کئی روز بعد دیکھا تھا۔

"کاش یسریٰ تم لبنیٰ آپی کی ہدایتوں پر عمل کرنا چھوڑ دو۔" اس کی استری سٹینڈ کی طرف بڑھتی یسریٰ پر پرسوچ نگاہیں جمی تھیں، یسریٰ اس کی سوچ سے بے خبر ٹائی پریس کرنے لگیں۔

☆☆☆

"فوزیہ شائنہ کو تمہاری بیماری کا علم ہوا یہ تم سے ملنے چلی آئی۔" اس روز اتوار تھا، شائنہ میکے آئی ہوئی تھی، وہ باتوں میں فوزیہ کی بیماری کا سن کر امی کو لے کر ان کی عیادت کو چلی آئی، فاطمہ آپا نے فوزیہ کو بتایا انہوں نے چھٹی کی وجہ سے کپڑے دھونے کی مشین لگا رکھی تھی، یسریٰ ان کے لئے جلدی سے کولڈ ڈرنک اور دیگر لوازمات سے سجی ٹرے لے آئی۔

"کون آیا ہوا ہے؟" یسریٰ میلے کپڑے لینے کمرے میں آئی تو فیضان نے مندی آنکھوں سے استفسار کیا، دونوں کے بیچ بے تکلفی اور محبت کے باوجود ایک خلیج سی تھی، جسے پاٹنے کی یسریٰ کی ساری کوششیں بے کار جا رہی تھیں، وہ اس کی اجنبیت جاننے کی کوشش میں ناکام ہو کر ہلکان ہوئی جا رہی تھی، لیکن خلیج جوں کی توں تھی۔

"شائنہ اور اس کی امی۔" یسریٰ اپنے ہاتھ میں منگے ان دھلے کپڑے اکٹھا کر کے چلی گئی، فیضان کی نیند بھک سے اڑ گئی۔

"شائنہ۔" فیضان کے لب دھیرے سے سرسرائے، وہ اٹھ کر بنا فریش ہوئے باہر آ گیا، شائنہ کے دھیمے سریلے قہقہے نے اس کا استقبال کیا۔

"ممانی آپ کی صحت مندی کا سن کر بے حد خوشی ہوئی ہے۔" وہ آگے بڑھا تو شائنہ کی خوبصورت دھیمی آواز کے ساتھ چوڑیوں کی دلکش آواز بھی اس کے کانوں میں پڑی تھی، وہ بہت بدل گئی تھی، وہ سر پر سلیقے سے دوپٹہ جمائے، ہونٹوں پر لائٹ لپ اسٹک، آنکھوں میں کاجل

لگائے سادگی میں بھی غضب ڈھا رہی تھی، وہ بلاشبہ پہلے سے حسین ہو گئی تھی، وہ فیضان کے دائیں طرف قدرے رخ موڑے ہوئے تھی، فیضان کی نظریں ہٹنے سے انکاری تھیں، وہ خود پر کسی کی نظر پڑنے سے پہلے تیزی سے لوٹ گیا تھا۔

اس نے اس روز اتفاقاً امی ابو کی ساری باتیں سن لی تھیں، ہوا یوں تھا کہ وہ امی کے کمرے میں اپنا موبائل بھول گیا تھا، اس نے صبح کے لئے الارم لگانا چاہا تو موبائل نہ پا کر امی کے کمرے سے موبائل لینے چلا آیا۔

"کیا تم شائنہ کو بہو نہ بنا کر پچھتا رہی ہو۔" ابو کی آواز نے اس کے قدم روک دیئے تھے، وہ اپنے نام کے حوالے سے شائنہ کے ذکر پر محتاط ہو گیا۔

"نہیں یسریٰ اچھی لڑکی ہے مگر......" امی کے ادھورے جملے میں اک کسک تھی، فیضان چڑیا کی چہچہاہٹ پر خیال سے نکل آیا، شائنہ کے پروقار روپ نے اس کے دل میں اک کسک جگا دی تھی۔

وہ اس کی سوچوں کے عین مطابق تھی، اس کے ساتھ شائنہ جیسی پرخلوص مخلص اور بے ریا لڑکی جچتی نہ کہ یسریٰ جیسی ہٹ دھرم وضدی، مفاد پرست وخود غرض لڑکی، وہ دل پہ بوجھ لئے ان دونوں سے ملے بنا ہی پلٹ گیا تھا۔

☆☆☆

صحن سے آتی باتوں کی آوازیں اور قہقہے اس کے ذہن پر ہتھوڑے کی مانند برس رہے تھے، تقدیر بعض اوقات انسان کو دوراہے پر لا کھڑا کرتی ہے پھر اسے نہ آگے کا رستہ سوجھتا ہے اور نہ پیچھے پلٹ سکتا ہے، وہ دوراہے پر کھڑا تھا۔

"کاش یسریٰ تم نے لبنیٰ آپی کی باتوں پر کان نہ رکھے ہوتے اور مجھ سے وابستہ رشتوں کی قدر کی ہوئی۔" فیضان نے دونوں ہاتھوں میں سختی سے سر کے بال جکڑ لئے، شائنہ اپنے گھر خوش باش اور مطمئن زندگی گزار رہی تھی اسے شائنہ سے محبت نہ تھی مگر وہ اس جیسی خوبیوں والی بیوی چاہتا تھا، اگر فوزیہ اس کے سامنے شائنہ کا نام لیتیں تو وہ کبھی انکار نہ کرتا۔

فوزیہ کی آنکھوں پر بندھی طمع کی پٹی نے اسے بے سکون کر دیا تھا، اس نے کرب سے مٹھی سختی سے بند کر لی، اس کے ہاتھوں پر ضبط کی سعی میں رگیں ابھر آئیں۔

"ہاہ...... ہاہ۔" یسریٰ کے بلند قہقہہ نے اس کی سوچوں کا دھارا بدلنے کی ناکام کوشش کی، یسریٰ کے بلند قہقہہ کے ساتھ شائنہ کی مدھم ہنسی بھی بجی تھی۔

"شائنہ، آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں، آپ دوبارہ ضرور آیئے گا۔" غالباً پھپھو اور شائنہ جانے لگے تھے، یسریٰ نے پرخلوص لہجے میں اسے آفر کی تھی۔

"امی آپ آرام کریں، میں دوپہر کے کھانے کے بعد مشین لگا لوں گی۔" یسریٰ نے انہیں رخصت کرنے کے بعد فوزیہ کے ہاتھ سے کپڑے لے لئے، وہ ان کے جانے کے بعد لوڈشیڈنگ نہ ہونے پر شکر ادا کرتی مشین لگانے لگی تھیں کہ یسریٰ نے نرمی سے انہیں روک دیا۔

"ہوں، نرا ڈرامہ۔" یسریٰ نے نرم محبت بھرے لہجے نے فیضان کے تن بدن میں آگ لگا دی اسی کے باوجود میں تنفر کی تیز لہر ابھری اس نے غصے سے مکا فضا میں لہرایا، اس کا خون یسریٰ کی دوغلی طبیعت پر غصے سے کھول اٹھا، اس کی بھوک اڑ گئی اور وہ ناشتہ کیے بغیر بیڈ پر ڈھے گیا۔

☆☆☆

"فیضان آئیں کہیں پکنک پہ چلتے ہیں۔" وہ شام کے سرمئی سائے ڈھلنے سے قبل گھر میں داخل ہوا، وہ شاور سے فریش ہو کر زیاد سے کھیلنے لگا، یسریٰ ڈنر تیار کر چکی تھی، اسے فراغت کا لمحہ ملا تو اس نے زیاد کو ہوا میں اچھالتے فیضان کو مخاطب کیا، فیضان کے ہاتھ لمحہ بھر کو رک گئے اور چہرے پر سپاٹ و سرد پن عود آیا، اگلے لمحے اس نے نہایت مہارت سے چہرے سے بے تاثر پن ختم کر کے مسکراہٹ بکھیر لی، فیضان کو ایسا کرنے میں کتنی دقت اٹھانا پڑی تھی صرف وہی جانتا تھا، وہ بیٹے سے کھیلنے میں مصروف رہا۔

"فیضان!" یسریٰ اس کی بے توجہی پر ٹھٹک کر اس کی راہ میں حائل ہو گئی، وہ بمشکل زیاد کو سنبھال پایا تھا۔

"یسریٰ!" وہ غصے سے اس پر گرجا اسے ایک پل لگا تھا زیاد کو سنبھالنے میں اگر وہ پل سرک جاتا تو زیاد...... وہ اس سے آگے سوچ بھی نہ پایا تھا، اس کی بیٹے میں جان تھی، یسریٰ سہم کر پیچھے ہٹ گئی، فیضان کے شدید ردعمل نے اسے ہراساں کر دیا تھا، زیاد اس کی پہنچ میں تھا اسے کوئی گزند نہ پہنچی بالغرض خدانخواستہ وہ پھسل بھی جاتا تو نیچے بیڈ تھا لیکن فیضان کا شدید ردعمل...... اس نے ڈری سہمی نظر فیضان کے غصے سے سرخ چہرے پر ڈالی، وہ زیاد کو بیڈ پر لٹا کر غصہ ضبط کرنے کی سعی کر رہا تھا۔

"فیضان! آخر میرا قصور کیا ہے، آپ کیوں مجھ سے خفا خفا رہتے ہیں۔" وہ فیضان کے کاٹ کھانے پر چڑ کر استفسار کرنے لگی، وہ محبت کرنے والا نرم مزاج اور کیئرنگ والا شوہر تھا، اس کی مزاج میں ہمہ وقت غصہ یا جھنجھلاہٹ رہنے لگی تھی، یسریٰ اسے خوش رکھنے کی بے حد کوشش کرتی مگر اس کی ساری کوششیں رائیگاں جا رہی تھیں، فیضان کی بیگانگی بھری خاموشی نے یسریٰ کو رونکھا کر دیا ایسے وہ کبھی بھی اتنا بیگانہ نہ لگا تھا، اس کی بے پرواہی و بیگانگی نے یسریٰ کو درد سے بے حال کر دیا۔

"مجھے میرا قصور بتاؤ آج۔" وہ تھی تو ایک عورت ہی نا، عورت مرد کی توجہ و محبت کے بغیر مرجھا جاتی ہے، اس نے اپنے آنسو خود پونچھتے ہوئے اس کی آستین کھینچی۔

"میرے سامنے ٹسوے بہانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں تمہارے ڈراموں اور مکرو فریب سے گھائل ہونے والا نہیں ہوں۔" فیضان نے سرد ترین نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے، تیز آنچ دیتے لہجے سے اس کا تن من جھلسایا، وہ ساکت بت بنی رہ گئی۔

"مکر و فریب، ڈرامے۔" اس کے لبوں سے دھیمی سرسراہٹ نکلی اور مسلسل بہتے آنسو جیسے بہنا بھول گئے، وہ گیلے گالوں پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے تحیر بھری پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہ گئی۔

"ہاں یسریٰ، مکر و فریب اور ڈرامے، تم اپنی زبردست اداکاری سے میری بھولی بھالی اور سادہ لوح ماں کو تو بے وقوف بنا سکتی ہو مگر مجھے نہیں۔" نجانے فیضان کے نشتر میں کتنے تیر تھے جو وہ ایک ایک کر کے اس کے بدن میں روح تک اتار رہا تھا، اس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا، وہ زیاد کے رونے پر چونکی، فیضان اسے دیکھنے تک کا روادار نہ تھا، وہ تنفر سے گردن موڑے ٹی وی آن کر چکا تھا، بھوک سے بلکتے زیاد کے رونے میں شدت آنے لگی، زیاد نے ماں کی توجہ نہ پا کر بیڈ سے اترنا چاہا تو وہ پاؤں بیڈ شیٹ میں الجھنے سے پھسل گیا، فیضان نے پھرتی سے اس کو سنبھال کر زمین پر کھڑا کر دیا، یسریٰ ہوش سے بیگانہ خلا میں

غیر مرئی نقطہ تکے جا رہی تھی، اسے زیاد کا رونا بھی ہوش میں نہ لا سکا۔

"فیضان!" اس نے زیاد کو گود میں اٹھائے باہر نکلتے فیضان کا کالر پیچھے سے تقریباً کھینچتے ہوئے اس کی راہ روکی۔

"مجھ سے صاف بات کرو، میں نے کون سے ڈرامے کیے ہیں؟" یسریٰ نے بے باکی اور پر اعتمادی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا، اس کی آنکھوں میں بدگمانی اور تنفر کے علاوہ کچھ نہ تھا، یسریٰ کے دل کو کچھ ہوا۔

"چھوڑو مجھے یسریٰ میرا دماغ خراب مت کرو۔" فیضان نے جھنجھلاہٹ اور چڑچڑے پن سے اس سے پیچھا چھڑانا چاہا۔

"فیضان تمہارے دل میں جو کچھ ہے آج کہہ ڈالو، بات دل میں رہ جانے سے نفرتیں پلنے لگیں گی۔" یسریٰ کے روٹھے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی سی چبھن تھی، وہ سب کچھ سہہ سکتی تھی فیضان کی نفرت نہیں، اس کی جدائی اس کے لئے سوہان روح تھی۔

"تو سنو یسریٰ میں بات کہاں سے شروع کروں، وہاں سے جب تم نے میری ماں سے پہلی بار بدتمیزی کی تھی، یا پھر لکی کی دعوت قبول نہ کرنے پر میرے گھر والوں سے بیر باندھ لینے سے، تمہاری گھر کے کاموں میں عدم دلچسپی یا پھر تمہاری چھٹی حس کی شاباشی۔" وہ بھرا بیٹھا تھا اسے صرف ایک چنگاری کی ضرورت تھی اس کے اندر پکتا لاوا ابل آیا یسریٰ لب بھینچے اسے پھٹی پھٹی بے یقینی بھری نگاہوں سے دیکھتی رہ گئی۔

اسے یقین کی منزل تک پہنچنے کے لئے اک کرب بھری ندامت سے گزرنا پڑا تھا، جب انسان بے یقینی سے یقین کا کرب بھرا سفر تنہا طے کرتا ہے تو اس کے وجود میں آبلے پڑ جاتے ہیں، ایک جلن سی جسم و جان کو بے چین کر دیتی ہے، یسریٰ بھی یونہی تنہا و بے چین تھی، اسے فیضان کی کبھی تولہ، کبھی ماشہ والی طبیعت سمجھ میں آ گئی تھی۔

"بولو اب چپ کیوں ہو۔" فیضان نے اسے جیسے تنگ دھڑنگ جلتے صحرا میں لا پھینکا تھا۔

"فیضان!" وہ گھٹنوں کے بل نیچے گر گئی، آنسو اس کے گالوں سے پھسل کر گود میں گرنے لگے، وہ مہر بہ لب چپ تھی۔

"ہوں۔" اس کی خاموشی نے فیضان کے لبوں پر زہر خند مسکراہٹ اور لہجے میں حقارت بھر دی تھی، وہ اسے ہولے سے تقریباً ٹھوکر مارتا پیچھے ہٹا۔

"فیضان!" وہ جیسے ہوش میں آ گئی اور

تڑپ کر اس کے پیچھے لپکی۔

"مجھے معاف کر دیں فیضان، پلیز مجھے معاف کر دیں میں وقتی طور پر آپی کی باتوں کے جھانسے میں ضرور آ گئی تھی مگر میرا دل و ضمیر اب صاف ہے۔" فیضان تنفر و بے یقینی سے مڑا، اس کی آنکھوں سے جھلکتی سچائی نے اسے لب بھینچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"میں آپ کے بغیر مر جاؤں گی فیضان۔"

وہ تڑپ کر پھوٹ پھوٹ کر ہچکیوں سے رونے لگی، فیضان کا دل اس کی محبت کی گواہی دے رہا تھا، یسریٰ نے اس کا ہمیشہ خیال رکھا تھا، وہ سخت دل یا ظالم نہ تھا کہ وہ اپنی متاعِ حیات کو تڑپتا دیکھ پاتا، وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا، زیاد ہنوز اس کی گود میں تھا، چند ثانیے بعد اس کا ہاتھ یسریٰ کے سر پر آن ٹھہرا، یسریٰ نے جھٹکے سے سر اونچا کیا، فیضان کی آنکھوں میں تنفر کے سائے مدھم تھے۔

"فیضان میں بہت بری ہوں مجھے صرف ایک موقع دے دیں۔" اس نے حوصلہ پا کر اس کی منت کی، فیضان نے دھیرے سے سر اثبات میں ہلا دیا، خوشی سے بے حال یسریٰ دیوانہ وار اس کا اپنے سر پر رکھا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ کر چومنے لگی، جیسے اس نے ہاتھ چھوڑا تو وہ تہی داماں رہ جائے گی۔

☆☆☆

کھڑکی کے پار رات اپنے تمام تر سحر کے ساتھ اتر چکی تھی، یسریٰ نے عقیدت مندی سے سوئے ہوئے فیضان پر نظر ڈالی، اس کے سانسوں کا ہلکا زیر و بم گہری نیند کا پتہ دیتا تھا، یسریٰ کے لئے فیضان کا بدلا روپ سوہان روح تھا، کبھی تولہ کبھی ماشہ بنا فیضان اس کے ارادوں میں دراڑ ڈالے ہوئے تھا، وہ تو آپی کی ہدایات پہ تہہ دل سے عمل پیرا اور ان کی ہم نوا تھی، اس نے امی کو زچ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی مگر آفرین ہے ان پر، انہوں نے کبھی بیٹے کے کان بھرنے کی کوشش نہ کی الٹا اس کی غلطیوں پر پردہ ڈالے رکھا تھا، اسے بدگمانی میں ان کی مکاری لگتا تھا سب کچھ، اس کے اپنے دل میں بال تھا تو وہ دوسروں میں کھوٹ تلاش لیتی، بعض اوقات امی سے بدتمیزی کرتے ہوئے اس کا دل ندامت میں ڈوب جاتا، لیکن آپی اسے ندامت سے نکال کر حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے حوصلہ دیتیں اور وہ سب کچھ بھول بھال جاتی، فیضان کو اکلوتی اولاد ہونے سے اپنے والدین بے حد عزیز تھے اور اس نے نادانی میں انہی سے بیر باندھ لیا تھا۔

وہ نجانے کب تک نادانیاں کرتی رہتی اگر اسے ہاسپٹل میں آپا فاطمہ سے ملاقات میں امی کے چہرے پر ندامت نظر نہ آتی، اس نے جلد وجہ کھوج لی تھی، وہ فیضان سے دوری کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی، اس نے اپنی اصلاح کر کے خلوص دل سے ساس سسر کی خدمت شروع کر دی، آپی نے اسے بارہا ٹوکا مگر اس نے کان نہ دھرے بالآخر انہوں نے اسے ٹوکنا چھوڑ دیا کہ خود ہی ٹھوکر کھا کر سنبھل جائے گی، یسریٰ کے لئے فیضان کی الجھی طبیعت پریشانی کا سبب تھی اور آج...... آج اس نے الجھی ڈور کا سرا پا لیا تھا، اس نے آسودگی بھری نظروں سے محو نیند فیضان کا چہرہ چوما، وہ فیضان جیسے ہم سفر کی ہمراہی پر رب کا شکر گزار تھی۔

دلوں کے آئینے پر جمی گرد و دھند صاف ہو جائے تو ہر چیز نکھری اور شفاف نظر آتی تھی، یسریٰ کو یقین تھا کہ اب ان کی زندگی پر چھائی دھند بھی صاف ہو کر خوشیوں بھری ہو جائے گی۔

☆☆☆

روشن راستے

حنا اصغر

سکندر سلمان کا گھر چھوڑتے ہوئے اسے خود سے یہ عہد کرلیا تھا کہ اب وہ دنیا کی جوتی کی نوک پر رکھے گی اینٹ کا جواب پتھر سے دے گی اس نے چھ ماہ میں اس گھٹیا انسان کے ساتھ رہ کر یہ سوچ لیا تھا کہ یہ دنیا بے پناہ کڑوی تلخ جائے کی طرح ہے جس کی کڑواہٹ کو نہ تو اگلا جاسکتا ہے اور نہ ہی نگلا جاسکتا ہے ویسے بھی وہ ایک شرابی بد کردار شخص کے ساتھ کتنا عرصہ رہ سکتی تھی جسے اس کے دن رات کو اپنے مشق ستم کا نشانا بنایا ہوا تھا اس کی زندگی کے یہ چھ ماہ مختلف تجربات کی نظر ہو چکے تھے وہ جو بڑے زعم سے شادی کی پہلی رات سیج پر کسی جابر و ظالم حکمران کی طرح سر بلند کرکے بیٹھی تھی کہ وہ سکندر سلمان جیسے شخص کو اپنا بے دام غلام بنائے گی وہ اس کے آگے پیچھے مجنوں کی طرح پھرے گا اس کا یہ سارا زعم سارا غرور بھر بھری مٹی کی طرح نیچے بیٹھ چکا تھا شادی کی سیج اس کو اب کانٹوں کی سیج لگنے لگی تھی۔

وہ کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح اپنے حقوق سے دستبردار ہوچکی تھی وہ جان چکی تھی کہ ڈنڈے کے زور پر صرف جانوروں کو ہانکا جاسکتا ہے، سدھارا جاسکتا ہے عقل و شعور رکھنے والے انسان کو نہیں جو دنیا جہان سے لی ہوئی ڈگریوں کا پلندہ اپنے پاس رکھتا ہو اور اس کا استعمال اس طرح سے کرے کہ اپنی عقل و فہم سے دنیا کو زیر کر سکے، اس کو ہرگز نہیں سدھارا جاسکتا نہ ڈنڈے سے اور نہ ہی بحث و تمیص سے، شادی کے ایک تجربے نے اس کو زندگی کے کئی تلخ تجربات سے گزار دیا تھا ان چھ ماہ میں وہ ہمہ وقت شیشے کی کرچیوں پر چلی تھی اس کے جسم کے ساتھ ساتھ اس کی روح بھی گھائل ہوچکی تھی، اپنا سامان لے کر وہ اپنی عزیز از جان دوست مہر کے اپارٹمنٹ میں چلی آئی۔

''میں نے سکندر کا گھر چھوڑ دیا ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔'' اس نے نظریں چرا کر کہا مہر کو وہ دن بھی یاد تھا جب ایسی ہی ایک رات وہ اس کے دروازے پر کھڑی تھی اور اس کے دروازہ کھولنے پر اس نے کہا تھا۔

''مہر! میں نے اپنے باپ کا گھر چھوڑ دیا ہے میں سکندر سلمان سے شادی کررہی ہوں۔''

تب کہ اور اب کے جملوں میں اس کے چہرے کے تاثرات میں واضح فرق تھا تب وہ دنیا تسخیر کرنے جارہی تھی اور اب دنیا نے اس کو ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا، تجربات نے اس کا اپنا چہرہ دھندلا اور غیر واضح کردیا تھا، مہر نے حیرت کے جھٹکے سے نکلتے ہوئے خود کو سنبھال لیا اور اس کو لے کر اندر آگئی تھی، علینہ کو یہ احساس شدت سے ہوا تھا کہ کس مہارت سے مہر نے اپنے تاثرات و احساسات کو چھپا لیا ہے شاید اس کے علاوہ سب کو اپنے احساسات چھپانے میں ملکہ حاصل تھا، ایک ہی نادان تھی جو اپنے دکھوں کو اپنی ہتھیلیوں میں لے کر پھرتی تھی اور ہر سامنے آنے والے شخص کو اپنی ہتھیلیاں دکھا دیا کرتی تھی کہ دیکھو کتنی دکھی ہوں۔

اگلے ہی دن اس نے دوبارہ اپنی پرانی جاب یعنی سے اخبار جوائن کرلیا تھا لیکن اب کی بار اس نے ایک دوسرے اخبار کو جوائن کیا تھا یقیناً یہ خبر سکندر سلمان کے لئے حیران کن و جھنجلاہٹ سے بھرپور ہوگی، اس کا ریکارڈ دیکھ کر نئے ادارے نے شدومد سے اس کو ویلکم کہا تھا۔

☆☆☆

اسے اخبار جوائن کیے ہوئے پندرہ دن ہوگئے تھے وہ ایک دوبار خوشی کا چولہ پہن کر اماں بی سے ملنے گئی تھی لیکن ان کے سوالات نے اس کا دماغ جھنجھنا دیا تھا وہ نئے آنے والے مہمان کا

پوچھتیں ''کون سا مہمان'' یقیناً اماں بی کو مطمئن کرنے کے لئے یہ بے پر کی سکندر نے اڑائی تھی، آج بھی وہ ان سے ملنے آئی ہوئی تھی ان کے ہاتھ کا کھانا کھانے کے بعد وہ کچھ دیر ستانا چاہتی تھی لیکن وہ سکندر کے متعلق پوچھنے لگی تھی، اس کا حلق اندر تک کڑوا ہوگیا تھا شاید سکندر کے لئے تائی اماں کے دل میں کچھ شک پیدا ہوتا جا رہا تھا جو ان کے ہر انداز سے ظاہر ہورہا تھا، اس نے یہ کہہ کر سر جھٹک دیا کہ۔

''آپ کا بیٹا ہے آپ اس کے متعلق زیادہ بہتر جانتی ہیں میں تو اس کو جان کر بھی نہیں پہچانی۔'' اس کے الفاظ پر وہ ٹھٹک گئی تھیں، انہوں نے ایک زمانہ دیکھا تھا نہ تو اس کے چہرے پر خوشی کی رمق تھی اور نہ ہی وہ کہیں سے پریگنٹ لگتی تھی۔

تائی سے ملنے کے بعد اس کا دل اور زیادہ اچاٹ ہوگیا تھا، وہ ساحل پر چلی آئی جہاں پر وہ اور سکندر اکثر آیا کرتے تھے ہر یاد کے ساتھ سکندر وابستہ ہوکر رہ گیا تھا لیکن پھر بھی وہ تہی دست تھی، تہی داماں تھی خوشیاں آسودگیاں ایک ہی جھٹکے سے اڑ گئی تھیں اب سنسان دن تھے اور اماوس کی کالی راتیں تھیں، یا شاید خود ہی وہ اپنی خوشیوں کی حفاظت نہیں کرپائی تھی، اس کا موبائل بج رہا تھا، اس نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے موبائل کی جانب دیکھا سکندر کا نمبر اسکرین پر جگمگا رہا تھا اس طرح سے جس طرح سے اس کی یادوں میں جگمگاتا تھا۔

اس نے موبائل سائیڈ پر رکھ دیا، لیکن مسلسل ہوتی بیل نے اس کو فون اٹینڈ کرنے پر مجبور کر دیا۔

''ہیلو۔''

''ہیلو کہاں ہو تم؟'' وہ سرعت سے بولا۔

''تمہیں اس سے کیا میں جہاں بھی ہوں۔'' وہ رکھائی سے بولی۔

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔'' وہ شاید جلدی میں تھا سو فوراً اصل بات پر آگیا۔

''لیکن میں تم سے نہیں ملنا چاہتی۔'' بھلا اب ملنے کی کون سی گنجائش رہ گئی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ تم نے اماں بی سے کیا کہا ہے۔'' وہ اصل موضوع کی جانب آگیا تھا اور وہ جو اس خوش فہمی میں تھی کہ سکندر نے اس کی محبت سے مجبور کر فون کیا ہے جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی۔

''میں نے کیا کہا ہے ان سے؟'' سوال کے جواب میں سوال ہوا کہ حیرت سے بھرپور تھا۔

''یہی کہ میں نے تمہیں خوش نہیں رکھا تم پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیئے ہیں علینہ بی بی حقیقت تو یہ ہے کہ تم کسی بھی مرد کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتیں، تم جیسی عورتیں جو مردوں پر حکمرانی کے خواب دیکھتی ہیں ناں وہ یونہی در بدر بد روحوں کی طرح بھٹکتی رہتی ہیں۔''

''نہیں میری جیسی عورتیں خوش رہ سکتی ہیں اگر ان کے شوہر شرابی، زانی اور جواری نہ ہو تو ان کے حقوق اپنی سیکٹریوں میں نہ لٹاتے پھرتے ہو ہر رات نشے میں دھت ہوکر گھر نہ آتے ہو وہ بھی خوش رہ سکتی ہیں سمجھے تم۔'' وہ سرعت سے اس بات کی بات کاٹ کر چلائی۔

''اب یہ سارے ڈرامے ختم کرو اور انسان کی بچی بن کر گھر آؤ اگر تم اس بھول میں ہو کہ میں تمہیں چھوڑ دوں گا تو یاد رکھنا اپنے ہاتھوں سے تمہارا گلا تو گھونٹ سکتا ہوں لیکن تمہیں چھوڑ نہیں سکتا۔'' اس کی آواز میں شیر کی سی دھاڑ تھی۔

''تم جیسے بے غیرت مرد یہی کرسکتے ہیں۔''

وہ تلملائی تھی۔

”میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا نہیں اس کا تمہیں اندازہ بھی نہیں ہے ساحل کی ہوا کھاؤ ہو سکے تو اپنی انا کو اسی پانی میں پھینک کر گھر آؤ۔“ وہ اس کی درست انداز پر حیران رہ گئی۔

”میں تم پر اور تمہارے گھر پر لعنت بھیجتی ہوں سمجھے تم۔“ وہ چلائی تھی۔

”سمجھ گیا، تمہیں خود آنا ہوگا میں تمہیں مر کر بھی نہیں لینے آؤں گا اور تب تک یونہی دنیا کی ٹھوکریں کھاتی رہو دوستوں کے گھروں پر پڑی رہو اور ہاں اگر آئندہ میری ماں سے ملو تو مجھے پہچاننے سے انکار کر دینا لیکن میرا ذکر ان کے سامنے نہ کرنا سمجھ گئیں اور اگر......“ وہ ابھی اور بھی کچھ کہنے والا تھا اس نے موبائل آف کر دیا تھا اور تھوڑی دیر بعد اس کو احساس ہوا تھا کہ اس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا۔

☆☆☆

علینہ کا تعلق مڈل کلاس سے تھا وہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی اس کی پیدائش کے دو سال بعد اس کی والدہ کی ڈیتھ ہو گئی تھی کچھ عرصہ بعد اس کے والد نے دوسری شادی کر لی تھی، اس نے اپنی آدھی سے زیادہ زندگی بورڈنگ میں گزار دی تھی گھر سے دور رہنے کی وجہ سے وہ گھریلو سیاست سے قطعی نا آشنا تھی، حال ہی میں اس نے ایم اے پولیٹکل سائنس کیا تھا۔

فارغ البالی نے اس کے ذہن پر بہت اچھے اثرات مرتب کیے تھے ہوسٹل کی زندگی نے اس کے اندر ایک ترتیب ایک نظم وضبط پیدا کر دیا تھا، اس کی دوست مہر اس کے سرد و گرم کی ساتھی تھی پھر دونوں دوستوں نے اخبار جوائن کر لیا تھا علینہ ایم اے کرنے کے بعد گھر چلی گئی تھی لیکن اپنے سوتیلے بہن بھائیوں کی موجودگی میں اس کا وہاں رہنا دوبھر ہو گیا تھا وہ واپس مہر کے اپارٹمنٹ میں آ گئی تھی، سکندر سلمان جو اخبار کا مالک تھا، شروع شروع میں علینہ کے کاموں میں بہت نقطہ چینی کیا کرتا تھا پھر کچھ عرصے بعد اعتراضات بحث وتمیص سب کہیں جا سوئے تھے، علینہ نے آہستہ آہستہ اس کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا تھا وہ ہمہ وقت اسی کے بارے میں سوچتا رہتا تھا بہانے بہانے سے اس کو اپنے آفس بلاتا تھا کبھی ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا شروع ہو جاتا تھا لیکن علینہ نے اس پر توجہ نہیں دی ہال ورکرز کے ذومعنی جملوں نے اس کو اور بھی محتاط کر دیا تھا وہ اپنے کام سے کام کرنے والی لڑکی تھی، البتہ دل ہی دل میں سکندر سلمان سے بہت متاثر تھی لیکن وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ اس کو پا نہیں سکتی وہ بہت بلند تھا فلک پر جگمگاتے چاند کی مانند اور کسی صورت چاند کو مانگنے کی خواہش نہیں کر سکتی تھی۔

اخبار کا اینول فنکشن تھا اور حیدر سلمان نے بطور خاص ان دونوں کو اینوی ٹیشن دیا تھا، سکندر سلمان جو کہ دس بجے سے پہلے کبھی دفتر آتا نہیں تھا اب صبح سویرے آ جاتا تھا نہ صرف صبح سویرے آتا بلکہ دفتر کی ٹائمنگ بھی بدل دی تھی اس کو آتا جاتا دیکھ کر اس کی نظریں بے اختیار ہو جایا کرتی تھیں۔

آج جب کہ فنکشن تھا وہ کئی گھنٹوں کی تیاری کے بعد آیا تھا، لیکن آنکھیں جس کو دیکھنے کے لئے بیتاب تھیں وہ نظر ہی نہیں آ رہی تھی سکندر سلمان کی نظریں دروازے پر ٹکی ہوئی تھیں مہر کو اکیلا آتا دیکھ کر اس کا جی مکدر ہو گیا تھا اس کا موڈ ایکدم سے خراب ہو گیا تھا اس نے مہر سے آخر پوچھ ہی لیا، اس نے جواب میں کہا کہ۔

”وہ اپنے گھر گئی ہوئی ہے۔“

”کیا اس کا گھر جانا مجھ سے زیادہ ضروری

تھا۔“ وہ دل ہی دل میں پیچ وتاب کھا کر رہ گیا تھا۔

وہ اگلے تین دن نہیں آئی تھی اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا، آخر اس نے مہر کو بلا کر پوچھ لیا۔

”سر! وہ جاب چھوڑ رہی ہے۔“ اس کے جواب نے سکندر سلمان کے دل کو مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

”کک...... کیوں...... میرا مطلب ہے ان کو یہاں کوئی پرابلم تھی؟“

”نہیں سر! اس کی شادی ہو رہی ہے۔“ مہر کے دوٹوک جواب پر سکندر سلمان کے سر پر بم گرا تھا۔

”جی سر!“ وہ کہہ کر چلی گئی اور سکندر سلمان اپنے کمرے میں دائیں بائیں چکر لگا لگا کر تھک گیا تھا اس کے دماغ کی رگیں پھٹنے کے قریب ہو گئیں تھیں۔

”کیا وہ کسی اور کی ہو جائے گی؟“ یہ سوال کئی ہزار بار اس کے دماغ میں سرسرایا تھا اور اس کا جواب خود اس کا دماغ بھی دینے سے قاصر تھا اس نے مہر کو کئی بار فون کیا بیل جانے کے باوجود وہ فون نہیں اٹھا رہی تھی، آخر وہ خود اس کے دروازے پر جا پہنچا۔

”سر! آپ یہاں؟“ وہ آنکھوں میں تحیر و استفہام لئے اس کو دیکھ رہی تھی۔

”میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں لیکن یہاں نہیں کہیں باہر کیا آپ کچھ دیر کے لئے میرے ساتھ چل سکتی ہیں۔“

اگرچہ اس نے اپنا اضطراب کسی قدر تو چھپا لیا تھا لیکن پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی اور وہ حیرانگی سے اسے دیکھتی رہی گھر کے اصولوں کے خلاف بات تھی کہ وہ رات آٹھ بجے کسی اجنبی کے ساتھ سڑک پر مٹرگشت کرتی پھرے لیکن انجانے میں ہی سہی وہ اپنے گھر کا پہلا اصول توڑ چکی تھی۔

”میں تمہیں پسند کرتا ہوں علینہ اور تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں؟“ کچھ آگے جا کر وہ لگی لپٹی کے بغیر بولا اور علینہ جو خود بھی اس چاند کی دل ہی دل میں تمنائی تھی خوشی اور غم کے ملے جلے تاثرات میں الجھ کر رہ گئی تھی اس کی شادی اس کے باپ نے اپنے دوست کے بیٹے سے اچانک طے کر دی تھی اور اب اچانک ہی سکندر سلمان اس کی محبت میں گرفتار ہوا تھا اس کی زندگی ”اچانک“ کے مدار کے گرد گردش کرنے لگی تھی۔

”میں تمہیں کسی اور سے شادی نہیں کرنے دوں گا جب میں تمہیں کسی اور کے ساتھ سوچتا ہوں تو میرا دل بند ہونے لگتا ہے دماغ کی رگیں پھٹنے لگتی ہیں تم نے مجھ سے شادی نہ کی تو میں تمہارے گھر کے سامنے سوسائیڈ (خودکشی) کر لوں گا۔“

وہ مجبور شخص اس کی محبت میں اس طرح گرفتار نظر آ رہا تھا کہ علینہ کو لگا وہ اس کے لئے ایک دنیا تیاگ دے گا اس کے الفظوں کے پیچھے چھپا حاکمرانہ وجابر مرد کہیں چھپ گیا تھا۔

علینہ نے سوچنے کے لئے صرف ایک رات مانگی تھی حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اگلے دن اس کا جواب ہاں ہی ہونا ہے لیکن شاید وہ خود کو آزمانا چاہتی تھی، کچھ دیر بعد وہ اسے اس کے گھر کے دروازے پر چھوڑ گیا، یہ رات سکندر سلمان کے لئے سب سے بھاری اور اذیت ناک تھی، ساری رات اس نے ڈرنک کرتے گزاری تھی دماغ میں ایک ہی بات چل رہی تھی کہ اگر علینہ نے انکار کر دیا تو؟، صبح چھ بجے ہی اس نے فون کر دیا تھا، جبکہ علینہ بے سدھ سو رہی تھی اس نے موبائل بمشکل

اٹینڈ کیا۔

"علینہ آپ کا جواب کیا ہے پھر؟" دوسری طرف سے سلمان کی بیتابی میں ڈوبی آواز سنائی دی وہ اپنی دھڑکنوں کو باآسانی گن سکتا تھا دل میں عجیب اتھل پتھل ہو رہی تھی وہ کیا کہتی، اس کا تو اپنا دل سلمان کے راگ الاپ رہا تھا سو اس نے ہاں کر دی اس کی رضامندی سکندر سلمان کی زندگی کی اولین خوشی تھی، لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ علینہ کی ڈیٹ فکس ہو چکی تھی چند ہی دن بعد اس کی شادی ہونا قرار پائی تھی جس پر پہلے تو اس نے بھی خاموشی سے سر جھکا دیا تھا لیکن اب وہ اپنے والدین کے سامنے ڈٹ گئی تھی، ان کے انکار پر اس نے سکندر سلمان سے اگلے ہی ہفتے کورٹ میرج کر لی تھی وہ اس کو لے کر اماں بی کے پاس آ گیا دو ماہ انہوں نے وہی گزرائے تھے اس دوران سلمان نے اس پر اپنی بے تحاشا محبت لٹائی تھی، پھر اس کے بعد وہ اس کو لے کر اپنی محل نما کوٹھی میں آ گیا اور یہاں آ کر وہ شاید اس کو بھول گیا تھا دونوں کے اختلافات ذہنی تفاوت کھل کر ایک دوسرے کے سامنے آنے لگے تھے، علینہ جو کہ باپ کی عزت مٹی میں ملا آئی تھی اب یہاں آ کر پچھتاوے کے ناگ اس کو ڈسنے لگے تھے کہ اس نے سکندر سے شادی کر کے بہت بڑی حماقت کر دی ہے، اس نے ایک دن اپنے باپ کو فون کیا تھا جہاں سے پتا چلا کہ اسی تاریخ پر اپنی چھوٹی بیٹی کو بیاہ دیا تھا وہ اس سے سخت دلبرداشتہ ہو چکے تھے انہوں نے کہہ دیا تھا کہ وہ ان سب کے لئے مر گئی ہے اور مرے ہوئے لوگ نہ فون کر سکتے ہیں نہ کبھی لوٹ کر آتے ہیں۔

☆☆☆

سکندر نے جب پہلی مرتبہ اس پر ہاتھ اٹھایا تھا تو وہ سراسیمگی سے اس کو دیکھے گئی تھی اس نے تو تصور میں بھی یہ نہ سوچا تھا، یہ اس کے خوابوں کا شہزادہ تھا، جس کا بت پاش پاش ہو کر اس کے قدموں میں آ گرا تھا، لیکن برداشت کا مادہ تو خود اس میں بھی نہیں تھا، تبھی اس نے سنبھلتے ہوئے اس کو زوردار دھکا دیا تھا اور کمرے میں چلی گئی تھی۔

پھر تو یہ روز کا سلسلہ چل نکلا، سکندر پی کر آؤٹ ہو جاتا اور پھر دونوں جانوروں کی طرح ایک دوسرے کو روندتے آخری معرکے میں سکندر نے اس کے منہ پر جب تھپڑ مارا تھا بدلے میں اس نے اس کو اس کا جوتا رسید کر دیا تھا سکندر بھونچکا رہ گیا تھا اس نے تو عورت کو ہمیشہ پٹتے دیکھا تھا یہ پہلی عورت تھی جو اپنے مرد پر ہاتھ اٹھانے سے نہیں چوکتی تھی، وہ آگے بڑھا اور جلال میں آ کر اس نے اس کے بال کھینچے اور ساتھ ہی دو تین چانٹے مزید مارے تھے پے در پے تھپڑوں نے اس کا منہ سوجا دیا تھا اس کے حواس جھنجھنا اٹھے تھے ہارنے والی تو خیر وہ بھی نہیں تھی، اس کی نئی شرٹ پھاڑ دی تھی ایک دوسرے کی اچھی خاطر تواضع کرنے کے بعد دونوں الگ الگ کمروں میں بند ہو گئے تھے اور دو دن تک کوئی بھی گھر سے باہر نہ گیا تھا۔

علینہ کے خواب بری طرح ٹوٹ چکے تھے وہ ایک درندے کو اپنی زندگی کی ڈور تھما چکی تھی، شاید باپ کی بددعائیں تھیں جو اس کا پیچھا کر رہی تھیں یہ اس کے اپنے اعمال کا نتیجہ تھا جو وہ بھگت رہی تھی۔

دو دن کے بعد وہ شرمندہ سا اس کے سامنے بیٹھا تھا، معافی مانگ رہا تھا، علینہ جو دل میں عہد کر چکی تھی کہ اس کو معاف نہیں کرے گی اس کی ذرا سی شرمساری سے اپنی ساری خفگی بھلا چکی تھی جو کچھ بھی تھا اس کے دل کی سلطنت پر اسی

کی حکمرانی تھی، یہ پہلا مرد تھا جس کی اس کے خوابوں میں حکمرانی تھی، اگلا پورا ہفتہ ان کا سکون و اطمینان میں گزرا تھا، سکندر کو دوسرے شہر جانا تھا اس کے جانے کے بعد علینہ نے ایک بار پھر سے اپنے والد سے رابطہ کیا ان کے آگے گڑگڑائی التجائیں کیں، بیٹی کا زار و قطار رونا ان سے برداشت نہیں ہو رہا تھا انہوں نے معاف کر دیا تھا علینہ بے پناہ خوش تھی وہ سکندر کی غیر موجودگی میں اپنے گھر سے ہو کر آ گئی تھی اس نے نہ جانے کیوں سکندر سے یہ بات پوشیدہ رکھی تھی۔

☆☆☆

سکندر اس کو اپنے دوست کے گھر دعوت پر لے گیا تھا اور وہاں جا کر اس کے منع کرنے کے باوجود شراب پی تھی، شراب پینے کے بعد وہ نیوز سیکشن کی ہی میمونہ کے ساتھ لپک لپک کر ڈانس کرنے لگا تھا وہ بار بار اس کے قریب جاتا، محفل میں سب لوگ ایک دوسرے میں مگن تھے، کسی کو کسی کی پرواہ نہیں تھی، سکندر کی حرکتیں دیکھ کر علینہ کی آنکھوں سے شرارے نکل رہے تھے اس نے بامشکل سلمان کو روک کر گھر چلنے کا کہا تھا۔

"گھر چلو سکندر۔" وہ بپھرے لہجے میں بولی۔

"تت...... تم......تم ......گھر جاؤ...... میں...... میمونہ...... کے ساتھ...... جاؤں گا...... اپنے...... فلیٹ...... میں۔" الفاظ ٹوٹی تسبیح کے دانوں کی طرح اس کے منہ سے ادا ہو رہے تھے، اس کے جواب پر وہ بھونچکی رہ گئی۔

"کون......کون سے فلیٹ میں۔" علینہ نہ سمجھنے والے انداز میں بولی۔

"وہی...... جس ...... میں...... اکثر...... رات...... گزارتے ہیں، پچھلے دنوں...... ہم نے...... وہی......ہنی......مون ......منایا تھا...... میمونہ......ساتھ......تھی......میرے......چلو...... مون......چلیں۔" وہ اس کو لے کر جانے لگا تھا، جب علینہ نے اس کے سامنے آ کر مداخلت کی تھی۔

"سکندر گھر چلو ورنہ یہاں بہت بڑا تماشا ہو جائے گا چلو۔" وہ غرائی تھی۔

"اوکے......اوکے۔" نشے میں ہونے کے باوجود وہ حالات کی نزاکت کو سمجھ گیا تھا۔

"چلو...... چلو...... مونا پھر...... ملیں ......گے۔" وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اس کے ساتھ چل پڑا تھا جبکہ اس نئے انکشاف نے علینہ کے سر پر پہاڑ توڑ دیا تھا، وہ کھلے آسمان تلے آ گئی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ سلمان اس حد تک جا سکتا ہے۔

اگلے دن جب وہ بیدار ہوا تو سب کچھ بھول بھال چکا تھا لیکن علینہ کو سب یاد تھا، اس نے اپنا سامان اکٹھا کیا اور اس کا گھر چھوڑ کر آ گئی اگرچہ سکندر نے اس کو بہت روکنے کی کوشش کی لیکن وہ کسی صورت بھی اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی، وہ اپنے والد کے گھر جانے کے بجائے مہر کے پاس آ گئی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اسے سلمان کے حوالے سے برا بھلا کہیں، علینہ نہ صرف اس کے گھر سے چلی گئی تھی بلکہ اس نے اگلے ہی دن اس کے مخالف اخبار کو بھی جوائن کر لیا تھا اور جاتے اس نے سکندر کی اماں بی سے کیا کہا تھا کہ وہ یکدم سے سکندر سے متنفر ہو گئی تھیں، سکندر کے دن رات عجیب بے کیف سے ہو گئے تھے وہ تھی تو بھی اس کی زندگی میں اضطراب تھا وہ محبت کو آسانی سے برت نہ پایا تھا، سنبھال نہ پایا تھا اب جبکہ وہ چلی گئی تھی اس کو نہ ختم ہونے والے پچھتاوے کی آگ میں دھکیل گئی تھی اس کو اپنی زندگی اس کے بغیر بے مقصد لگنے لگی تھی۔

☆☆☆

اس کو ساحل پر بیٹھے شام ہو گئی تھی، ساحل پر چہل قدمی کرتے خوش باش چہروں نے اس کے اندر پچھتاؤں کی آگ کو مزید بھڑکا دیا تھا اس کی زندگی میں ہی اتنی کٹھنایاں کیوں تھیں، آنسو تھے کہ بہنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، بابا کا فون آ رہا تھا وہ اس کو گھر بلا رہے تھے، وہ ان کے گھر آ گئی تھی اور ان کو سب کچھ بتا دیا، وہ مزید غمزدہ ہو گئے تھے۔

اگلے دن سکندر اس کے گھر موجود تھا شرمندہ سا پشیمان سا، یہ وہ شخص تھا جس نے اس کی زندگی کو بکھیر کر کے رکھ دیا تھا وہ اس کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہیں تھی، بابا نے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا تھا۔

"اب کیا کرنے آئے ہو؟" وہ ساری تمیز و تہذیب بالائے طاق رکھ کر بولی۔

"تمہیں لینے آیا ہوں، گھر چلو، ختم کرو یہ ڈرامے۔" سلمان کا اپنا ہی انداز تھا۔

"اب میں تمہارے گھر نہیں جاؤں گی۔" وہ غرائی تھی۔

"بیوی ہو تم میری، زبردستی بھی لے جا سکتا ہوں سمجھیں۔"

"میں تمہاری کچھ نہیں لگتی اس کے پاس جاؤ ناں جس کے ساتھ رہتے رہے ہو اور مجھے کہتے تھے کہ تم کام سے جا رہے ہو تم جیسا جھوٹا انسان اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔"

"اب دیکھ لیا نہ تو چلو اب گھر چلو، میں شرمندہ ہوں اب تمہیں شکایت کا موقع نہیں دونگا تم کہو گی تو میمونہ کو جاب سے نکال دونگا۔" اسے کسی طرح بھی مانتے نہ دیکھ کر وہ بولا۔

"اچھی طرح جانتی ہوں میں تمہاری سازی چال بازیاں۔" وہ اب اس کی کسی بات میں نہ آنے والی تھی۔

"تمیز سے بات کرو میں شوہر ہوں تمہارا۔" سکندر نے یاد دہانی کرائی اس کا لہجہ عجیب ٹوٹا بکھرا سا تھا ایک پل کے لئے علینہ کا دل ڈوب گیا لیکن اس نے اپنی بکھری ہمتیں مجتمع کر لیں اگر وہ آج ہار مان جائے گی تو وہ یونہی اس کو ہراتا رہے گا، اس کے اندر کی ضدی خود سر لڑکی انگڑائیاں لے کر بیدار ہو چکی تھی جو کسی ضرورت بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔

"میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" دل کے قلق کو اس نے اپنی بلند آواز سے دبا دیا تھا۔

"علینہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔" وہ گڑگڑایا تھا اسی طرح جس طرح اس نے اس کو شادی کرنے کے لئے زیر کیا تھا وہ یونہی اس پر جال ڈالا کرتا تھا اور پھر شکنجہ سخت سے سخت تر کر دیتا تھا۔

"ٹھیک ہے میں تمہیں ہفتے بعد لینے آؤں گا اچھی طرح سوچ لو ابھی میں اسلام اباد جا رہا ہوں، اے پی این کا اجلاس ہے وہاں۔" وہ کھڑا ہو گیا پھر ایک لمحے کو ٹھٹکا اور بولا۔

"تم بھی تو آؤ گی ناں اجلاس میں واپسی پر اکٹھے آئیں گے اور انشا اللہ اپنے گھر چلیں گے۔" وہ خود ہی سارے منصوبے بنا رہا تھا جبکہ وہ تیوری چڑھائے اس کو گھور رہی تھی۔

"اپنا خیال رکھنا بائے۔" اس نے بے اختیار آگے بڑھ کر اس کو گلے لگایا اور پھر خود سے علیحدہ کر کے چلا گیا وہ کسی سٹیچو کی مانند کھڑی رہ گئی، پہلی بار اس نے اس کے دل پر دستک دی تھی، پچھتاوے کے ناگ اس کو ڈسنے لگے تھے اس کو تہی دست بھیج کر اس کے دل میں عجیب سی بے چینی ہوئی تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو تواتر سے بہنے لگے تھے، رسائی سے نارسائی کا سفر

طویل آبلہ پائی کے بعد طے ہوا تھا۔

☆☆☆

سکندر سلمان کا کہا پورا ہوا تھا وہ اور مہر اسلام آباد اجلاس میں شامل ہونے کے لئے آئی تھیں وہاں سکندر سلمان کو دیکھ کر ایک لمحے کو ڈگمگائی تھی لیکن پھر سر جھٹک کر مہر کی طرف متوجہ ہوئی تھی جو نہ جانے کیا کہہ رہی تھی، دل میں عجیب تشنگی عجیب نارسائی کا زہر پھیلنے لگا تھا۔

اچانک ہی علینہ کی نظر میمونہ پر پڑی، اسے وہاں دیکھ کر وہ ٹھٹکی، کیا وہ سلمان حیدر کے ساتھ آئی تھی یہ سوچ کر اس کا دماغ گھوم گیا، وہ سارے فساد کی جڑ کس قدر دیدہ دلیری سے ان کے ساتھ گھوم رہی تھی وہ جو اس کے سارے حقوق رکھتی تھی دربدر رل رہی تھی، آہ قسمت کی ستم ظریفی، اجلاس ختم ہونے کے بعد لنچ کے لئے ہال میں جانے کے لئے مہر کے ساتھ سیڑھیاں اتر رہی تھی اور وہ اوپر آ رہا تھا اس کو دیکھ کر رکا پھر سیڑھیوں پر پھیل کر کھڑا ہو گیا۔

"کیسی ہو مہر؟" وہ اس پر نظریں گاڑھے بظاہر مہر سے محو گفتگو تھا، جبکہ اس کو مہر پر سخت تاؤ آنے لگا تھا وہ دوسری سائیڈ سے نکلنا چاہتی تھی لیکن اس نے راستے میں اپنی ٹانگ اڑا دی تھی وہ بامشکل گرتے گرتے بچی تھی۔

"سنا ہے علینہ کو واپس اپنی کھوئی ہوئی جنت مل گئی ہے۔" وہ اس کا طنز اچھی طرح سمجھ گئی تھی وہ اس کے منہ نہیں لگنا چاہتی تھی اس نے سے منہ پھیر لیا۔

"کاش تم اپنا دل بھی پھیر سکتیں۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا، جواباً وہ کچھ نہ بولی۔

"گھر چلو علینہ میرا دل میرا گھر تمہارا منتظر ہے۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"تمہارا گھر اور گھر جس کا منتظر ہے وہ تمہارے پاس ہے۔" وہ چیخی۔

"اچھا!" وہ سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

"ہٹو راستے سے۔" وہ غرائی تھی۔

"اگر نہ ہٹو تو؟" وہ ہٹ دھرمی سے بولتے ہوئے اس کے قریب ہوا جبکہ مہر پہلے ہی نیچے جا چکی تھی، شاید وہ جانتی تھی کہ دونوں اس مسئلہ کو حل کر لیں۔

"میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی سمجھے تم۔" وہ اس کے ہلکا سا دھکا دے کر ایک طرف ہٹاتے ہوئے بولی۔

"لیکن مجھے تو لگنا ہے، ارے میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے ڈارک لپ اسٹک لگایا کرو۔" اس نے انگشت شہادت سے اس کے ہونٹوں کو چھوا، اس نے نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا وہ بے ساختہ ہنس دیا۔

"کاش میں تمہارا مکروہ چہرہ پہلے دیکھ لیتی، تو یوں دربدر نہ ہوتی۔" علینہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے وہ اس کے پہلو سے نکلتی چلی گئی اور وہ تاسف سے اس کو جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

"علینہ تم نے بہت تماشا بنایا ہے سب ہنس رہے ہیں، کیوں کر رہی ہو تم یہ سب، سکندر جھک گیا ہے تو تم بھی نرم پڑ جاؤ۔" مہر نے اسے سمجھانا چاہا۔

"میں نے بنایا ہے یا اس نے بنایا ہے تماشا۔" علینہ دکھ سے بولی۔

"علینہ وہ مرد ہے کب تک جھکے گا تمہارے سامنے تم کیوں اس کو ضد دلا رہی ہو، ایک چھوٹی سی بات کو انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے۔"

"یہ چھوٹی سی بات ہے؟" علینہ نے پر تاسف لہجے میں کہا۔

عمارہ حامد

''چلو مان لیتے ہیں کہ یہ نظر انداز کرنے والی بات نہیں مگر علینہ وہ تمہاری خاطر سب کرنے کو تیار ہے، معافی مانگ رہا ہے تم سے، اصل حقیقت تو تم ہی ہو اور تم ہو کہ تم نے ایک معمولی ورکر کو اپنی انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے، اس کو اتنی اہمیت دے دی ہے تم نے۔'' مہر نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بڑے پیار سے اسے سمجھایا، وہ علینہ کو اپنی بہن کی طرح سمجھتی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ضد میں گھر خراب ہو۔

''میں بنا رہی ہوں یا اس نے بنایا ہے۔'' علینہ دوبدو بولی۔

''اگر تم میمونہ کا ہاتھ پکڑ کر آفس سے نکال دو گی تو سکندر اف تک نہیں کرے گا، آزما کر دیکھ لو۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔'' علینہ نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''اچھا چھوڑو کھانا شروع کرو۔'' وہ دونوں ریسٹورنٹ میں لنچ کرنے آئی تھیں مہر علینہ کے رویے سے سخت دلبرداشتہ نظر آ رہی تھی، کھانے کے دوران مہر علینہ سے اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی باتیں کرنی شروع کر دی، وہ نہیں چاہتی کہ علینہ کھانا کھانے کے بنا چلی جائے۔

لنچ کھانے کے دوران اچانک مہر کی نظر سامنے آئس بار کے سامنے کھڑی گاڑی کے اندر بیٹھی میمونہ اور گاڑی کے باہر کھڑے سکندر پر پڑی وہ آئس کریم لے کر اب کار کے اندر جا بیٹھا تھا، علینہ نے اپنی بات کا جواب نہ پا کر مہر کی طرف دیکھا اور پھر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور اس کا پورا جسم جیسے شعلوں کی زد میں آ گیا تھا، وہ اٹھ کھڑی ہوئی، مہر کو لگا کہ جو گھنٹہ بھر علینہ کو سمجھا کر سلمان کے حق میں ہموار کیا تھا سب اکارت گیا، علینہ ریسٹورنٹ سے نکل کر آئس بار کی طرف بڑھی، مہر بھی جلدی سے اس کے پیچھے لپکی کہ نہ جانے اب کیا ہو؟ علینہ نے جا کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور بولی۔

''نکلو باہر۔'' علینہ نے میمونہ کی سائیڈ والا دروازہ کھولا اور اس کو بازو سے پکڑ کر باہر نکالا او اس کو ایک زوردار تھپڑ رسید کیا، میمونہ کا دماغ جھنجھنا اٹھا، اتنے میں سکندر کار سے باہر آ چکا تھا اور اب یوں کھڑا تھا جیسے معمولی کا کوئی واقعہ دیکھ رہا ہو۔

''آج سے تم فارغ ہو اپنی جاب سے اور آئندہ آفس نہ آنا جا سکتی ہو تم اور ہاں اب میں بھی کبھی سکندر کے آس پاس نہ دیکھوں ورنہ۔'' اس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔

میمونہ نے سرخ چہرے لئے تحیر سے سکندر کی جانب دیکھا وہ محض کندھے اچکا کر رہ گیا، وہ روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی جبکہ علینہ نے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولا اور جہاں کچھ دیر پہلے میمونہ بیٹھی تھی وہاں بیٹھ گئی اور مہر کو بھی گاڑی میں بیٹھنے کو کہا۔

سکندر نے جلدی سے اسٹیرنگ سنبھالا اور ایک نظر علینہ کو دیکھ کر بولا۔

''میکڈونلڈ چلیں۔'' سکندر نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔

''ہاں چلو۔'' اس کے جواب پر سکندر مسکرا دیا اور علینہ کو لگا جیسے آج اسے اپنے سارے حقوق حاصل کر لئے ہو، اس نے پرسکون زندگی گزارنے کا ڈھنگ سیکھ ہی لیا تھا اس نے جان لیا تھا کہ اپنا حق چھینا پڑتا ہے، وہ مسکرا دی آگے کے تمام راستے روشن تابناک تھے، مہر نے ان دنوں کو مسکراتے دیکھ کر سکون سے آنکھیں بند کر لی، اور دعا کی کہ وہ دونوں یونہی تا عمر مسکراتے رہیں۔

☆☆☆

''مومل بیٹا! وہ گلدان لاؤ۔'' انہوں نے سامنے رکھے نفیس سے گلدان کی طرف اشارہ کیا، ڈارک براؤن رنگ کا یہ گلدان جس کے باہر باریک اور بے حد نفیس نقش و نگار بنے ہوئے تھے ایک نظر دیکھنے پر ہی بے حد دلکش معلوم ہوتا تھا۔

''جی امی!'' مومل نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ گلدان ان کے سامنے لا کر رکھا، انہوں نے اسے لاؤنج کے ایک کونے میں رکھ دیا۔

''یہاں اچھا لگ رہا ہے نا!''

''جی بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' مومل نے جواب دیا۔

''اور یہ درخت ادھر سیڑھیوں میں ایک کونے پر رکھ دیتے ہیں، سامنے سے نظر بھی آئے گا اور اچھا بھی لگے گا۔'' انہوں نے گہرے سبز اور ہلکے سبز پتوں سے سجے مصنوعی درخت کے پتوں کو سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

''مگر امی اسے باہر......'' ابھی اس نے کچھ کہنے کے لئے لب وا کیے ہی تھے کہ اسے اپنی امی کی نصیحت یاد آ گئی کہ سسرال میں شروع کے دنوں میں کوئی بحث، کوئی جرح نہیں کرنی اور خاموش رہنا ہے۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس درخت کو باہر مین گیٹ کے پاس رکھے اور وہ یہی کہنا چاہ رہی تھی لیکن اب وہ یکسر خاموش ہو گئی۔

''ہاں بیٹا! تم کچھ کہہ رہی تھیں۔'' وہ پتے سیٹ کر کے پلٹیں تو انہیں یاد آیا کہ مومل کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔

''نن...... نہیں، کچھ خاص نہیں، میں تو کہہ رہی تھی کہ پہلے اندر سے گھر سیٹ کر لیں تو پھر مین گیٹ پر بھی اگر کوئی ڈیکوریشن لگانا ہوا تو لگا دیں گے۔''

''ہاں...... ہاں...... کیوں نہیں۔'' وہ مسکرا کر کہتی باقی چیزیں دیکھنے لگیں۔

مومل کی شادی کو ایک مہینہ ہو گیا تھا، شروع کے دن تو ہنی مون اور دعوتوں میں ہی گزر گئے تھے ابھی چند دن پہلے ہی طلحہ کی آفس کی چھٹی ختم ہو گئی تھی اور اس نے دوبارہ آفس جانا شروع کر دیا تھا۔

شفیق انکل (اس کے سسر) بھی ملازمت کرتے تھے اس لئے وہ بھی اپنے دفتر چلے جاتے تھے، ان کے جانے کے بعد بس وہ دونوں ہی گھر پر ہوتی تھیں، آج صبح سے وہ گھر کی سیٹنگ میں مصروف تھیں، مومل کو گھر سجانے کا بہت زیادہ شوق تھا اور اسی شوق کے پیش نظر اس نے جی بھر کر اپنے جہیز میں آرائشی اشیاء رکھی تھیں اور اب وہ چاہ رہی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے سب کچھ سیٹ کرے لیکن فی الحال وہ خاموش ہو گئی تھی۔

''یہ سینری تو بہت ہی خوبصورت ہے۔'' میرون اور فان رنگ کی آمیزش کے ساتھ کلاسیکی ٹچ دیتی یہ چوکور شکل کی سینری انہیں پہلی نظر میں ہی بے حد بھلی لگی، مومل اندر ہی اندر خائف ہو گئی کہ نہ جانے وہ اسے کہاں لگائیں۔

ابھی انہوں نے صرف ٹی وی لاؤنج کی سیٹنگ کی تھی، ڈرائنگ روم، سٹنگ روم اور بیڈ روم کی سیٹنگ ہونا بھی باقی تھی اور بہت سی آرائشی چیزیں ابھی پڑی ہوئی تھیں لیکن یہ سینری مومل کی سب سے پسندیدہ تھی اور اسے خریدتے وقت ہی اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اسے اپنے بیڈ روم میں لگائے گی اور پھر اس نے بیڈ روم کے پردوں اور صوفوں کی پوشش کرواتے ہوئے بھی سینری میں استعمال ہوئے رنگوں کو ملحوظ خاطر رکھا تھا۔

''اس سینری کو ہم ڈرائنگ روم کی سامنے والی دیوار پر نہ لگا دیں بہت اچھی لگے گی اور

دروازے سے داخل ہوتے ہی سامنے اس پر نظر پڑے گی۔'' انہوں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا تو وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بے بسی سی نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

''جی! یہ سینری واقعی بہت خوبصورت ہے اور ڈرائنگ روم میں بہت اچھی لگے گی یہ مجھے پہلی نظر میں ہی بہت اچھی لگی تھی خاص طور پر اس میں جو رنگ استعمال ہوئے ہیں وہ میرے پسندیدہ ہیں اسی لئے میں نے اسے بہت شوق سے خریدا تھا۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی اور وہ جو تائیدی انداز میں اس کی طرف دیکھ رہی تھیں اس کے لہجے اور چہرے کے تاثرات سے یکدم جیسے ٹھٹک سی گئیں اس پل انہیں اس کی آنکھوں میں چبھن سے کچھ ٹوٹنے اور بے بسی کا احساس ہلکورے لیتا نظر آیا پل بھر میں انہیں احساس ہوا کہ وہ ہر چیز، ہر کام اپنی مرضی سے کر رہی ہیں اور جس کی چیزیں ہیں اس کی مرضی جاننے کی تو انہوں نے کوشش ہی نہیں کی۔

''جانے یہ سب چیزیں اس نے کتنے شوق اور چاہ سے خریدی ہوں گی۔'' یہ خیال آتے ہی انہوں نے پھر اس کی آنکھوں کی طرف دیکھا تو یہ آنکھیں اس لمحے انہیں بالکل صبا کی آنکھیں لگ رہی تھیں، یکدم ہی وقت انہیں کئی ماہ و سال پیچھے سرکتا ہوا محسوس ہوا وقت نے کئی برس اپنے دامن میں سمیٹے اور پیچھے ہی پیچھے سرکتا گیا اور ماضی کی یادوں کا اک اک چراغ روشن ہوتا گیا اتنا روشن کہ اب انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے سامنے کھڑی مومل نہیں بلکہ صبا ہے اور وہ خود صبا نہیں ہیں بلکہ زینب بی کا روپ دھارے ہوئے ہیں۔

☆☆☆

''ارے امی! یہ پھلوں کی شکل کے ڈیکوریشن ڈائننگ روم میں اچھے لگیں گے یا کچن میں، آپ نے انہیں ٹی وی لاؤنج میں لگا دیا یہاں اچھے نہیں لگ رہے۔'' صبا نے انہیں اتارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسے زینب بی کی سرد آواز سنائی دی۔

''اچھا، مجھے تو ایسے ہی اچھے لگ رہے ہیں تو تمہارے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ مجھے تو جیسے کوئی سمجھ ہی نہیں۔''

''نن...... نہیں...... م...... میرا یہ مطلب نہیں تھا، میں تو ویسے ہی ایک بات کر رہی تھی۔'' وہ مگن سے انداز میں بولتی یکدم گھبرا سی گئی اور اپنا بڑھا ہوا ہاتھ فوراً نیچے کر لیا۔

''تو اور کیا مطلب ہے تمہارا؟ مجھے تو یونہی اچھے لگ رہے ہیں اب اگر تم اپنی مرضی کرنا چاہتی ہو تو کر لو۔'' انہوں نے جتاتے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے سر کو جھٹکا تو وہ مزید روہانسی ہو گئی۔

اس نے ایسا تو کچھ نہیں کہا تھا کہ ان کا ردعمل اتنا سخت تھا۔

وہ سجاوٹ کی شروع سے ہی بے حد شوقین رہی تھی اور اس پر مستزاد اس نے بی ایس سی ہوم اکنامکس کر رکھی تھی جس نے اس کے شوق کو اور جلا بخشی تھی۔

گھر کو سجانا، نت نئے کھانے بنانا، پینٹنگ کرنا یہ سب اس کے پسندیدہ کام تھے، وہ اپنے گھر میں اکثر اپنی امی سے گھر کی سجاوٹ کے معاملے پہ الجھ پڑتی تھی اور اسی ماں سے اس نے زینب بی کو کہا تھا، ماں کی یاد آتے ہی اس کے ذہن کی سکرین پر ماں کی باتیں گردش کرنے لگیں۔

''تم بالکل نئے ماحول میں جا رہی ہو، شادی کے شروع میں تھوڑی سی مشکل پیش آتی ہے، جتنا دل بڑا رکھو گی اتنی جلدی ان کے ماحول

میں رچ بس جاؤ گی اور ہاں ایک بات یاد رکھنا، میں جانتی ہوں لڑکی کو اپنے جہیز کی چیزوں سے بہت محبت ہوتی ہے کیونکہ انہیں وہ اپنی خوشی سے اور مرضی سے خریدتی ہے لیکن پھر بھی ان چیزوں کے معاملے میں دل چھوٹا نہ کرنا، تمہاری ساس جیسے کہیں مانتی جانا اور کسی بھی بات پر زیادہ الجھنا مت، ان کو مان دو گی تو وہ تمہیں مان دیں گی اور اپنی چیزوں کے متعلق زیادہ روک ٹوک مت کرنا بیٹا، چیزیں تو ویسے بھی ذرا سی خراش سے ٹوٹ جاتی ہیں اور ان کے بدلے میں اور بھی آ جاتی ہیں لیکن رویے اگر ایک دفعہ دلوں میں خراشیں لگا دیں تو ان کا مداوا کسی صورت نہیں ہو سکتا۔"

"ٹھیک ہے بھئی جیسے تمہاری پسند ہو ویسے ہی کر لو، ویسے بھی تمہاری چیزوں پر ہمارا کیا حق بنتا ہے بھلا۔" ایک دفعہ پھر زینب بی کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ یکدم اپنے خیالوں سے چونک سی گئی۔

ان کا لہجہ واضح ناراضگی لئے ہوئے تھا، آن کی آن اس کی آنکھوں میں موتی جھلملانے لگے جنہیں اس نے بڑی مشکل سے پلکوں کی باڑ پھلانگنے سے روکا۔

"نہیں امی! آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں میں بھلا ایسا کیوں کروں گی؟ میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی، میری اور آپ کی چیزوں میں کوئی فرق ہے بھلا، آپ کا جو دل چاہتا ہے آپ کریں، آپ بڑی ہیں مجھ سے زیادہ بہتر جانتی ہیں۔" صلح جو طبیعت تو اس کا خاصہ تھی اور اسی کے پیش نظر اس نے التجائیہ لہجے میں کہا، اس کا لہجہ اس سے کتنا ٹوٹا ہوا تھا یہ زینب بی جان ہی نہ پائی تھیں، احساسات کی زبان ہر کسی کو کہاں سمجھ آتی ہے۔

اس دن کے بعد ضبا نے خاموشی اختیار کر لی تھی اور یہی خاموشی اس کی آنکھوں میں در آئی تھی، کیونکہ وہ چند دنوں میں ہی جان گئی تھی کہ زینب بی کی فطرت میں حکمرانی تھی کیونکہ انہوں نے اپنی ساری زندگی اپنی مرضی سے اور اپنی من مانی کرتے گزاری تھی اس لئے جب ان کے گھر ایک اور عورت ان کی برابر کی حیثیت سے آئی اور اپنی رائے دینے لگی تو یہ بات ان سے برداشت نہیں ہوئی تھی، وہ بظاہر اس کے ساتھ بہت اچھی رہتیں لیکن جب تک وہ ان کی بات مانتی جاتی لیکن جیسے ہی وہ تھوڑی سی بھی اپنی رائے دیتی یا ان کی کسی بھی بات سے اختلاف کرتی تو پھر وہ اس سے ناراض پھرتی رہتیں، وہ بلاتی لیکن وہ بات تک نہ کرتیں، تب اس نے حالات سے سمجھوتا کرتے ہوئے اور گھر کی فضا کو خوشگوار رکھنے کے لئے ہر اختیار ان کو دے دیا، ہر کام میں زینب بی اپنی مرضی کرتیں اور وہ صرف اثبات میں سر ہلا دیتی، وہ تب بھی خاموش رہی تھی جب انہوں نے اس کی زیادہ تر پسندیدہ سینریاں، آرائشی اشیاء وغیرہ سنبھال کر رکھ لی تھیں کہ کسی کو گفٹ دینے کے کام آ سکیں گی، حتیٰ کہ جو اس نے خود پینٹنگ کی تھیں وہ بھی نہ جانے کہاں چلی گئی تھیں۔

"اتنے مہنگے ڈنر سیٹ کراکری سیٹ ہی نکالا کرو جب کوئی مہمان آئے گھر میں یہ چیزیں استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" انہوں نے کہا تھا اور اس نے خاموشی سے سر ہلا دیا تھا۔

"یہ للے تللے بنانے کی ضرورت نہیں خوانخواہ میں اتنا پیسہ کھانے کی چیزوں پر خرچ کر دو، اس طرح کی چیزیں تب ہی بنایا کرو جب کوئی مہمان وغیرہ آئیں۔" ایک دن وہ فروٹ ٹرائفل اور بریانی بنا رہی تھی تو انہوں نے اس پر بھی ٹوک دیا۔

"جی امی! آئندہ خیال رکھوں گی۔" اس

نے بدلی سے کہا۔

زینب بی ساری زندگی لوگوں پر یہ ظاہر کرتی رہیں کہ صبا کو ہر کام اور ہر معاملے میں مکمل آزادی ہے اور وہ اس کو بہت مان دیتی ہیں اور وہ اطاعت گزار بہو بن کر ساری زندگی وہ مان ہی تلاش کرتی رہ گئی، طلحہ کی شادی سے دو سال پہلے صبا کی ساس سسر اپنے حصے کی زندگی جی کر آخری سفر پر روانہ ہو گئے تو گھر میں جیسے خاموشی نے ڈیرے ڈال لئے تو انہوں نے طلحہ کی شادی کرنے کا سوچا۔

طلحہ کی شادی کے بعد موحل کے جہیز میں آرائش و زیبائش کی ان گنت چیزیں دیکھ کر یکدم ہی ان کی بھولی بسری خواہشیں انگڑائیاں لینے لگی تھیں۔

"کتنی عجیب ہوتی ہیں نا یہ چھوٹی چھوٹی خواہشیں بھی، اگر کسی کو بتاؤ تو وہ آپ کو عجیب سی نظروں سے دیکھے گا اور سوچے گا کہ کیا پاگل اور ناشکری عورت ہے، دنیا میں اتنے بڑے بڑے غم اور پریشانیاں ہیں اور یہ اتنی چھوٹی سی بات پر سوچ رہی ہے لیکن یہ تو وہ دل ہی جانتا ہے جس میں ایسی کئی چھوٹی چھوٹی خواہشیں جنم لے کر ماضی کے دھندلکوں میں گم ہو جاتی ہیں اور گمشدہ چیزیں تو ہمیشہ ایک حسرت بن جایا کرتی ہیں۔" ان کے ذہن و دل سوچوں کی گہری کھوہ میں اترے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے صبا؟ ابھی تک جاگ رہی ہو۔" ان کے قریب سے شفیق صاحب کی آواز ابھری تو وہ جیسے اپنے حال میں لوٹ آئیں۔

"کوئی پریشانی ہے کیا؟ دفتر سے آنے کے بعد سے میں دیکھ رہا ہوں تم مجھے الجھی الجھی اور پریشان لگی ہو، صبح تو تم بالکل ٹھیک تھی۔" انہوں نے کھوجتی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں، بس آج ذرا طبیعت ٹھیک نہیں تھی، بس میں سونے ہی لگی تھی اور آپ کیسے جاگ گئے، آپ تو اتنی گہری نیند سوتے ہیں۔" انہوں نے بات بدلتے ہوئے ان سے سوال کیا۔

"ہاں، بس پیاس لگی تھی اس لئے اٹھا تھا۔" انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

"سو جاؤ، صبح نماز کے وقت آنکھ نہیں کھلے گی۔" انہوں نے پانی پی کر خالی گلاس ٹیبل پر رکھتے ہوئے انہیں تاکید کی۔

"یہ لیں بھئی، آپ پریشان نہ ہوں، سونے لگی ہوں۔" وہ تکیہ جو بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگانے کی غرض سے رکھا ہوا تھا اسے سیدھا کر کے لیٹتے ہوئے بولیں۔

"اب تمہاری آزمائش کا وقت ہے، ماضی میں جو باتیں تمہیں بری لگتی رہی ہیں یا جن پر تمہارا دل دکھا ہے کیا تم چاہو گی کہ اب تم بھی وہی طرز عمل اختیار کرو اور کسی کی دل آزاری کا سبب بنو۔" دل نے جھکے سے سرزش کی تو بے اختیار ہی ان کا سر نفی میں ہل گیا۔

"تو پھر کسی کے دل کی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو حسرتوں کی آماجگاہ مت بننے دو، صبا کی ذات کو موحل کی ذات میں مدغم کر کے اس کی خواہش کو اپنی خوشی بنا لو۔" نیند کی وادی میں جانے سے پہلے دل نے سمجھانا چاہا اور انہوں نے دل کی بات مانتے ہوئے طمانیت کے احساس تلے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

"امی! آپ کا ناشتہ۔" موحل نے ڈرتے ڈرتے ناشتے کی ٹرے ان کے سامنے رکھی اور

ان کی طرف دیکھا، لیکن ان کے چہرے پر تو ملامت کے سوا اور کوئی عکس نہ تھا جو ملامت ان کے چہرے پر تھی وہی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔

طلحہ اور شفیق صاحب کے آفس جانے کے بعد موحل اپنا اور صبا کا ناشتہ بنا کر لائی تھی اور وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید صبا اس سے ناراض ہیں اسی لئے وہ گھبرا رہی تھی۔

''رکھ دو بیٹا! اور تم بھی آجاؤ، پہلے ناشتہ کرلو پھر کچن سمیٹ لینا۔'' اس کا مطلب ہے کہ امی مجھ سے ناراض نہیں ہیں تو پھر کل واقعی ان کی طبیعت خراب ہوگئی تھی، موحل کچن کے واش بیسن میں ہاتھ دھوتے ہوئے مسلسل صبا کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی کیونکہ کل اچانک ہی صبا نے کہا تھا کہ ان کی طبیعت خراب ہوگئی ہے اور وہ پھر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں تو وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید اس کی کسی بات سے صبا ناراض ہوگئی ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ انہوں نے اپنی طبیعت خراب ہونے کا بہانہ بنایا تھا وہ تو کل دن سے رات تک اپنے ماضی کے دھندلکوں میں گم رہی ہیں۔

''آجاؤ بیٹا! جلدی سے ناشتہ کرلو، ٹھنڈا ہو جائے گا۔'' وہ ہاتھ دھو کر آئی تو ان کے پیار بھرے لہجے سے مزید ہلکی پھلکی ہوگئی۔

''کام والی آتی ہی ہوگی اسے ساتھ لگا کر جو بھی سیٹنگ کا کام کروانا ہو کروالینا میں اتنی دیر میں سبزی کاٹ دوں گی پھر تم کھانا بنالینا میں اس سے صفائی کروالوں گی۔''

''ارے...... سیٹنگ آپ کروایئے نا، آپ ہی تو بتائیں گی کہ کون سی چیز کہاں رکھنی ہے اور کیسے رکھنی ہے۔'' اس نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''کیوں نہیں، تمہیں جہاں سمجھ نہ آئے مجھ سے پوچھ لینا، فی الحال میں تمہاری مدد نہیں کر سکتی، کل اتنا سا ہی کر کے میں تو بری طرح تھک گئی تھی اور تم نے دیکھا ہی تھا کہ اچانک میری طبیعت خراب ہوگئی تھی۔''

''جی میں تو ڈر رہی تھی کہ آپ کو اچانک کیا ہوگیا ہے۔'' موحل نے ان کی تائید کی۔

''اور ہاں ٹی وی لاؤنج میں اگر کوئی تبدیلی کرنے ہو تو کر لینا۔'' انہوں نے مزید کہا۔

''نہیں اس کی کیا ضرورت ہے، سب کچھ اتنا اچھا تو لگ رہا ہے۔'' وہ خلوص دل سے بولی۔

ان کے محبت بھرے ہلکے پھلکے انداز نے موحل کے چہرے پر خوشی کے پھول کھلا دیئے تھے۔

''آپ بے فکر ہو کر آرام کریں، میں سب کچھ کرلوں گی۔'' اس کی نظروں اور لہجے کے اتار چڑھاؤ میں ایک سکون آمیز گرہستن کا سا انداز چھلک رہا تھا اور آنکھوں میں جگنو چمک اٹھے تھے۔

فطری طور پر ہر لڑکی کو اپنا گھر سجانے، سنوارنے کی خواہش ہوتی ہے، ہر لڑکی جب اپنی زندگی کی شروعات کرتی ہے تو اس کے دل میں بے پناہ امنگیں اور آرزوئیں پنپ رہی ہوتی ہیں اگر ایک گھر میں رہتے ہوئے ہر کسی کو تھوڑا بہت اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق جی لینے دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بس تھوڑا سا دل اور ظرف بڑا کرنا پڑتا ہے اور پھر خوشی کے سارے پل آپ کی مٹھی میں ہوتے ہیں، بظاہر یہ چھوٹی سی بات ہے لیکن یہ چھوٹی چھوٹی باتیں آپ کے گھر کو اور دل کو کس قدر پرسکون رکھتی ہیں وہ سکون صبا اس پل اپنے گھر میں اور اپنے دل میں محسوس کر رہی تھیں۔

☆☆☆

''یہ لو بیٹا! جی بھر کے کھاؤ۔'' عارفہ نے سب کو کھانا نکال کر دیا اور آخر میں چھوٹے بیٹے زوہیب کی پلیٹ بھرتے ہوئے بولی، نوید کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''کتنی بار سمجھایا ہے تمہیں، سب بچوں کو برابر رکھا کرو، مگر تم ہمیشہ سب کے حصے سے کچھ نہ کچھ نکال کر زوہیب کا حصہ بڑھا دیتی ہو۔'' ان کا اشارہ اس وقت زوہیب کی بوٹیوں سے بھری پلیٹ کی طرف تھا۔

''تو اس میں اتنی بری بات کیا ہے، آپ تو ہمیشہ بس اس کے کھانے پہ نظر رکھتے ہیں، تبھی تو زوہیب کو کچھ لگتا نہیں۔'' عارفہ تلملائیں۔

''یہی تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں بیگم، ماں ہو کر یہ کمی بیشی تمہیں زیب نہیں دیتی، تمہاری اسی زیادتی نے دوسرے بہن بھائیوں کو زوہیب سے دور کر دیا ہے، خلیج سی پاٹ دی ان کے درمیان۔'' تلخ لہجے میں کہتے ہوئے انہوں نے کھانا شروع کیا۔

''آپ کو ایسا لگتا ہے، ورنہ میں ماں ہوں، میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ میرے کس بچے کو کیا ضرورت ہے۔'' وہ ذرا دیر رکیں۔

''آپ ذرا صہیب سے پوچھو، گوشت دیکھتا تک نہیں، تبھی میں اس کے حصے کی بوٹیاں زوہیب کو دے دیتی ہوں اور نجمہ اور سلمٰی تو ہیں ہی بیٹیاں، ان کے لئے زیادہ گوشت اچھا نہیں ہوتا، میری تائی نے سمجھایا تھا میری امی کو، وقت سے پہلے قد کاٹھ نکال لیتی ہیں۔'' انہوں نے اپنے تئیں بہت پتے کی بات کی تھی مگر نوید چڑ گئے۔

''میں تو جب بھی ان کو باہر لے کر جاتا ہوں صہیب، ٹھیک ٹھاک گوشت کھاتا ہے اور رہی بات لڑکیوں کی تو یہ آپ کی نانی کا نہیں میڈم بلکہ سائنس کا دور ہے اور سائنس کہتی ہے پروٹین کی سب غذائیں بہت ضروری ہوتی ہیں لڑکیوں کے لئے۔'' ان کی آواز تیز تھی۔

''نہ تو آپ کہنا چاہتے ہیں، میں ماں ہو کر دوسروں کے منہ سے نوالہ چھین چھین کر زوہیب کو دے دیتی ہوں۔'' ان کا صبر بھی جواب دے گیا۔

''کرتی تو یہی ہو، اب جان بوجھ کر یا انجانے میں یہ میں نہیں جانتا، لیکن ایک بات بتا دیتا ہوں عارفہ، انسان کے سنبھلنے کا ایک وقت ہوتا ہے، اگر بندہ اس صحیح وقت پہ نہ سنبھل پائے تو پھر اس کے پاس پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں رہتا۔'' عارفہ نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا، کہ انہوں نے ہاتھ اٹھا کر مزید بحث سے روک دیا اور کھانے کی میز سے اٹھ گئے، عارفہ دوبارہ زوہیب کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

☆☆☆

''بیٹا پلیز پہن لو، یہ سوٹ تو تم نے اپنی پسند سے لیا تھا، اب عین موقع پر میں کہاں سے نیا لا کر دوں؟'' عارفہ کے بھائی کی مہندی تھی اور عین موقع پہ زوہیب نے اپنی پسند کا سوٹ پہننے سے انکار کر دیا تھا۔

''مجھے صہیب والی شیروانی چاہیے۔'' زوہیب کی فرمائش کے لئے ایک پل کے لئے تو عارفہ خود حیران رہ گئی، کیونکہ زوہیب ہمیشہ شرٹ اور جینز پسند کرتا۔

''تم نے تو کبھی شیروانی نہیں پہنی بیٹا، تم پر سوٹ نہیں کرے گی یہ۔'' اس نے زوہیب کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''آپ کا مطلب ہے میں صہیب سے کم صورت ہوں۔'' وہ مزید شاکڈ ہوئی۔

''نہیں چندا، میں تو بس اس لئے کہہ رہی تھی کہ پہلے کبھی تم نے پہنی نہیں شیروانی تو آج

کیوں؟'' وہ ٹکنے لگیں۔

''مگر کہا نہ، آج پہنوں گا، وہ بھی صہیب والی شیروانی۔'' ساتھ کھڑے صہیب نے بیڈ پہ پڑی شیروانی یوں جھپٹی جیسے ابھی زوہیب اسے غائب کر دے گا، عارفہ کے دل کو کچھ ہوا، مگر وہ زوہیب کی ضد کے سامنے بھی مجبور تھی، سو وہ صہیب کے پاس چلی آئی۔

''صہیب بیٹا، آپ یہ جینز پہن لو، یہ زوہیب کو دے دو، ویسے بھی آپ دونوں کا سائز ایک ہی ہے۔'' ان دونوں کی عمروں میں دو سال کا فرق تھا، مگر تقریباً ہم عمر دکھائی دیتے۔

''مگر امی، میں نے تو......'' صہیب تڑپا۔

''کہہ دیا ناں۔'' عارفہ نرمی سے بات بنتی نہ دیکھ کر برہم ہوئیں، ویسے بھی فنکشن کے لئے دیر ہو رہی تھی، وہ ہمیشہ کی طرح زوہیب کی ضد کے آگے ہار مان کر صہیب سے شیروانی لے چکی تھی، دس سالہ زوہیب کے چہرے پہ عجیب فاتحانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

☆☆☆

''پاپا زوہیب نے میری ڈول کا ہاتھ توڑ دیا۔'' نوید قمر ابھی ابھی آفس سے آئے تھے اور نجمہ اور سلمٰی نے انہیں گھیر لیا تھا، سلمٰی نے تو باقاعدہ روتے ہوئے اپنی کہانی بھی سٹارٹ کر دی۔

''سلمٰی! پاپا تھکے ہوئے آئے ہیں اور تم لوگ......'' عارفہ کی پکار پہ وہ دونوں مزید باپ کے نزدیک ہو بیٹھیں۔

''تم کھانا لگاؤ، میں ٹھیک ہوں۔'' نوید نے ہمیشہ کی طرح انہیں بے بس کر دیا، وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ان دونوں بچیوں کو تنبیہ کرتیں باہر چلی گئیں، نجمہ اور سلمٰی ماں کے جاتے ہی پھر سے شیر ہو گئیں۔

''ہاں اب بتاؤ مجھے ساری بات۔'' نوید ہمہ تن گوش ہوئے۔

''پاپا زوہیب بھائی نے میری گڑیا کا بازو توڑ دیا۔'' سلمٰی نے منہ بسورا۔

''آپ نے بھی شرارت کی ہو گی ناں۔'' وہ مسکرائے۔

''نو پاپا، وہ مجھ سے چپس مانگ رہے تھے، میں نے منع کیا تو انہوں نے میری گڑیا کا ہاتھ توڑ دیا۔''

''ہاں پاپا اور مجھے بھی ہاتھ پہ چٹکی کاٹی۔'' نجمہ نے ان کے سامنے کلائی پھیلائی، نیلگوں سا نشان نوید قمر کو شاکڈ کر گیا۔

''مما کو بتایا آپ نے؟'' وہ کئی سیکنڈز کے بعد بول پائے۔

''بتایا مگر انہوں نے میرا چپس کا پیکٹ لے کر ان کو دے دیا اور ہمیں یہ بات آپ کو بتانے سے بھی منع کیا۔'' نجمہ جو کافی سمجھدار تھی دھیمے لہجے میں ساری بات بتاتی گئی۔

''ابھی تک یہیں ہو تم دونوں، چلو جاؤ اپنے روم میں، ہوم ورک ختم کرو اپنا۔'' عارفہ کھانا لے کر آئی تو انہیں وہیں بیٹھا دیکھ کر آنکھیں دکھائیں۔

''ایک منٹ، کھانا واپس لے جاؤ اور ان دونوں کو تیار کر دو، میں آج تینوں بچوں کو باہر لے کر جاؤں گا۔'' نوید قمر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تینوں کیا مطلب؟'' عارفہ نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

''نجمہ، سلمٰی اور صہیب۔'' ان کا لہجہ قطعی تھا۔

''آپ زوہیب کو لے کر نہیں جائیں گے مگر کیوں؟'' وہ تڑپی۔

''جو کچھ اس نے آج بہنوں کے ساتھ کیا،

یہ اس کی سزا ہے۔" وہ تلخ ہوئے۔
"مگر اس طرح تو اسے کمپلیکس ہو سکتا ہے، اپنے بہن بھائیوں سے کھنچ جائے گا وہ۔" عارفہ بے قرار ہوئیں۔
"یہ بات مجھ سے زیادہ تم خود کو سمجھا لو تو اچھا ہے، دیر ہو گئی تو ہاتھ ملتی رہ جاؤ گی، میں کم از کم آئندہ تمہیں یہ بات سمجھانے کی کوشش نہیں کروں گا، اب جلدی کرو، ہمیں دیر ہو رہی ہے۔" وہ بات ختم کر کے باتھ روم کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

وقت واقعی اتنی تیزی سے گزرتا ہے جیسے بند مٹھی سے ریت، سو یونہی وقت گزرتا گیا، نوید قمر آفس کے بعد اپنا تمام تر وقت بچوں کے لئے وقف کر دیا، وہ ان سب کو برابر وقت دیتے، اول دنوں میں زوہیب بھی ان کی توجہ کا مرکز رہا، مگر اس کی ضد اور ہٹ دھرمی اور عارفہ کی بے جا طرف داری کی وجہ سے خود بخود نوید زوہیب سے دور ہوتے گئے، ان کا رویہ زوہیب کے ساتھ مزید سخت ہو گیا۔
نوید گھر آئے تو ان کے ہاتھ میں کاغذات تھے، انہوں نے آتے ہی صہیب کو آواز دی تھی۔
"جی ابو!" وہ فوراً چلا آیا تھا۔
"بیٹا یہ کچھ کاغذات ہیں، انہیں سنبھال کے رکھ دو، میں جائیداد اب تم تمام بہن بھائیوں میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں، زندگی کا کچھ پتہ نہیں، سو میں نہیں چاہتا کہ بعد میں تم لوگوں کو کوئی مسئلہ ہو۔" ان کے لہجے میں فکر مندی تھی۔
"اللہ آپ کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھے ابو۔" صہیب نے ان کے کاندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
"ابو کیا زمینوں میں صرف ہم دو بھائیوں کا حصہ ہوتا یا......" زوہیب باہر آیا۔
"نہیں، نجمہ اور سلمٰی کو بھی ان کا پورا حق ملے گا۔" نوید کا لہجہ خود بخود تلخ ہو گیا۔
"لیکن کیوں، ہم نے ان کا ٹھیکہ نہیں لیا، بس آپ کسی جگہ اچھا رشتہ دیکھ کر ان سے جان چھڑائیں۔" وہ بدتمیزی پہ اتر آیا۔
"تم ہوتے کون ہو مجھے یہ سبق پڑھانے والے، میں تمہیں عاق کر سکتا ہوں، بیٹیوں کا حق نہیں مار سکتا۔" ان کی آواز تیز اور لہجہ اٹل تھا۔
"آپ ہوتے کون ہیں، جائیداد ہماری ہے، ہم بھائی ہی برابر تقسیم کریں گے۔" زوہیب بھڑکا۔
"زوہیب!" عارفہ نے کس کے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا تھا وہ شاکڈ رہ گیا۔
"امی آپ نے مجھے......" وہ تڑپا۔
"ہاں، کیونکہ آج تم نے بدتمیزی کی ساری حدیں پار کر دیں، اپنے باپ کے سامنے آواز اونچی کرتے ہوئے تمہیں ذرا بھی ان کی عزت کا خیال نہ آیا۔" وہ رونے لگیں تھیں۔
"نکل جاؤ، دفعان ہو جاؤ، اس گھر سے۔" انہوں نے زوہیب کو دھکے دے کر باہر نکالتے ہوئے چیخیں، وہ بھی غصے سے پھنکارتا باہر چلا گیا، نوید غصے سے کانپتے اندر چلے گئے، صہیب ماں کے پاس چلا آیا، عارفہ وہیں زمین پر دوزانو بیٹھ گئی، آنکھوں نے پچھتاوے کے آنسو بہنے لگے، ان کے پاس اب کچھ نہیں بچا تھا، سوائے احساس زیاں کے، وقت واقعی ریت کی طرح ان کی مٹھی سے نکل گیا تھا۔

☆☆☆

شگفتہ شاہ

نیٹ کہانی

پہلے لڑکے کی طرف سے Add کرنے کی درخواست، ایڈ کرنے پر Thanks!
بہانوں بہانوں سے Chat کرنا
لڑکی کی ہر پوسٹ کو Like کرنا
پھر رات رات بھر Chat
وعدے
خواب
دعوے
خوبصورت لفظوں کا جال
ملاقاتیں
پھر بے رخی
نہ چیٹ کرنا نہ ہی لائیک کرنا
لڑکی پریشان
بار بار وجہ پوچھنے پر
"Leave me alone" (مجھے اکیلا چھوڑ دو)
وعدے، دعوے یاد دلائے جانے پر
"میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا، تم نے خود ہی Aspecatation وابستہ کر لی تھیں۔
لڑکی کی دنیا اندھیری
منتیں، سماجتیں، محبت کا اظہار
لڑکے کی طرف سے بیزاری
آخر کار......
موبائل نمبر بلاک، نیٹ اکاؤنٹ بلاک!

☆☆☆

ترقی

آفس میں دن رات محنت وہ کرتی رہی مگر ہر نیا آنے والا باس اہمیت دوسری کولیگ لڑکی کو دیتا رہا۔
اس نے دوسری لڑکی کی غلطیاں گنوائیں مگر اسی کو اعلیٰ کارکردگی کا ایوارڈ ملا۔
وہ میرٹ پر فخر کرتی رہ گئی دوسری اس نے زیادہ ترقی لیتی گئی۔
اسے ہر باس نے محض مشین سمجھ کر بے انتہا کام لیا، دوسری مشین اور ادائیں دکھا کر ان کا دل جیتتی رہی۔
وہ وہیں کھڑی رہی، دوسری اس کی "باس" بن گئی۔
اسے ترقی کرنا آئی ہی نہیں کہ اس میں عقل ہی نہیں تھی تبھی تو وہ فقط حیران ہو کر اب بھی یہی سوچتی ہے کہ:۔
"دوسری لڑکی میں، ایسا کیا ہے، کہ جو مجھ میں نہیں؟"

☆☆☆

مکمل کریں

وہ لڑکے کی اچھی دوست بننا چاہتی تھی۔
سو بن گئی۔
پھر اس کو لڑکے سے پیار ہو گیا اور وہ اس کی محبوبہ بننا چاہتی تھی سو بن گئی۔
پھر اس نے اس سے منگنی کرنا چاہی، سو ہو گئی۔
پھر وہ اس کی بیوی بننا چاہتی تھی۔
سو بن گئی۔

وہ خاندان کی اچھی بہو بننا چاہتی تھی۔
سو بن گئی۔
وہ بہترین ماں بننا چاہتی تھی۔
سو بن گئی۔
وہ اچھی ساس بننا چاہتی تھی سو بن گئی۔
وہ نانی، دادی بننا چاہتی تھی۔
سو بن گئی۔
یہ ہے ایک کامیاب اور خوشنصیب لڑکی کی کہانی۔

☆☆☆

وہ لڑکی سے دوستی کرنا چاہتا تھا
سو کرلی۔
اسے لڑکی سے پیار ہو گیا اور اس کا محبوب بن گیا۔
پھر وہ اس کا منگیتر بنا۔
پھر شوہر بنا۔
وہ پھر بور ہو گیا۔
پھر سے دوسری لڑکی سے دوستی کی۔
ساتھ میں بچوں کا باپ بنتا رہا۔
وہ پھر سے محبوب بن گیا، جبکہ سسر بننے کے لائق تھا۔
اس نے پھر شادی کرلی حالانکہ بیٹے کے شادی کی عمر تھی۔
وہ پھر بچوں کا باپ بنا جبکہ دادا بھی بن سکتا تھا۔
مگر۔
پھر سے بور ہو گیا۔
اب یہ کہانی آپ مکمل کریں ضروری ہے کہ ہر کہانی میں ہی بتاؤں......؟

☆☆☆

توہین عدالت

کئی سالوں سے عدالتوں سے انصاف لینے کی خاطر دھکے کھاتے ہوئے اس نے کتنی ہی بار سوچا کہ منصفوں کی کرسی پر بیٹھے ہوؤں سے کہے:۔
''جناب عالی! انصاف دینے میں تاخیر کرنا بذات خود ایک بہت بڑی ناانصافی ہے۔''
مگر یہ کہنے سے ''توہین عدالت'' کی سزا ''بلاتاخیر'' ہو سکتی ہے۔؟

پرانا ڈائیلاگ

جب لڑکے نے لڑکی سے ہزار بار دہرایا ہوا گھسا پٹا ڈائیلاگ کہا۔
''میں بہت مجبور ہو گیا تھا، تم سے کیے ہوئے وعدے نہ نبھا سکا اور امی ابو کے مجبور کرنے پر ان کی پسند سے شادی کرنی پڑی۔''
تب اس کا جی چاہا کہ اسے کہہ دے۔
''عشق بھی اماں باوا سے پوچھ کر کرتے۔''
مگر......اپنے دل کا درد چھپا کر، آنسوؤں کو آنکھوں میں روک کر اتنا ہی کہہ پائی۔
''مبارک ہو۔''

لڑکیاں

غیرت کے نام پر قتل ہوتی ہوئی۔
جرگے کے فیصلوں میں ونی، بنتی ہوئی۔
بھائی، باپ کی شادی کے بدلے میں دی ہوئی۔
جہیز کی لعنت کی بھینٹ چڑھی۔
چولہے کے پھٹنے سے جلی ہوئی۔
محبت کے نام پر دھوکے کھاتی ہوئی۔
جھوٹی قسموں پر اعتبار کرتی ہوئی۔
بیچاری...... یہ لڑکیاں......!!!

☆☆☆

کتاب نگر

کوؤں کی بستی میں اک آدمی

مصنف: طاہر نقوی

تبصرہ ——— ثمین کرن

کچھ کتابیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو پڑھنے کے لئے آپ کو محنت درکار نہیں، وہ کتابیں قاری کو خود سے باندھے رکھنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہیں، طاہر نقوی کے افسانے اس خوبی سے معمور ملیں گے، اک روانی بے ساختگی وسلاست ہے ان کے فن میں، پڑھتے چلے جائیے یوں جیسے پرسکون سمندر میں کشتی اتار کر کبھی سیر کو نکل جائیں اور واپس آنے کو جی نہ چاہے کچھ ایسی ہی روانی اور بے ساختگی آپ کو طاہر نقوی صاحب کے افسانوں میں ملے گی۔

طاہر نقوی اک مشاق اور منجھے ہوئے افسانہ نویس ہیں یہ ان کا پانچواں افسانوی مجموعہ ہے، اس سے پہلے چار کتابیں آ چکی ہیں ''بند لبوں کی چیخ'' آدم جی ایوارڈ یافتہ ہے اور ''دیر بھی نہیں ہوتی'' بھی ادبی ایوارڈ یافتہ۔

ایک سو ساٹھ صفحات کی حامل کتاب اور اس مجموعے میں بتیس افسانے شامل ہیں، طاہر نقوی کے افسانوں کو پڑھ کر آپ کو شدت سے اس بات کا احساس ہوگا کہ وہ اپنی بات وکیفیت کو اپنے جملوں ولفظوں میں سمو دینے میں پوری طرح قدرت رکھتے ہیں۔

''کوؤں کی بستی میں اک آدمی'' اصطلاح خود اپنی ذات میں معنی خیز ہے اک بھرپور معاشرتی طنز ہے اور دراصل یہ اس کتاب میں شامل ان کے پہلے افسانے کا عنوان بھی ہے، اک ایسے معاشرہ جہاں بے معنی ولایعنی شور ہے کوؤں کی کائیں کائیں سا...... جہاں ''لفظ کھو چکا ہے'' اس کی حرمت گم شدہ اور وہ لفظ وہ خیال جو اک حساس لکھاری کی ان دیکھی تلاش ووجدان پہ اترتا ہے اس کے برعکس اس کوؤں کی بستی میں اس پہ حکم صادر کیا جاتا ہے کہ۔
''وہی لفظ لکھو جو آج کل رائج ہیں''

اسی طرح ''افسانہ نگار کی اپنے کردار'' سے ملاقات بھی اک اچھوتے موضوع پر افسانہ ہے، افسانہ نگار کی عظمت یہ ہے کہ وہ اپنے کردار کو وہ طاقت عطا کرتا ہے کہ۔
''کردار جیسا چاہتا ہے ویسا بن جاتا ہے''
یوں میں اس کی طاقت کے تابع ہو گیا، وہ میرے وجود میں مدغم ہو گئی، مجھے اپنے جذبات کی رو میں بہا کر لے گئی، پھر لفظ اپنی کمین گاہ سے نکل آئے، لفظ کو معنی کردار ہی دیتا ہے۔''
اور یہ دیکھئے۔
''ہر کردار افسانہ نگار کو اپنے ساتھ ساتھ لئے پھرتا ہے، اگر اس کی مرضی کے خلاف کیا جائے تو وہ بغاوت پر اتر آتا ہے۔''

اور اسی افسانے میں عورت جو کہ افسانے کا مرکزی کردار ہے افسانہ نگار کی گویا مرضی کے برعکس اپنے کردار ورویے کا اظہار بڑی بے باکی سے کرتی ہے اور عورت کی نفسیات کی باریک پرتوں کو کھولتی ہے۔
''عورت جس مرد کو چاہتی ہو، اس سے شادی نہ ہو سکے، تب بھی پیدا ہونے والے بچے اسی کے ہوتے ہیں''
''بستر پہ اس کے ساتھ شوہر ہوتا ہے، مگر

ذہن میں وہی مرد بیٹھا رہتا ہے۔''

طاہر نقوی کے ہاں آپ کو خوبصورت اور انوکھے استعارے و تشبیہات ہی نظر آئیں گے جیسے ''ابال'' افسانہ کا یہ جملہ دیکھئے۔

''اتنی دیر میں چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی، میں نے گھونٹ لیا تو یوں محسوس ہوا جیسے کسی بوڑھی عورت کا بوسہ لے لیا ہو۔''

''ابال'' افسانہ اک طوائف کے اردگرد گھومتا ہے جو خود کو شریف عورت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہے مگر؟ اس ''مگر'' کے بعد طاہر نقوی جو سوال اٹھاتے ہیں، ان جملوں میں گو منٹو جیسی بے باکی نہیں مگر سوال اس قدر تیکھا ہے کہ جگر کے پار ہوتا ہے۔

''اکیلا'' بھی اسی مجموعے کا اک خوبصورت افسانہ ہے اور اک حساس انسان کا اس سماج میں جہاں تمام اخلاقی قدریں منہدم ہو چکی اپنی انفرادیت و تنہائی کا احساس ہے۔

''کیا تم ہر ایک کے سامنے سچ بولتے ہو؟ ہاں شدید اسی لئے مختلف ہوں، تم ناقابل برداشت ہو، اب یکایک کوئی جھنجلا اٹھا۔''

طاہر نقوی اپنے افسانے کا اختتام عموماً اک سوال یا پھر اک ایسے موڑ پر کرتے ہیں کہ وہ افسانہ ذہن کے خلیوں سے چپک جاتا ہے، چھوٹے چھوٹے واقعات و حادثات کو لے کر انہوں نے بہت خوبصورت افسانے تخلیق کیے بظاہر سادہ سی بات مگر غور کیا جائے تو بات بہت دور تک چلی جاتی ہے، جبلت کو چھوتی ہوئی افسانہ ''مسئلہ'' کچھ اسی قسم کے حالات و واقعات پر مبنی ہے جس میں اک نو بیاہتا جوڑا ناساعد حالات کی بناء پر اپنے اک دوست کے چھوٹے سے سنگل بیڈروم اپارٹمنٹ کے فلیٹ میں قیام کرنے پر مجبور ہے۔

اسی طرح ''بے بس'' بھی بظاہر اس مردانہ سماج کے اک عام سے واقعے اور ہر ایک میں سے چوتھے گھر کی کہانی ہے مگر حقیقت میں گہرا طنز ہے اور عورت کی بے بسی کا اظہار بڑے بھرپور طریقے سے کیا گیا ہے۔

''ایمرجنسی'' بھی اسی طرح اک افسانہ ہے اور اک عام آدمی کے درد و کرب کا اظہار ہے جب وہ دکھ درد کا شکار ہو کر ہسپتال کا رخ کرلے اور ڈاکٹرز اپنی کسی ''ایمرجنسی'' میں مصروف۔

غرض طاہر نقوی ایک بھی زائد جملہ ادا کیے بغیر حالات و واقعات کی بنت سے معاشرتی برائیوں کو اجاگر کرنے میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔

''آزمائش'' بھی اک لاجواب افسانہ ہے اس مجموعے میں اک ایسا معاشرہ جہاں اخلاقی قدریں منہدم ہو چکی ہیں اور شرافت آپ کی کمزوری گردانی جاتی ہے اور آپ کا سلجھا مہذبانہ رویہ آپ کے منہ پر اک طمانچے کی طرح پڑتا ہے حتیٰ کہ ایسے شخص کی بیوی عدم تحفظ کا شکار ہو کر پوچھتی ہے۔

''کیا شریف مرد کی مردانگی یہی ہوتی ہے؟''

''پناہ گاہ'' اک ایسے بوڑھے کی کہانی ہے جو پارک میں صبح سویرے آ بیٹھتا اور رات کو واپس آ جاتا اور۔

''میں اس کے متعلق یہی سوچتا کہ اپنی ضروریات اور کھانے پینے کے واسطے کہاں اور کب جاتا ہے، اتنا بے کار اور اپنے گھر سے لاتعلق کیوں ہے؟''

''Monolog'' میں لکھا گیا یہ افسانہ یوں لگتا ہے کہ افسانہ نگار کے کسی ذاتی تجربے کا عکاس ہے اور یوں لگتا ہے کہ اس کردار کا بہت گہرا مشاہدہ کیا انہوں نے اور ایسا محسوس ہوتا ہے

کہ جیسے کوئی ٹیلی پیتھی پارک میں بیٹھے بوڑھے کے احساسات کو کھول دے ان پر، کیا طاہر نقوی چہرے پڑھنے میں بھی مشاق ہیں؟

یہ افسانہ ریٹائرڈ اور بوڑھے افراد جو اہل خانہ کے نزدیک فالتو و بے کار گردانے جاتے ہیں ان کے احساسات پر لکھا گیا ہے۔

''ڈنر'' اک مغربی معاشرے میں جہاں مائیں اولڈ ہاؤس میں اپنے بچوں کے بغیر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، اک ایسی ماں کے احساسات کی اک لاجواب کہانی جسے اپنے بیٹے اور بہو کے ساتھ ڈنر کرنے کا موقع ملتا ہے، اس افسانے کی چند لائنیں۔

''میں تمہیں چاہتی ہوں'' ہر بیوی کا رویہ کبھی کبھی پراسرار ہو جاتا ہے، ہنری کو سوزی کے اس بے وقت اظہار پر حیرانی ہوئی، تب سوزی نے وضاحت کی، ''کوئی اور عورت بھی تمہیں چاہتی ہے''

ہنری نے اسے سوالیہ انداز میں دیکھا تو سوزی نے نرمی سے کہا۔

''ڈنر پر اسے بھی لے چلو۔''

اک نازک احساسات کا حامل اک لائق مطالعہ افسانہ!

''اصل کردار'' ایک ایسے ناقد ایک ایسے لکھاری کا افسانہ ہے جو خود پر تنقید کرنے کے فن سے بھی آگاہ ہے اک ایسا افسانہ جو اپنے کرداروں میں جیتا ہے۔

مختصر افسانے مگر سوال اٹھانے اور روح کو جھنجھوڑنے میں مکمل کامیاب ''بدنامی'' بھی اک ایسا ہی افسانہ ہے۔

اک طمانچے کی مانند ہے، اس مردانہ معاشرے کے منہ پر کہ عورت کو انسان سمجھا جائے، بجائے اس کے کہ اس کو مرد کے ساتھ دیکھ کر سوچ و فکر کے صرف اک مخصوص طرز عمل کا ہی اظہار کیا جائے، اک ایسی لڑکی کی کہانی جو ہر نوجوان میں اپنے مقتول بھائی کو ڈھونڈتی تھی۔

''مقدمہ'' بھی اسی مجموعے کا اک اور عمدہ افسانہ ہے جو نسلی تفاوت اور انسانیت کے چہرے پہ اس بدنما داغ پر بھرپور طریقے سے طنز کرتا ہے۔

بظاہر معمولی و غیر ضروری و چھوٹے چھوٹے واقعات سے بڑے بڑے نتائج نکالتے یہ خوبصورت و دیرپا احساس دیتے افسانے اس بات کے عکاس ہیں کہ طاہر نقوی اک حساس دل و ذہن کے مالک ہیں اور معاشرتی رویوں پر ان کی گہری نظر ہے۔

''آخری حد'' اک ایسا ہی افسانہ ہے قاری اک بار تو خود کو یہ سوچنے پر مجبور پاتا ہے کہ یہ محبت کی آخری حد ہے یا پھر خود غرضی کی؟

معاشرتی سماجی و نسلی تفاوت اک حساس ادیب پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں ''بروقت'' اک ایسا ہی افسانہ ہے جہاں اک غریب کے لئے موت سی ہولناکی بھی اگر پیسے کو کھینچ لائے تو یہ موت زندگی کی گاڑی کو کھینچنے کے لئے بروقت ہے اک غریب کی زندگی کی قیمت چند روپوں سے زیادہ نہیں خود اس کے اپنے نزدیک بھی۔

''آخری سٹاپ'' اس افسانوی مجموعے کا آخری افسانہ ہے۔

بس اور سٹاپ گویا زندگی و موت کے علامتیں ہیں۔

جہاں سے چلے تھے وہیں پہ ختم، زندگی اور موت کا اک چکر اک دائرے کا سفر۔

طاہر نقوی اپنے فن و ادب کے باعث یقیناً اردو ادب میں اپنا اک منفرد مقام رکھتے ہیں۔

☆☆☆

حدیث نبویؐ

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
''رات گئے قصہ کہانیوں کی محفلوں میں نہ جایا کرو کیونکہ تم میں سے کسی کو بھی خبر نہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کس کس کو کہاں کہاں پھیلایا ہے اس لئے دروازے بند کر لیا کرو، مشکیزوں کا منہ باندھ لیا کرو، برتنوں کو اوندھا کر دیا کرو اور چراغ گل کر دیا کرو۔''
(بخاری، الادب المفرد)

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

اقوال حضرت علی المرتضیٰؓ

O اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس نے تمہارے گناہوں کو اس طرح چھپایا کہ گویا بخش دیا۔
O اللہ پاک کے نزدیک اور وہ غلطی جو تمہیں تکلیف دے اچھی ہے، اس خوبی سے جو تمہیں مغرور بنادے۔
O معافی دینے کا حق اسی کو ہے جو سب سے زیادہ سزا دینے پر قادر ہو۔
O جب عقل پختہ ہو جاتی ہے تو گفتگو کم ہو جاتی ہے۔
O جو تم کو بری بات سے ڈرائے وہ تم کو خوشی کی بشارت دیتا ہے۔

حمیرا رضا، ساہیوال

ایوانِ صدر

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ سادگی، قناعت پسندی اور عجز و انکساری میں اپنی مثال آپ تھے ایک مرتبہ ایک غیر ملکی وفد آپؓ سے ملنے آیا آپؓ کا خادم انہیں شہر سے باہر لے گیا، آپؓ اس وقت حسب معمول دوپہر کے کھانے کے بعد ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے وہ لوگ آپؓ کے خادم سے کہنے لگے۔
''ہم آپ کے خلیفہ سے ملنے آئے ہیں۔''
اس شخص نے جواب دیا۔
''یہ ہیں ہمارے خلیفہ اور جہاں آپؓ آرام فرما رہے ہیں یہ ہی جگہ ہمارا ایوان صدر ہے۔''

ماریہ عثمان، سرگودھا

آپ بھی سنیئے

O کچھ لوگ ہوا کی مانند ہوتے ہیں چپکے سے زندگی میں آتے اور چپکے سے زندگی کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔
O انسان کو فنا ہے لیکن محبت کو نہیں، تو کیا مرنا محبت کے لئے اختتام کا نام ہے؟
O محبت پربتوں کے دامن سے پھوٹنے والے چشمے کی طرح اپنی سمت اور اپنا راستہ خود بنا لیتی ہے لیکن کچھ محبتیں درگاہ پہ تقسیم ہونے والی نیاز کی طرح ہوتی ہیں جنہیں خالی ہاتھوں سے اپنے قدموں پہ خود چل کر حاصل کرنا پڑتا ہے۔
O کچھ دعائیں بڑی بے ساختہ ہوتی ہیں، اچانک ہی دل کے مندر میں گھنٹیوں کی طرح بجنے لگتی ہیں۔
O محبت کی کشتی میں پہلا سوراخ شک کا ہوتا ہے۔
O اتنے غلط انسان نہیں ہوتے جتنے غلط رویے

ہوتے ہیں۔
O کچھ لوگ گھروں کی طرح ہوتے ہیں کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں دل ان کی روح میں سمٹ جانے کو بے چین رہتا ہے۔
O کچھ لوگوں کو اپنی نفرت پر بڑا مان ہوتا ہے تو سینے نفرت کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا، نہ جانے کب آنسو بن کر بہہ جائے اور آنکھوں کے پردوں پر چھپی ہوئی چاہت اپنے پروں کو کھول کر جھلملانے لگے، لہٰذا مان اس پہ کرو جو قابل بھروسہ ہو۔
O کچھ دل بہت نازک ہوتے ہیں ان پر لفظ استعمال کرنے سے پہلے ان کے حوصلوں کو جان لو، ورنہ یا وہ دل ٹوٹ جائے گا یا تم خود۔

ماہ رخ آصف، خانیوال

اختیار کی ایک کوشش

اگر بن میں رہنا مقدر ہے
اور یہ ایک طے شدہ امر بھی ہے
کہ ہر بن میں بس بھیڑیے منتظر ہیں مرے
تو یہ سوچتی ہوں
کہ اس صورت حال میں
کیوں نہ پھر!
اپنی مرضی کے جنگل میں جا بسوں!

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

یہ کھلا

دل کعبہ ہے یا گھر موت کا ہے
کچھ بھی لیکن اسے ڈر موت کا ہے
جسے سفر زیست جان کر طے کیا ہم نے
طے کر کے پھر کھلا یہ سفر موت کا ہے

وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

برجستگی

تیمور لنگ نے سمرقند فتح کیا تو مال غنیمت میں دوسری چیزوں کے ساتھ کچھ خواتین بھی آئیں ان میں ایک اندھی عورت بھی تھی، جب اسے تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تو اس سے پوچھا۔
''تمہارا نام کیا ہے؟''
''دولت۔'' عورت نے جواب دیا۔
تیمور ہنس کر بولا۔
''دولت اندھی بھی ہوتی ہے کیا؟''
عورت نے برجستہ کہا۔
''اگر دولت اندھی نہ ہوتی تو تم جیسے لنگڑے کے گھر کیوں آتی۔''

سدرہ نعیم، شیخوپورہ

وہ لفظ جو دل پہ اثر کریں

☆ لوگوں سے بے رخی اختیار نہ کرو اور نہ ہی زمین پر اترا کر چل کیونکہ اللہ کسی اترانے والے شیخی خور کو پسند نہیں کرتا۔
☆ کوئی تم سے بے اعتنائی سے پیش آئے تو جواباً اس سے محبت سے پیش آ کر اپنے رویے کی مٹھاس سے اس کو شرمندہ کرو۔
☆ پیار سے کہی گئی ایک بات نفرت اور غصے سے کہی گئی سو باتوں سے بہتر ہے۔
☆ محبت اور خدمت نہ ہو تو ایسی کوئی ایلفی ایجاد نہیں ہوئی جو کسی رشتے کو جوڑ سکے۔
☆ دیواریں صرف کمروں کی نہیں ہوتیں دل کے گرد بھی ہوتی ہیں، کئی خواب کئی خیال ان ہی میں قید رہ جاتے ہیں۔

زاہدہ اظہر، حافظ آباد

ہوا کے دوش پہ منتشر ہونے والی چند حکایتیں

☆ پوری انسانیت سے پیار کرنا بہت آسان ہے لیکن صرف ایک ہمسائے سے پیار کرنا بہت مشکل ہے۔
☆ اکثر خاوندوں کو یہ تو یاد رہتا ہے کہ ان کی

شادی کب ہوئی تھی لیکن یہ یاد نہیں رہتا کہ کیوں ہوئی تھی؟

☆ بے وقوف ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان کسی بھی محفل میں تنہائی محسوس نہیں کرتا۔

☆ گھر وہ جگہ ہے جہاں آپ جمائی لینے کے بعد شرمندہ نہیں ہوتے اور بدمزا کھانا کھانے کے بعد بھی اسے بدمزا نہیں کہتے۔

☆ ایک عقل مند بیوی، خاوند کے سنائے ہوئے لطیفے پر اس لئے نہیں ہنستی کہ وہ اچھا ہوتا ہے بلکہ اس لئے ہنستی ہے کہ وہ عقل مند ہوتی ہے۔

☆ ایک ایسی بیوی بہتر ہے جو کھانا پکا سکتی ہو لیکن نہ پکاتی ہو بہ نسبت ایسی بیوی کے جو کھانا پکا نہ سکتی ہو اور پھر بھی پکاتی ہو۔

☆ محبت ایک ایسا جزیرہ ہے جہاں آپ ارادے کی کشتی میں سوار ہو کر نہیں جا سکتے وہاں صرف بے خبری کی ناؤ ہی جاتی ہے۔

☆ آپ کو چاہیے کہ دوسرے لوگوں کو برداشت کریں کیونکہ دوسرے لوگ بھی آپ کو برداشت کرتے ہیں۔

☆ جیسے چاند کا عکس بہتی ندی میں بہتا ہے پر اس کا حصہ نہیں بنتا ایسے ہی نیک شخص کا وجود دنیا کی ندی میں بہتا ہے پر اس کا حصہ نہیں بنتا۔

☆ ناکام ہو جانے والوں کی عزت کریں کیونکہ ان کی ناکامی کی وجہ سے آپ کامیاب ہوتے ہیں۔

☆ دنیا اگر آپ پر ہنستی ہے تو آپ بھی دنیا پر ہنسیں کیونکہ دنیا بھی تو اتنی ہی مزاحیہ ہے جتنے کہ آپ۔

☆ جو شخص اتنا سست ہو جائے کہ وہ سوچ بھی نہ سکے تو اسے شادی کر لینی چاہیے۔

☆ جب آپ اپنے سائے کو بھی نہ پہچان سکیں تو یقین کیجیے، آپ کو ڈائٹنگ کی ضرورت ہے۔

☆ گدھے اور زیبرے میں صرف ذوق لباس کا فرق ہے۔ (مستنصر حسین تارڑ کی، کارواں سرائے سے)۔

فضہ بخاری، رحیم یار خان

مہارت

کمیونزم اور جمہوریت میں بڑا فرق ہے کمیونزم میں کوئی بولتا نہیں اور جمہوریت میں کوئی سنتا نہیں۔ کہتے ہیں کہ تین سرجن ایک امریکی، ایک انگریز اور ایک روسی ائیر پورٹ پر اتفاقاً مل گئے انگریز نے کہا۔

"ہم نے ٹرانس پلانٹ کی فیلڈ میں بڑی ترقی کی ہے، ہم نا صرف دل بلکہ اب تو گردہ اور جگر بھی ٹرانس پلانٹ کر سکتے ہیں۔"

امریکی نے کہا۔

"ہم تو دماغ بدلنے میں لگے ہوئے ہیں۔"

روسی سرجن بولا۔

"ہم نے بھی ٹانسلز کے آپریشن میں بڑی ترقی کی ہے۔"

امریکی سرجن بولا۔

"یہ تو آسان آپریشن ہے۔"

روسی بولا۔

"آسان...... آسان آپ کے لئے ہوگا۔" ہمارے ملک میں تو منہ بند رکھتے ہوئے ٹانسلز کا آپریشن کرنا پڑتا ہے۔" (ڈاکٹر محمد یونس بٹ کی "خندہ پیشانیاں" سے)

حنا زبیر احمد ---- بہاولپور

ضبط کرتا ہوں تو ہر زخم لہو دیتا ہے
آہ کرتا ہوں تو اندیشہ رسوائی ہے
دیکھتا ہوں تو ہزاروں سے شناسائی ہے
سوچتا ہوں تو وہی غم وہی تنہائی ہے

....

پہاڑ اپنی جگہ ساکت کھڑا ہے
مگر یہ جبر بھی کتنا کڑا ہے
میں اس سے روٹھنا چاہوں بھی کیسے
کہ وہ میرے لئے مجھ سے لڑا ہے

....

کسی نے دی نہیں آواز مجھ کو
مگر پھر بھی یہاں رکھنا پڑا ہے
بہت چاہا مگر کب مانگ پائی
کہ وہ میری دعاؤں سے بڑا ہے

ام وہاب ---- ساہیوال

شہر کراچی یاد ہے تجھ کو
تیرے شب بیداروں میں
مزار سا چغتائی بھی تھا
یاد ہمارا یاروں میں

....

میری خطا سنگ زنی کیجیے مگر
اپنے گناہ تول کر پتھر اٹھائیے

....

پھر دیے رکھ گئیں تیری پرچھائیاں
آج دروازہ دل کا کھلا دیکھ کر
اس کی آنکھوں کا ساون برسنے لگا
بادلوں میں پرندہ گھرا دیکھ کر

نعیمہ بخاری ---- اٹک

پھر کون بھلا داد تبسم انہیں دے گا
روئیں گی بہت مجھ سے بچھڑ کر تیری آنکھیں
میں سنگ صفت ایک ہی رستے میں کھڑا ہوں
شاید مجھے دیکھیں گی پلٹ کر تیری آنکھیں

....

کسی بھی بات پر اب بھیگتی نہیں آنکھیں
کہ اپنا حال بھی سوکھے چناب جیسا ہے
کسے سناؤں میں اس دل کی داستاں واثق
شب فراق کا ہر پل عذاب جیسا ہے

....

تھی جاں بہت عزیز مگر درد درد تھا
حد سے بڑھا جو درد تو جاں سے گزر گئے
تقدیر کا یہ حسن توازن بھی خوب ہے
بگڑتے نصیب اپنے کسی کے سنور گئے

ثمرین زاہرہ ---- خان پور

پھولوں کے نشیمن میں رہا ہوں صدا سے
دیکھو کبھی. خاروں سے میرا ذکر نہ کرنا
وہ میری کہانی کو غلط رنگ نہ دے دیں
افسانہ نگاروں سے میرا ذکر نہ کرنا

....

نرم لفظوں سے بھی لگ جاتی ہے چوٹیں اکثر
دوستی ایک بڑا نازک سا ہنر ہوتی ہے

....

دل میں نے کبھی جھانکا نہ مساکین کو دیکھا
تسبیح کے دانوں میں خدا ڈھونڈ رہے ہیں
یہ میرا حوصلہ ہے تیرے بغیر
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

نمرہ سعید ---- اوکاڑہ

کتنے ستم ظریف ہیں یاران خوش مذاق

آواز مر گئی تو مجھے ساز دے دیے

....

ہوئے جاتے ہیں کیوں غم خوار قاتل
نہ تھے اتنے بھی دل آزار قاتل
مسیحاؤں کو جب آواز دی ہے
پلٹ کر آ گئے ہر بار قاتل

....

ہر اک شہر کا ماحول ایک جیسا ہے
تو اس دیار میں کتنے مکان بدلے گا
طاہرہ رحمان ---- بہاول نگر

آخری بار ملاقات کی حسرت ہے مگر
تم سے کچھ اس کے سوا اب نہیں کہنا مجھ کو
مجھ کو جاتے ہوئے آواز نہ دینا ہرگز
دیکھنا اور فقط دیکھتے رہنا مجھ کو

....

کی تھی محبت میں نے سکون دل کے لئے
وہ سینے میں اٹکا رہا چبھن کی طرح
بڑھائے تھے میں نے قدم روشنی کے لئے
وہ جلاتا رہا مجھے بس آگ کی طرح

....

میری دیوانگی پہ اس قدر حیران ہوتے ہو
میرا نقصان تو دیکھو محبت گم شدہ میری
عمرانہ علی ---- حاصل پور

ہمارے دل بہت زخمی ہیں لیکن
محبت سر اٹھا کر جی رہی ہے

....

اب تو تنہائی کا یہ عالم ہے فراز
کوئی ہنس کر بھی دیکھے تو محبت کا گماں ہوتا ہے

....

وہ جس کا ضبط تھا بلند پربتوں کی طرح
کسے خبر تھی روئے گا اک دن بادلوں کی طرح
جانے کیوں گریزاں ہیں مجھ سے احباب میرے
میں تو مخلص تھا ماں کی دعا کی طرح
عظمیٰ جبیں ---- لیہ

آنکھیں مصروف ہو جاتی ہیں بھلا دیتے ہیں لوگ
دور بہت دور نکلتے ہیں منزلیں گنوا دیتے ہیں لوگ
دست طلب اٹھا کے مانگتے ہیں محبت خدا سے
جو ہو دسترس میں تو خود ہی گنوا دیتے ہیں لوگ

....

جگر ہو جائے گا چھلنی یہ آنکھیں خون روئیں گی
وصی بے فیض لوگوں سے نبھا کر کچھ نہیں ملتا

....

کچھ اس لئے بھی میں اسے ضرور مناؤں گا محسن
کہ پھر سے روٹھنے والا بھلا نہ دے مجھے
وردہ منیر ---- لاہور

مشکل کہاں تھے ترک تعلق کے مرحلے
اے دل مگر سوال تیری زندگی کا تھا

....

تمہیں خبر ہی نہیں کہ کوئی ٹوٹ گیا ہے
محبتوں کو بہت پائیدار کرتے ہوئے

....

نہیں آتی نیند بھی موت بھی چین بھی
نہیں آتا وہ بھی کچھ دنوں سے
ہلکا ہو گیا آج کھل کے رونے سے
بہت بوجھل تھا جی کچھ دنوں سے
رانیا سحر ---- ملتان

کیوں طبیعت کہیں ٹھہرتی نہیں
دوستی تو اداس کرتی نہیں
جس طرح تم گزارتے ہو فراز
زندگی تو اس طرح گزرتی نہیں

....

بارش سے کھیلتی رہیں پختہ عمارتیں
بجلی گری تو شہر کے کچے مکان پر

....

غم وہ سفاک ستم کا قطرہ ہے
جو رگوں میں اتر کے بس جائے
زندگی وہ اداس جوگن ہے
جس کو ساون میں سانپ ڈس جائے

اور کچھ روز یہی کرب کا عالم جو رہا
ہم بکھر جائیں گے اب خواب پریشاں کی طرح

....

تمہارے شہر کی ہر چھاؤں مہرباں تھی مگر
جہاں پہ دھوپ کڑی تھی وہاں شجر ہی نہ تھا

....

چھینی کسک طلب کی مجھے سکوت وفا یاد
میرے معبود تیرا شکریہ کیا لے کے کیا دیا
مجھ سے فرشتے سیکھیں گے آداب بندگی
میں نے عبادتوں کو محبت بنا دیا
شازیہ نواب ---- علی پور

تجھ سے بچھڑ کر اب تو یوں ہے کہ بزم میں
بے سود بولنا بھی بے کار سوچنا
محسن لگی نا چوٹ نئی پھر خلوص میں
میں نے کہا نہ تھا میرے یار سوچنا

....

تیری دہلیز کا پتھر ہوئیں آنکھیں میری
ہاں جنوں کے یہی آثار ہوا کرتے ہیں
آج قدموں میں زمانہ ہے میرے پاس ہے تو
ایسے لمحے تو سردار ہوا کرتے ہیں

....

پھر دیے رکھ گئیں تیری پرچھائیاں
آج دروازہ دل کا کھلا دیکھ کر
اس کی آنکھوں کا ساون برسنے لگا
بادلوں میں پرندہ گھرا دیکھ کر
شمائل وہاب ---- کراچی

یہ میرا حوصلہ ہے تیرے بغیر
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

....

اپنا سمجھ کے جس کے لئے ہم اجڑ گئے
کل شام جا رہا تھا کسی اجنبی کے ساتھ

....

جس کو ملنا ہی نہیں تو پھر اس سے محبت کیسی
سوچتا جاؤں مگر دل میں بسائے جاؤں

علینہ طارق ---- لاہور

بات کھلنے پر وہ لے بیٹھا پرانی رنجشیں
ایسا لگتا ہے کہ وہ مجھ سے خفا پہلے سے تھا

....

دکھوں نے بانٹ لیا ہے تمہارے بعد ہمیں
تمہارے ہاتھ میں رہتے تو کتنا اچھا تھا

....

بدلا نہ میرے بعد بھی موضوع گفتگو
میں جا چکا ہوں پھر بھی تیری محفلوں میں ہوں
افشاں زینب ---- شیخوپورہ

پانی پہ تیرتی ہوئی لاش دیکھیے
اور سوچیے کہ ڈوبنا کتنا محال ہے

....

کچی مٹی سے بنا تو لو مکاں پر سوچ لو
بارشوں کو تو برسنے کا بہانہ چاہیے
لاکھ نظروں کو نئے رنگوں کا موسم ہو پسند
دل کو تو لیکن وہی ساتھی پرانا چاہیے

....

ڈھونڈ اجڑے ہوئے لوگوں میں وفا کے موتی
یہ خزانے تجھے ممکن ہے خوابوں میں ملیں
شاہینہ یوسف ---- عمرکوٹ

رستے پہ نہ بیٹھو کہ ہوا تنگ کرے گی
بچھڑے ہوئے لوگوں کی صدا تنگ کرے گی
مت ٹوٹ کے چاہو اسے آغاز سفر میں
بچھڑے گا تو ہر ایک ادا تنگ کرے گی

....

سچ نہ بولو کہ ابھی شہر میں موسم ہی نہیں
ان ہواؤں میں چراغوں کا ہے جلنا مشکل
سرسراتے ہوئے جھونکو اسے جا کر کہنا
ہو چکا ہے دل وحشی کا سنبھلنا مشکل

....

بدن میں چیخ رہا تھا لہو کا سناٹا
تھا کرب روح میں ایسا زباں پہ نہ لا سکے
نبیلہ نعمان ---- گلبرگ لاہور

اسے پالیا اسے کھو دیا کبھی ہنس دیا کبھی رو دیا
بڑی مختصر ہے یہ داستاں مری آدھی عمر گزر گئی

....

یہ کیسے فیصلے ہوتے ہیں اوپر
جو نیچے عہد سارے ٹوٹتے ہیں
خوشی کے موڑ پر ہی کیوں یہ آخر
ہمارے خواب سارے ٹوٹتے ہیں

....

ہر ایک شخص کو خواہش ہے روشنی کی مگر
سوال یہ ہے کہ پہلا دیا جلائے کون
شاہین سلیم ---- دیپالپور

تم تو غیروں کی بات کرتے ہو
ہم نے اپنے بھی آزمائے ہیں
لوگ کانٹوں سے بچ نکلتے ہیں
ہم نے پھولوں سے زخم کھائے ہیں

....

زندگی جس کے دم سے ہے ناصر
یاد اس کی عذاب جاں بھی ہے
اپنے سینے میں تو نفرت کہ نہاں رکھتے ہیں
جانے یہ لوگ محبت کو کہاں رکھتے ہیں

....

کبھی ہم بھی اس کے قریب تھے
دل و جاں سے بڑھ کے عزیز تھے
مگر آج ایسے ملا ہے وہ
کبھی پہلے جیسے ملا نہ ہو
ایمن عزیز ---- میانوالی

دل ہی دل میں روتا ہے مگر کچھ کہہ نہیں سکتا
کسی مزدور کا بچہ غباروں کی تمنا میں

....

پاس وہ آتے تو وہ یہ اس کی عقیدت ہوگی
شاید اس کو بھی مجھ سے محبت ہو گی
یوں تو چپ چاپ میرے پاس چلا آیا کر
بڑھ گیا پیار تو اک روز مصیبت ہو گی

....

یاد آؤں گی تجھے اچھے دنوں کی صورت
میں مکمل تیری تنہائی نہ ہونے دوں گی
شگفتہ رحیم ---- فیصل آباد

تھکا گیا ہے مسلسل سفر اداسی کا
اور اب بھی ہے مرے شانے پہ سر اداسی کا
میں تجھ سے کیسے کہوں یار مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں میری ہر اداسی کا

....

تتلیوں کی بے چینی آ بسی ہے پاؤں میں
ایک پل کو چھاؤں میں اور پھر ہواؤں میں
صرف اس تکبر میں اس نے مجھ کو جیتا تھا
ذکر نہ ہو اس کا بھی کل کو نارساؤں میں

....

گزر گئے ہیں جو خوشبو رائیگاں کی طرح
وہ چند روز میری زندگی کا حاصل تھے
اب ان سے دور کا واسطہ بھی نہیں ناصر
وہ ہم نوا جو میرے رتجگوں میں شامل تھے
حمیرا رضا ---- ساہیوال

وہ میرے پاس بیٹھے ہیں کہو لمحوں سے تھم جائیں
کبھی بھی دور نظروں سے نہ وہ جائیں نہ ہم جائیں
عجب ہیں روگ چاہت کے سنو نیندیں نہیں آتیں
کسی کے خواب آنکھوں میں اگر بچپن سے جم جائیں

....

چند کلیاں نشاط کی چن کر
مدتوں محو یاس رہتا ہوں
تیرا ملنا خوشی کی بات سہی
تجھ سے مل کر اداس رہتا ہوں

....

میں ہوں وہ منجمد دریا جسے سورج پہ چلنا ہے
میں وہ سیال مادہ ہوں جسے آنکھوں سے بہنا ہے
ماریہ عثمان ---- سرگودھا

محسن جو بات بات پہ کہتا تھا مجھ کو جان
آخر مجھے وہ شخص ہی بے جان کر گیا

☆☆☆

ایسی حالت

بیکر کا انگوٹھا زخمی ہوگیا، وہ اپنے ڈاکٹر کے پاس گیا تو ڈاکٹر نے انگوٹھے کو دیکھ کر کہا۔

''گھر جاؤ اور انگوٹھے کو دو تین گھنٹے تک ٹھنڈے پانی میں ڈبوئے رکھو۔''

گھر جا کر بیکر نے ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کیا، اسی اثنا میں اس کی بیوی آگئی اور پوچھا۔

''کیا کر رہے ہو؟'' شوہر نے کہا۔

''میرے انگوٹھے میں تھوڑی سی چوٹ آگئی ہے ڈاکٹر کا کہنا ہے، اگر میں دو تین گھنٹے تک اسے ٹھنڈے پانی میں رکھوں گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کیسا بے وقوف ڈاکٹر ہے؟'' بیوی نے کہا۔

''زخمی انگوٹھے کو ٹھیک کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اسے گرم پانی میں ڈبویا جائے۔''

بیوی کے کہنے پر بیکر نے دو تین گھنٹے تک انگوٹھے کو گرم پانی میں رکھا اور انگوٹھا واقعی ٹھیک ہو گیا۔

کچھ دنوں بعد اس کی ڈاکٹر سے ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا۔

''میں نے تمہارے کہنے پر عمل نہیں کیا تھا بلکہ بیوی کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے انگوٹھے کو گرم پانی میں ڈبویا تھا جس کی وجہ سے انگوٹھا ٹھیک ہوگیا۔''

''عجیب بات ہے۔'' ڈاکٹر نے حیرت سے کہا۔

''میری بیوی تو ایسی حالت میں ہمیشہ انگوٹھا ٹھنڈے پانی میں ڈبونے کو کہتی ہے۔''

نعیمہ بخاری، اٹک

ٹاس

مچھلی کے شوقیہ شکاری نے اتوار کی صبح دریا میں ڈور ڈالتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا۔

''میں کوئی کام ٹاس کیے بغیر نہیں کرتا اس لئے کبھی ناکام نہیں ہوتا، آج صبح بھی ٹاس کر کے میں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ مجھے شکار کو جانا چاہیے یا چرچ؟''

''اور تم جیت گئے ہو گے؟'' دوست نے حیرت سے پوچھا۔

''بڑا سخت مرحلہ تھا مجھے چھ مرتبہ سکہ اچھالنا پڑا پھر کہیں جا کر شکار کے حق میں فیصلہ ہوا۔''

ثمرین زاہرہ، خان پور

نشانہ باز

ایک ماہر نشانہ باز کے پاس ایک اخباری نمائندہ انٹرویو کرنے گیا کمرے میں جا بجا بیل کی آنکھیں بنی ہوئی تھیں اور ہر آنکھ پر صحیح نشانہ لگا تھا اخباری نمائندے نے نشانوں سے متاثر ہوتے ہوئے پوچھا۔

''آخر آپ ایسا اچھا نشانہ کس طرح لگا لیتے ہیں؟''

''یہ کون سا مشکل کام ہے پہلے ہم نشانہ لگاتے ہیں اور پھر اس نشانے پر آنکھ بنا لیتے ہیں۔''

نمرہ سعید، اوکاڑہ

درخواست

سمیرا نے اپنی دوست کو بتایا۔
''مجھ سے ہزاروں مرتبہ درخواست کی جا چکی ہے کہ میں شادی کرلوں۔''
''کون کرتا ہے تم سے یہ درخواست؟'' سلمٰی نے تجسس سے پوچھا۔
''میرے والدین۔'' سمیرا نے جواب دیا۔
طاہرہ رحمان، بہاول نگر

اصلاح

''میں اور میرے بہترین دوست از میر نے جب پڑھا کہ تمہارا سچا اور حقیقی دوست وہ ہے جو تمہیں تمہارے عیبوں سے آگاہ کرے، تو ہم اس پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کیا۔''
''اس سے تم دونوں کو اپنی اصلاح کرنے میں کافی مدد ملی ہوگی۔''
''میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ پچھلے پانچ سال سے ہماری بول چال بند ہے۔''
عمرانہ علی، حاصل پور

ناقدری

امیر گھرانوں میں عجیب عجیب نسل کے کتے پالنے کا رواج ہوتا ہے، ایک امیر خاتون کا لمبے بالوں والا چھوٹا سا گول مٹول کتا گم ہوگیا، جو انہیں جان سے زیادہ عزیز تھا، انہوں نے بہت تلاش کرایا، انعام بھی رکھا مگر کتا نہ ملا، آخر انہوں نے بھاری معاوضے پر ایک سراغ رساں کی خدمات حاصل کیں، سراغ رساں کتے کو ڈھونڈ لایا، مگر اس کی حالت اچھی نہیں تھی، وہ گیلا تھا اور مٹی میں لتھڑا ہوا تھا۔
''یہ تمہیں کہاں ملا؟'' خاتون نے کتے کو سینے سے لگا کر روتے ہوئے پوچھا۔
''قریبی مارکیٹ سے۔'' سراغ رساں نے جواب دیا۔
''ایک بلڈنگ کے چوکیدار نے اسے لمبے ڈنڈے کے سرے پر باندھا ہوا تھا اور اس سے کھڑکیاں اور روشن دان صاف کر رہا تھا۔''
عظمٰی جبیں، لیہ

فہرست

کسی بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا ہے کہ اس ملک کے بے وقوفوں کی فہرست تیار کی جائے۔
وزیر نے عرض کیا۔
''اگر جان کی امان ہو تو سب سے پہلے آپ کا نام ہونا چاہیے، کیونکہ آپ نے اسی ہفتے ایک غلام کو دو لاکھ دینار دے کر دوسرے شہر بھیجا ہے اگر وہ واپس نہ آیا تو......''
''اور اگر وہ خوش قسمتی سے واپس آجائے تو تم کیا کرو گے۔'' بادشاہ نے پوچھا۔
''تب میں آپ کا نام فہرست سے کاٹ کر اس کا نام لکھ دوں گا۔''
وردہ منیر، لاہور

راز داری

''ڈیڈی! میں آپ سے یہ بات کہہ تو رہا ہوں لیکن ممی کو بتائیے گا مت، میرا خیال ہے انہیں بچے پالنے نہیں آتے۔''
''تمہیں یہ خیال کیوں آیا بیٹا؟''
''آپ خود ہی دیکھیں نا، وہ اس وقت مجھے سونے کے لئے بھیج دیتی ہیں جب میں جاگ رہا ہوتا ہوں اور اس وقت مجھے جگا دیتی ہیں جب میں سو رہا ہوتا ہوں۔''

فرق

شادی کے ایک ہفتے بعد دولہا، دلہن ہنی مون کے لئے روانہ ہوئے راستے میں دلہن کو ٹھوکر لگی تو دولہا نے فوراً اس کو بانہوں سے تھام لیا اور بولا۔
''ڈارلنگ آرام سے۔'' شادی کے دس

تو دولہا نہایت غصے کے عالم میں بولا۔
''اندھی ہوگئی ہو دیکھ کر نہیں چل سکتیں۔''
حیدر رضا، جھنگ

شوہر

نوبیاہتا سوزی اپنی سہیلی کے کندھے پر سر رکھے رو رہی تھی۔
''شادی کرکے میں بڑی مصیبت میں گرفتار ہوگئی ہوں ہنی مون سے واپس آنے کے بعد لیری نے آج تک مجھ سے پیار کے دو لفظ نہیں کہے۔''
سہیلی نے یہ سن کر ناصحانہ انداز میں کہا۔
''اللہ کا شکر ادا کرو کہ تمہیں اتنی جلدی اس کی بدمزاجی کا پتا چل گیا، ابھی کچھ نہیں بگڑا، تم اکیلی ہو، خوبصورت ہو، تمہیں آسانی سے دوسرا شوہر مل جائے گا، پہلی فرصت میں اس سے طلاق لے لو۔''
سوزی نے روتے ہوئے کہا۔
''دکھ تو یہی ہے میں اس سے طلاق نہیں لے سکتی۔''
''کیوں؟''
''لیری میرا شوہر کب ہے، میری شادی تو رابرٹ سے ہوئی ہے نا۔''
نازیہ جمال، چکوال

ڈائٹنگ

''ڈاکٹر صاحب! آپ نے مجھے ڈائٹنگ کا جو پروگرام دیا ہے وہ کافی سخت ہے، خوراک کی کمی کی وجہ سے میں غصیلی اور چڑچڑی ہوتی جا رہی ہوں، کل میرا اپنے میاں سے جھگڑا ہوگیا اور میں نے ان کا کان کاٹ کھایا۔''
''گھبرانے کی کوئی بات نہیں محترمہ!'' ڈاکٹر نے اطمینان سے کہا۔
''ایک کان میں سو حرارے ہوتے ہیں۔''
سمن رضا، چیچہ وطنی

جدوجہد

کرن نے پروفیسر شانزے سے پوچھا۔
''میں آپ کو پروفیسر کہہ کر مخاطب کروں یا مسز شانزے؟''
''معاف کیجئے گا۔'' پروفیسر شانزے نے جواب دیا۔
''مسز! مجھے مسز کہہ کر مخاطب کیا کریں کیونکہ مجھے مسز بننے کے لئے زیادہ محنت کرنا پڑی ہے۔''
ایمن عزیز، میانوالی

علاج

آفس سے واپس آنے پر میرے شوہر کے سر میں سخت درد تھا لیکن اس نے ڈسپرین کھانے کے بجائے غلطی سے کتے کی بیماری کی دوا کھالی، میں نے فوراً ڈاکٹر کو فون کیا تو وہ بولا۔
''گھبرانے کی بات نہیں، لیکن اگر وہ بیچ سڑک پر بیٹھ کر چاند کے اوپر بھونکنے لگے تو بلا تاخیر مجھے فون کردیں۔''
شگفتہ رحیم، فیصل آباد

فوری علاج

ایک ماں کسی ماہر نفسیات کے پاس پہنچی اور کہنے لگی۔
''میں اپنے بیٹے کے ہاتھوں سخت پریشان ہوں، وہ مٹی کے لڈو بنا بنا کر کھاتا رہتا ہے۔''
''گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔'' ماہر نفسیات نے کہا۔
''بڑے ہو کر اس کی عادت خود بخود چھوٹ جائے گی، اتنے دن اسے برداشت کیجئے۔''
ماں نے کہا۔
''جناب! کوئی فوری علاج بتائیں، ورنہ میرے بیٹے کی بیوی روز رو کر پاگل ہوجائے گی۔''
حمیرا رضا، ساہیوال
☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

مہنا کوثر سومرو ------- رحیم یار خاں

س: صرف ایک بات پوچھنی ہے اگر میری محبت پر کوئی قبضہ کرے تو میں کیا کروں؟

ج: قبضہ "خالی" کرائیں۔

رابعہ اسلم رالی ------- رحیم یار خاں

س: عین غین بڑے بے شرم ہو سدھر جاؤ ورنہ تمہارے لیے رحیم یار خاں دور ہو گا میرے لیے لاہور دور نہیں ہے "سمجھ گئے؟"

ج: سمجھ گیا ویسے ہنوز "لاہور" دور است۔

س: میں بڑی اتھری لڑکی ہوں مجھ سے ٹکر مہنگی پڑے گی ذرا ہٹ کے رہنا؟

ج: میں تو ہٹ کر ہی ہوں یہ تو تم ہی۔۔۔؟

س: ارے ٹونی تو میں نے تمہارا نام رکھا تھا اتے لاڈ سے کہا تھا ٹونی پر لگتا ہے عزت راس نہیں ہے؟

ج: یہ لاڈ سے تم کو ایسے ہی نام سوجھتے ہیں؟

س: آئندہ بکرا عید پر قربانی کے لیے جانور کے بجائے ایک خوبصورت لڑکے کی قربانی دی جائے کیا خیال ہے خوبصورت عین غین؟

ج: بڑا ڈراؤنا خیال ہے تمہارا کہیں تم۔۔۔۔؟

سمیرا انور ------- رحیم یار خاں

س: عابد آئی لو یو عابد میں تمہارے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتی۔ عابد اٹھتے بیٹھتے تم میرے دیدوں کے سامنے جو کڑی لگا کر بیٹھے رہتے ہو پلیز عابد بتاؤ میں کیا کروں؟

ج: یہ عابد سے پوچھو۔

س: عین غین تم اپنا نام بدل کر عابد رکھ لو تو پھر آئندہ میں تمہیں عابد کہوں گی ٹھیک ہے؟

ج: اگر میں نے نام عابد رکھ لیا تو کیا عابد عین غین رکھ لے گا؟

فریدہ خانم ------- لاہور

س: یہ شور و غل کیسا ہے؟

ج: آپ کی طرح کچھ "سوال کرنے والے" ہیں۔

س: آپ کی یہ حالت کس نے بنائی؟

ج: سوال کرنے والوں نے۔

س: سانس کیوں چڑھا ہوا ہے؟

ج: دوڑ لگا کر آیا ہوں۔

س: جھوٹ مت بولو؟

ج: ہمیشہ سچ بولو۔ بس بات مکمل ہو گئی۔

س: مینڈکی کو کب زکام ہوتا ہے؟

ج: جب کنوئیں سے باہر آتی ہے۔

س: سر کے بال کیوں کھڑے ہو گئے؟

ج: تم نے کٹنگ ہی ایسی کر دی ہے اب ہم سے کیوں پوچھ رہی ہو۔

واجد نگینوی ------- کراچی

س: اگر کوئی راہ چلتے مسکرائے؟

ج: پہلے غور کر لیں کہ کہیں آپ کی حالت پر تو نہیں مسکرا رہا۔

س: سب سے اچھا شوق کون سا ہے؟

ج: دوسروں کو ہنسانا۔

س: کہنے کو اسلامی حکومت ہے جب کوئی مرتا ہے تو وزیر تو وزیر فقیر بھی پرسے کے لیے نہیں آتا؟

ج: کس کے پرسے کے لیے؟

س: اب ہماری ملاقات انٹرنیٹ پر بھی نہیں ہوتی کیا کروں؟

ج: ان کے گھر پہنچ جاؤ۔

س: مانچسٹر کی لال بسوں پر کون سا رنگ ہوتا ہے؟

ج: یہ "مانچسٹر" کون ہے؟

آصفہ انبساط نائیک ------- حافظ آباد، شنی

س: وہ کہتے ہیں "موقع محل دیکھ کر بات کیا کرو" آخر وہ محل کہاں ہے جہاں موقع دیکھ کر بات کی جاتی ہے؟

ج: ان سے کہو نا کہ تمہیں ایک بار دکھلائیں میرے ساتھ جاؤ گی تو وہ ناراض ہو جائیں گے۔

س: کل لوگ تمہارے سامنے لال رنگ کا رومال کیوں لہرا رہے تھے؟

ج: تمہیں جو گزارنا تھا اس لیے سڑک پر ٹریفک روک رہے تھے۔

س: مبارک ہو تم کو یہ شادی تمہاری سدا خوش رہو یہ دعا ہے ہماری؟

ج: کون سی شادی؟

نامعلوم نام

س: کیا دنیا واقعی گول ہے؟

ج: کون کہتا ہے نہیں ہے؟

س: کچھ تو سوچو؟

ج: سوچ ہی تو رہا ہے۔

س: اپنی ہی کیوں ہانکتے ہو؟

ج: اور کیا نہیں ہانکوں۔

لائبہ رضوان ------- فیصل آباد

س: لوگوں نے محبت کے نام کو بدنام کیوں کر رکھا ہے؟

ج: لوگوں نے محبت کے نام کو نہیں محبت کو بدنام کر رکھا ہے۔

س: آج کل لوگوں کی مسکراہٹ میں بھی طنز ہوتا ہے؟

ج: اسی کو طنزیہ مسکراہٹ کہتے ہیں۔

س: اس مطلب کی دنیا میں کوئی کسی کا نہیں؟

ج: مطلب کی دنیا سے باہر بھی جھانک کر دیکھو۔

توفیق نعمان ------- لیہ

س: بوجھو تو میں کون ہوں؟

ج: نام سے صاف ظاہر ہے۔

س: دل کی دل میں ہی رہ جاتی ہے؟

ج: لیکن آنکھیں ظاہر کر دیتی ہیں۔

س: بتاؤ تو وہ کون ہے؟

ج: کس کے بارے میں پوچھ رہی ہو؟

ململ حسن ------- کراچی

س: یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے؟

ج: کوئی سگریٹ سے دل بہلا رہا ہو گا۔

س: چلیے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے؟

ج: کون سے گلشن میں آؤں؟

س: آخری بار دیکھ لو مجھ کو؟

ج: ارادے نیک معلوم نہیں ہوتے۔

ثروت راؤ ------- خانپور

س: تمہیں میری حالت کی خبر نہیں کیا؟

ج: میں ڈاکٹر تو ہوں نہیں۔

س: یہ دامن چھڑا کر جانا تھا تو؟

ج: تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔

س: یہ محبت کا دستور نہیں ہے؟

ج: میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھتی ہو۔

پلوشہ ------- چارسدہ

س: یہ برسات کا موسم یہ رم جھم کا سماں یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا؟

ج: یہ برسات کا موسم یہ چھپتی ہوئی دھوپ اور بند ہوا۔

س: یہ دل بہلتا ہی نہیں کسی پل؟

ج: ایسے گندے موسم میں دل کیا بہلے گا۔

س: میں نے اسے پانے سے پہلے ہی کھو دیا؟

ج: اسی میں تمہاری بہتری ہے۔

☆ ☆ ☆

ماریہ عثمان: کی ڈائری سے ایک نظم
اے عشق ہمیں برباد نہ کر ہم بھولے ہوؤں کو یاد نہ کر
پہلے ہی بہت ناشاد ہیں ہم تو اور ہمیں ناشاد نہ کر
قسمت کا ستم ہی کم تو نہیں یہ تازہ ستم ایجاد نہ کر
یوں ظلم نہ کر بیدار نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
جس دن سے ملے ہیں دونوں کا سب چین گیا آرام گیا
چہروں سے بہار صبح گئی آنکھوں سے فروغ شام گیا۔
ہاتھوں سے خوشی کا جام چھٹا، ہونٹوں سے ہنسی کا نام گیا
غمگین نہ بنا ناشاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
وہ راز ہے یہ غم آہ جسے پا جائے کوئی تو خیر نہیں
آنکھوں سے جب آنسو بہتے ہیں آ جائے کوئی تو خیر نہیں
ظالم ہے یہ دنیا دل کو یہاں بھا جائے کوئی تو خیر نہیں
ہے ظلم مگر فریاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

ماروخ آصف: کی ڈائری سے غزل
اس دل کے جھروکے میں
اس دل کے جھروکے میں اک روپ کی رانی ہے
اس روپ کی رانی کی تصویر بنانی ہے
ہم اہل محبت کی وحشت کا وہ درباں ہے
ہم اہل محبت کو آزاد جوانی ہے
یاں چاند کے داغوں کو سینے میں بساتے ہیں
دنیا کہے دیوانہ یہ دنیا دیوانی ہے
اک بات مگر ہم بھی پوچھیں جو اجازت ہو
کیوں تم نے یہ غم دے کر پردیس کی ٹھانی ہے
سکھ لے کے چلے جانا دکھ دے کر چلے جانا
کیوں حسن کے ماتوں کی یہ ریت پرانی ہے
ہدیہ دل مفلس کا چھ شعر غزل کے ہیں
قیمت میں تو ہلکے ہیں انشا کی نشانی ہے

صائمہ ابراہیم: کی ڈائری سے ایک نظم
میرے نام سے پہلے
اب کے اس کی آنکھوں میں
بے سبب اداسی تھی
اب کے اس کے چہرے پر
دکھ تھا، بے حواسی تھی
اب کے یوں ملا مجھ سے
یوں غزل سنی جیسے
میں بھی ناشنا سا ہوں جیسے
وہ بھی اجنبی جیسے
زرد خال و خد اس کے
سوگوار دامن تھا
اب کے اس کے لہجے میں
کتنا کھردرا پن تھا
وہ کہ عمر بھر جس نے
شہر بھر کے لوگوں میں
مجھ کو ہم سخن جانا
دل سے آشنا لکھا
خود سے مہرباں سمجھا
مجھ کو دلربا لکھا
اب کے سادہ کاغذ پر
سرخ روشنائی سے
اس نے تلخ لہجے میں
میرے نام سے پہلے
صرف "بے وفا" ہم کو لکھا

وفا عبدالرحمان: کی ڈائری سے ایک نظم
آبلہ
اداسی کے افق پر جب تمہاری یاد
کے جگنو چمکتے ہیں
تو میری روح پر رکھا ہوا یہ ہجر کا پتھر
چمکتی برف کی صورت پگھلتا ہے
اگرچہ یوں پگھلنے سے یہ پتھر، سنگریزہ تو نہیں بنتا
مگر اک حوصلہ سا دل کو ہوتا ہے
کہ جیسے سرسبز تاریک شب میں بھی
اگر اک حوصلہ سا دل کو ہوتا ہے
کہ جیسے سرسبز تاریک شب میں بھی
اگر اک زرد رو، سہما ہوا تارا نکل آئے
تو قاتل رات کا بے اسم جادو ٹوٹ جاتا ہے
مسافر کے سفر کا راستہ تو کم نہیں ہوتا
مگر تارے کی چلمن سے
کوئی بھولا ہوا منظر اچانک جگمگاتا ہے
سلگتے پاؤں میں اک آبلہ سا پھوٹ جاتا ہے

سدرہ نعیم: کی ڈائری سے ایک غزل
یونہی بے سبب نہ پھرا کرو کوئی شام گھر میں رہا کرو
وہ غزل کی سچی کتاب ہے اسے چپکے چپکے پڑھا کرو
کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملو گے تپاک سے
نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلے سے ملا کرو
ابھی راہ میں کئی موڑ ہیں کوئی آئے گا کوئی جائے گا
تمہیں جس نے دل سے بھلا دیا اسے بھولنے کی دعا کرو
مجھے اشتہار سی لگتی ہیں یہ محبتوں کی کہانیاں
جو کہا نہیں وہ سنا کرو جو سنا نہیں وہ کہا کرو
کبھی حسن پردہ نشیں بھی وہ ذرا عاشقانہ لباس میں
جو میں بن سنور کے کہیں چلوں میرے ساتھ تم بھی چلا کرو
نہیں بے حجاب وہ چاند سا کہ نظر کا کوئی اثر نہ ہو
اسے اتنی گرمی شوق سے بڑی دیر تک نہ تکا کرو
یہ خزاں کی زرد سی شال میں جو اداس پیڑ کے پاس ہے
یہ تمہارے گھر کی بہار ہے اسے آنسوؤں سے ہرا کرو

زاہدہ اظہر: کی ڈائری سے کی ایک غزل
وہی قصے ہیں وہی بات پرانی اپنی
کون سنتا ہے بھلا رام کہانی اپنی
ستم گر کو یہ ہمدرد سمجھ لیتی ہے
کتنی خوش فہم ہے کم بخت جوانی اپنی
روز ملتے ہیں دریچے میں پڑے پھول مجھے
چھوڑ جاتا ہے کوئی روز نشانی اپنی
تجھ سے بچھڑے ہیں تو پایا ہے بیاباں کا سکوت
ورنہ دریاؤں سے ملتی تھی روانی اپنی
دشمنوں سے ہی غم دل کا مداوا مانگیں
دوستوں نے تو کوئی بات نہ مانی اپنی
آج پھر چاند افق پر نہیں ابھرا محسن
آج پھر رات نہ گزرے گی سہانی اپنی

فضہ بخاری: کی ڈائری سے ایک غزل
غرور و نازو نخوت چھوڑ کر انسان ہونا ہے
بہت دشوار ہوں اب تک مجھے آسان ہونا ہے
یہ دانائی تو گمراہی کی جانب کھینچ لیتی ہے
اسی سے دست کش ہو کر مجھے نادان ہونا ہے
بہت کچھ جان کر جانا کہ اب تک کچھ نہیں جانا
یہی جانا کہ بہتر جان کر انجان ہونا ہے
جو الجھی سوچ رکھتا ہو الجھنا اسی سے بے معنی
مجھے سلجھی سی ایک تحریر کا عنوان ہونا ہے
کیسے فاصلے کردار و شخصیت میں ملتے ہیں
بکھر کر مر رہا ہوں میں سو اب یکجان ہونا ہے
یہ انسانوں نے اخلاقی بلندی ہی سے سیکھا ہے
نہیں احسان کرنا سر تا پا احسان ہونا ہے
زمیں سے اس قدر اچھی نہیں وابستگی میری
عدم سے توڑ کر رشتہ مجھے امکان ہونا ہے

ثمرہ شیرازی: کی ڈائری سے ایک نظم

بلاوا

چلواس کوہ پرہم بھی چڑھ جائیں
جہاں پر جاکے پھر کوئی واپس نہیں آتا
سنا ہے اک ندائے اجنبی بانہوں کو پھیلائے
جوآئے اس کا استقبال کرتی ہے
اسے تاریکیوں میں لے کرآخر ڈوب جاتی ہے
یہی وہ راستہ ہے جس جگہ سایہ نہیں جاتا
جہاں پر جاکے پھر کوئی بھی واپس نہیں آتا
جو سچ پوچھو تو ہم تم زندگی بھر ہارتے آئے
ہمیشہ بے یقینی کے خطرے سے کانپتے آئے
ہمیشہ خوف کے میرا انہوں نے اپنے پیکر ڈھانپتے آئے
ہمیشہ دوسروں کے سائے میں اک دوسرے کو چاہتے آئے
برا کیا ہے اگراس کوہ کے دامن میں چھپ جائیں
جہاں پر جاکے پھر کوئی بھی واپس نہیں آتا
کہاں تک اپنے بوسیدہ بدن محفوظ رکھیں گے
کسی کے ناخنوں ہی کا مقدر جاگ لینے دو
کہاں تک سانس کی ڈوری سے رشتے جھوٹ کے باندھیں
کسی کے پنجہ بے درد ہی سے ٹوٹ جانے دو
پھراس کے بعد تو بس اک سکوت مستقل ہوگیا
نہ کوئی سرخرو ہوگا نہ کوئی منغعل ہوگا

مصباح فیصل: کی ڈائری سے ایک نظم

کسی نے سچ کہا ہے یہ
محبت اور کہانی میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا
مگر میری محبت تو
کہانی ہی کہانی ہے
محبت کی کہانی میں
کوئی راجہ نہ رانی ہے
نہ شہزادہ نہ شہزادی
محبت کی کہانی تو
مسافت ہی مسافت ہے
محبت کی مسافت میں
مسافر واپسی کے سارے امکاں پاس رکھتا ہے
محبت کی مسافت میں
مسافر کے پلٹنے کا کوئی رستہ نہیں ہوتا
وہ ساری کشتیاں اپنی
جلا دیتے ہیں ساحل پر
کہ ناامید ہونے پر
پلٹنا بھی اگر چاہیں
تو واپس جا نہیں پائیں
وہیں غرقاب ہو جائیں
محبت کی کہانی میں مسافت کی بشارت تھی
مسافت طے ہوئی تو پھر
جلا ڈالی تھیں میں نے بھی
وہیں سب کشتیاں اپنی
جہاں پہلا پڑاؤ تھا
شکستہ جسم تھا میرا
میرے سینے میں گھاؤ تھا
بھڑکتا اک الاؤ تھا
کسی کی چاہ میں سب کچھ لٹا کر
آ گیا تھا میں
کہاں پر آ گیا تھا میں؟
جہاں پہچان کا اپنی
حوالہ ہی نہیں ملتا تھا
حوادث کے تھپیڑوں سے
سنبھالا ہی نہ ملتا تھا
شب تیرہ سے نکلا تھا
اجالوں کی تمنا میں
مگر مجھ کو کسی جانب
اجالا ہی نہیں ملتا تھا
مگر ہمت نہیں ہاری
مگر ہمت نہیں ہاری
یہاں تک آ گیا ہوں میں
جہاں ہر سو اجالا ہے

☆☆☆

کھٹا پلاؤ

اشیاء

چاول	ایک کلو
گوشت	ایک کلو
املی	۱۲۵ گرام
نمک	حسب ذائقہ
ادرک لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
لونگ	چار عدد
ثابت سیاہ مرچیں	ایک کھانے کا چمچہ
بڑی الائچی	دو عدد
دار چینی	ایک عدد
پیاز (درمیانے سائز کی)	دو عدد
ہری مرچیں	چھ عدد کٹی ہوئی
دودھ	آدھا کپ
زردے کا رنگ	تھوڑا سا
لیموں (رس نکال لیں)	دو عدد
تیل	آدھا کپ

ترکیب

چاولوں کو دھو کر بھگو دیں، املی کو بھی پانی میں بھگو دیجئے، پیاز کے باریک لچھے کاٹ لیں، ایک دیگچی میں تیل گرم کرکے اس میں پیاز ڈال کر گولڈن براؤن کرلیں، اب اس میں زیرہ، لونگ، بڑی الائچی، سیاہ مرچیں اور دار چینی ڈال کر بھون لیں۔

اس کے بعد اس میں ادرک، لہسن پیسٹ اور نمک ڈال کر اچھی طرح بھونیں، اس کے بعد گوشت اور کٹی ہوئی ہری مرچیں ڈال کر بھونیں۔

جب گوشت کا پانی سوکھ جائے تو دو کپ پانی ڈال کر ڈھکنا بند کردیں اور پکنے دیں۔

جب پانی خشک ہو جائے اور گوشت گل جائے تو بھگوئی ہوئی املی میں سے بیج نکال کر تمام گودا اور پانی ہنڈیا میں ڈال کر پکنے دیں جب املی کا آمیزہ گاڑھا ہو جائے تو آنچ ہلکی کردیں۔

اب ایک دیگچی میں ایک تہہ چاولوں کی لگائیں اور پھر اس کے اوپر سارا گوشت مصالحے سمیت ڈال دیں، اب آدھی پیالی دودھ میں تھوڑا سا زردے کا رنگ ملائیں اور اسے چاولوں کی اوپری تہہ پر چھڑک دیں اور لیموں کا رس اس پر چھڑک کر دم پر رکھ دیں پندرہ بیس منٹ بعد لذیذ کھٹا پلاؤ گرم گرم سرو کریں۔

چنے کی دال مصالحہ

اشیاء

چنے کی دال	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ۔
کٹی لال مرچیں	ایک چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	دو چائے کا چمچہ
ثابت گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
پیاز (چوپ کرلیں)	ایک عدد
تیل	آدھا کپ
پودینہ، ہری مرچیں	چوتھائی چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
پیاز (سلائس کاٹ لیں)	ایک عدد

ترکیب

دال کو صاف کرکے پانی میں ڈال کر تیس منٹ کے لئے بھگو دیں ایک پتیلی میں دال ڈال

کر اس میں نمک، کٹی لال مرچیں، لہسن، ادرک پیسٹ، ثابت گرم مصالحہ، پیاز اور حسب ضرورت پانی شامل کر کے دال کے گل جانے تک پکائیں، اس کے بعد اس میں پودینہ، ہری مرچیں اور گرم مصالحہ پاؤڈر ڈال دیں۔

فرائنگ پین میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز ڈال کر براؤن کریں اور دال پر اس کی بگھار لگا دیں مزے دار چنے کی دال مصالحہ تیار ہے۔

کڑاہی قیمہ انڈے والا

اشیاء

قیمہ (ہاتھ کا موٹا کٹا ہوا) ایک کلو
ہلدی پاؤڈر آدھا چائے کا چمچہ۔
انڈے (سخت ابلے ہوئے) دو عدد
سرخ مرچ (کٹی ہوئی) ایک کھانے کا چمچہ
ادرک، لہسن پاؤڈر ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹر آدھا کلو
قصوری میتھی ایک کھانے کا چمچہ
ادرک (لمبائی میں کٹی ہوئی) دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا، ہری مرچیں گارنشنگ کے لئے
تیل ڈیڑھ کپ

ترکیب

سوس پین میں تیل گرم کر کے اس میں قیمہ ڈال کر بھونیں، براؤن ہو جانے پر اس میں نمک، کٹی ہوئی سرخ مرچ، ادرک، لہسن پیسٹ، ہلدی پاؤڈر، ادرک، ٹماٹر ڈال کر دھیمی آنچ پر پکائیں۔

انڈوں کے کٹڑے ٹکڑے کر لیں قیمہ گل جائے تو اسے خوب اچھی طرح بھون کر اس میں قصوری میتھی ڈال کر دو منٹ تک بھونیں اب احتیاط سے انڈے مکس کر کے ڈش میں نکال کر ادرک، ہرا دھنیا اور ہری مرچیں ڈال کر گرما گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

فرائیڈ کرسپی چکن

اشیاء

مرغی (درمیانے ٹکڑے کاٹ لیں) ڈیڑھ کلو
انڈے دو عدد
میدہ ایک کپ
نمک حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر حسب ذائقہ
پیپریکا ایک چائے کا چمچہ
خشک ساج آدھا چائے کا چمچہ
سرخ مرچ (کٹی ہوئی) ایک کھانے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ ڈیڑھ چائے کا چمچہ
تیل فرائنگ کرنے کیلئے
پارسلے یا واٹر کریس گارنشنگ کے لئے
سرکہ دو کھانے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

مرغی کے گوشت کو دھو کر ایک پیالے میں ڈالیں اس میں نمک، سرخ مرچ، لہسن، ادرک پیسٹ، سرکہ، ہلدی پاؤڈر، ڈال کر خوب اچھی طرح مکس کر کے دس سے پندرہ منٹ تک اک طرف رکھ دیں۔

اس کے بعد گوشت کو ایک چاول چھاننے والی چھنی میں ڈال کر بیس سے پچیس منٹ کے لئے رکھ دیں تاکہ گوشت کا سارا پانی نکل جائے۔

ایک پلاسٹک بیگ میں سیاہ مرچ پاؤڈر، پیپریکا، خشک ساج ڈال کر مکس کریں گوشت کے ٹکڑوں کو ایک ایک کر کے اس تیار مکسچر میں کوٹ کر کے پہلے سے گرم تیل میں ڈال کر ڈیپ فرائی کریں اور گولڈن براؤن ہونے پر نکال کر کچن پیپر پر رکھ کر اضافی چکنائی جذب کر لیں، اسی طرح ایک ایک کر کے گوشت کے تمام ٹکڑوں کو کوٹ کرتے ہوئے ڈیپ فرائی کر لیں، مزے دار فرائیڈ کرسپی تیار ہے، سرونگ پلیٹ میں رکھیں اور پارسلے یا واٹر کریس سے سجا کر سرو کریں۔

ہرے مصالحے کی بوٹی

اشیاء

گوشت (بوٹیاں بنالیں) آدھا کلو
ہری مرچیں (پسی ہوئی) دس عدد
پودینہ (پسا ہوا) چوتھائی کپ
ہرا دھنیا آدھا کپ
کوکونٹ پاؤڈر دو کھانے کے چمچے
نمک حسب ذائقہ
کچا پپیتا (پیس لیں) دو کھانے کے چمچے
زیرہ ایک چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر آدھا چائے کا چمچہ
سرکہ چوتھائی چائے کا چمچہ
کھانے کا رنگ چند قطرے
لیموں کا رس دو کھانے کے چمچے
تیل تین کھانے کے چمچے

ترکیب

گوشت دھو کر خشک کر لیں، اب اس میں ہری مرچیں، پودینہ، ہرا دھنیا، کوکونٹ پاؤڈر، نمک، پپیتا، زیرہ، لہسن، ادرک پیسٹ، گرم مصالحہ پاؤڈر، سرکہ، کھانے کا ہرا رنگ، لیموں کا رس اور تیل لگا کر دو، تین گھنٹے کے لئے چھوڑ دیں، میرنیٹ کیے ہوئے گوشت کو سیخوں پر لگا کر باربی کیو کر لیں یا سوس پین میں ڈال کر پکا لیں اور بھون کر کوئلے کا دھواں دے دیں، پراٹھے اور چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

اسپائسی چکن ڈرم اسٹک

اشیاء

چکن ڈرم اسٹک آٹھ عدد
ادرک، لہسن پیسٹ دو کھانے کے چمچے
ہلدی پاؤڈر آدھا چائے کا چمچہ
سرخ مرچ پاؤڈر ایک چائے کا چمچہ
نمک حسب ذائقہ
سرکہ آدھا کپ
گرم مصالحہ پاؤڈر آدھا چائے کا چمچہ
لیموں کا رس دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا دو کھانے کے چمچے
ثابت سیاہ مرچیں دو کھانے کے چمچے
تیل حسب ضرورت

ترکیب

ڈرم اسٹک میں ادرک، لہسن پیسٹ، ہلدی پاؤڈر، سرخ مرچ پاؤڈر، نمک، سرکہ اور گرم مصالحہ پاؤڈر ملا کر تین گھنٹے کے لئے میرنیٹ کر کے اسے تیل میں ہلکی آنچ پر فرائی کر لیں۔

جب براؤن ہو جائے اور آدھی گل جائے تو اس میں لیموں کا رس اور ہرا دھنیا ڈال کر پکائیں آخر میں کٹی ہوئی سیاہ مرچیں ڈال کر دو سے تین منٹ پکائیں، کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

☆☆☆

"اعتزاز"

کچھ ناگزیر وجوہات کی بناء پر سدرۃ المنتہیٰ کے ناول "اک جہاں اور ہے" کی قسط اس ماہ شامل اشاعت نہیں، آئندہ ماہ انشاء اللہ یہ قسط شائع ہو گی۔

مئی کے شمارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

ہم جس دور میں سانس لے رہے ہیں وہ تاریخ کا ایسا دور ہے جس میں ہر طرف خوف دہشت کی حکمرانی ہے، ہم ذہنی خلفشار اور بے سکونی کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں، ہر فرد دوسرے سے امیدیں وابستہ کیے بیٹھا ہے، خود کوئی مسیحا بننے کی کوشش نہیں کر رہا، ہر کوئی اپنے ...کو محبتوں کا طالب و تشنہ سمجھتا ہے، آگے بڑھ ...دوسرے سے دل سے محبت کرنے کو تیار نہیں، ...اپنے غم اور دوسروں کی خوشیاں بڑی لگتی ہیں ...دوسروں کے غموں اور اپنی خوشیوں کو ہم بہت حقیر خیال کرتے ہیں کہ ہمیں ہمارا حق نہیں مل رہا، بس یہ ہی مسئلہ ہے حالانکہ حقوق کا پورا ہونا فرائض سے مشروط ہے۔

جب تک ہم دوسروں کے حقوق کا خیال نہیں کریں گے ہمیں حق کہاں ملے گا اور یہ معاشرہ صحت مند مرتبہ ساز، انسانی طرز حیات کا نمونہ کیسے بنے گا۔

دوسروں کے جذبات کا احترام کریں، یہ ہی وہ مقام ہے جہاں انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے، اپنا بہت سا خیال رکھیے گا اور ان کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

آیئے چلتے ہیں آپ کے خطوط کی محفل میں، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کثرت سے کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

یہ پہلا خط ہمیں **حرا فیصل کا راولپنڈی** سے موصول ہوا ہے وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

اپریل کے شمارے کی کیا ہی تعریف کریں، ٹائٹل اچھا لگا، سب کچھ اے ون، حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں دل کو بھا گئیں، "کچھ باتیں ہماریاں" میں سردار محمود صاحب نے ہمیشہ کی طرح اچھا لکھا انشاء نامہ میں، انشاء جی پان کی تعریف کرتے پائے گئے، "اک دن حنا کے نام" میں طیبہ ہاشمی کے شب و روز کے بارے میں پڑھنے کو ملا، اچھا لگا، اس کے بعد پہنچے مکمل ناول کی فہرست میں، سمیرا عثمان کا نام دیکھتے ہی تحریر کی طرف لپکے، واہ سمیرا جی کیا کمال لکھا ہے آپ نے، بہت خوب، کہانی کا تانا بانا بہت زبردست تھا، ہر کردار کے ساتھ آپ نے انصاف کیا اتنی اچھی تحریر لکھنے پر ہماری طرف سے مبارک باد، اس فرمائش کے ساتھ کہ گاہے بگاہے، ایسی طویل تحریریں ہمیں پڑھنے کو دیتی رہیے گا، قارئین آپ کے شکر گزار ہوں گے، اس کے بعد "محبت رائیگاں نہیں جاتی" بشریٰ حنیف کے مکمل ناول میں پہنچے، بشریٰ آپ نے ناول کا عنوان بہت زبردست رکھا، یقیناً آپ حنا میں نیا اضافہ ہیں، اگر یہ آپ کی پہلی تحریر ہے تو آپ تعریف کی حقدار ہیں، اگرچہ ناول میں کہیں کہیں پلاٹ پر آپ کی گرفت ڈھیلی پڑی، پھر بھی پسند آیا اللہ تعالیٰ آپ کو مزید اچھا لکھنے کی صلاحیت عطا

کرے، اس کے بعد ہم بڑھے سلسلے وار ناولوں کی طرف، اُم مریم اور سدرۃ المنتہیٰ، دونوں مصنفین بڑے خوبصورت انداز میں کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں، اُم مریم کا ناول ہر مرتبہ ہی بے پناہ تجسس سے بھرپور ہوتا ہے جبکہ سدرہ جی کا بھی اپنا ہی انداز ہے، دھیما سبک روندی کی مانند، "کچھ کلیاں چند گلاب" فرح طاہر کا ناولٹ خاصا سنجیدہ تھا فوزیہ آپی پلیز آپ مصنفین سے کہیں کہ وہ ایسی تحریریں نہ لکھا کریں جن کو پڑھنے کی بجائے انجوائے کرنے کے ہم افسردہ ہو جائیں، کیا ہی اچھا ہوتا جو فرح چند خوشیاں زینی کے آنچل میں بھی ڈال دیتیں۔

"کاسہ دل" میں سندس جبیں کچھ سست سی ہو گئی ہے دو تین قسطوں سے کہانی کچھ آگے نہیں بڑھ رہی پلیز سندس ہمیں تو آپ کا پرانا والا انداز ہی اچھا لگتا ہے، افسانوں کی تو اس مرتبہ بہار آئی ہوئی ہے، روبینہ سعید اور قرۃ العین ہاشمی کے افسانے بے حد پسند آئے جبکہ شاہینہ اور شمشاد اختر نے بھی اچھی کوشش کی، بلکہ نیا سلسلہ "چٹکیاں" ہمیں بے حد پسند آ رہا ہے۔

مستقل سلسلے میں میرا فیورٹ سلسلہ بیاض اور میری ڈائری ہے، بقیہ سلسلے بھی اچھے ہیں، "کتاب نگر" میں سیمیں آپی کا طرز تحریر بے حد اچھا ہوتا ہے، فوزیہ آپی میں بڑی ہمت کر کے اس محفل میں آئی ہوں کہ آپ مجھے خوش آمدید کہیں گی۔

حرا فیصل ایک مرتبہ نہیں بے شمار مرتبہ اس محفل میں خوش آمدید، اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، مصنفین کو ان سطور کے ذریعے آپ کی پسندیدگی اور مبارک باد پہنچائی جا رہی ہے، ہم آئندہ بھی آپ کی محبتوں اور رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

سارا حیدر: ساہیوال سے محبتوں کے پھول لے کر آئیں ہیں وہ لکھتی ہیں۔

اپریل کا شمارہ خوبصورت ٹائٹل سے سجا ملا، حسب عادت سب سے پہلے حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے دل کو منور کیا، انشاء نامے سے محظوظ ہوئے اور پان کے ذکر پر انہیں داد دیئے بغیر نہ رہ سکے، اس کے بعد جلدی سے "اک دن حنا کے ساتھ" کی طرف بڑھے، طیبہ ہاشمی نے بڑے سنجیدہ مدبرانہ انداز میں اپنے ایک دن کا احوال لکھا، اچھا لگا پڑھ کر، سلسلے وار ناول میں سدرۃ المنتہیٰ کا ناول بڑی دھیمی چال سے آگے بڑھ رہا ہے، کہانی میں اچھی خاصی مسٹری ہے، دیکھیے سدرہ جی گوہر کو ابھی کتنا در بدر پھراتی ہیں اور کون کون سے واقعات سامنے لاتی ہیں، ہمیں تو ھالار کے واپس آنے کا بھی شدت سے انتظار ہے، اُم مریم کی تحریر کے بارے میں کیا کہیں یوں لگتا ہے زینب سے انہیں کوئی ذاتی پرخاش ہے دیکھیں تو کیا حال کر دیا ہے بیچاری کا اور یہ آپ معاذ کو کس سلسلے میں اتنی چھوٹ دے رکھی ہے، وہ جو مرضی کرتا پھرے، سب جائز ہے، اس مرتبہ سمیرا گل طویل تحریر کے ساتھ آئیں اور خوب آئیں بہت زبردست تحریر سمیرا آپ کی، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ چلے، بشریٰ حنیف کا نام دیکھ کر ہم چونکے کوشش کے باوجود نہ یاد نہ آیا کہ پہلے کبھی انہیں پڑھا ہے یا نہیں، ہاں ایک بات تو ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں حنا میں یہ ان کی پہلی تحریر ہے، بشریٰ آپ نے بہت اچھی کوشش کی، ہم آئندہ بھی آپ کی حنا میں اچھی اچھی تحریریں لکھنے کے منتظر رہیں گے، سندس جبیں آپ کی کیا ہی بات ہے "کاسہ دل" میں آپ کی دلچسپی نظر آ رہی ہے ہر کردار پر آپ محنت کرتی ہیں، آپ سے ایک بات کہنی ہے کہ پلیز حبا کو

محبت کرنے کی اتنی کڑی سزا نہ دیں، فرح طاہر کے ناولٹ کا عنوان بے حد پسند آیا، تحریر بھی مناسب تھی، افسانوں میں سب سے بہترین افسانہ روبینہ سعید کا لگا، قرۃ العین ہاشمی اور شاہینہ چندا نے بھی کافی اچھی کوشش کی، آپی یہ کافی عرصے سے فرحت شوکت، امل کاشف، نبیلہ راجہ، شاہدہ ملک، متعالی تاوش اور مدیحہ تبسم وغیرہ کہاں غائب ہیں پلیز آپ ان کو آواز دیں اور پوچھیں نہ وہ کیوں نہیں لکھ رہیں اور یہ عابی ناز کو بھی بلائیں، ہم ان کی ہنستی مسکراتی تحریروں کے شدت سے منتظر ہیں۔

سیمیں کرن آپ کا سلسلہ "کتاب نگر" بڑا زبردست ہے بقیہ مستقل سلسلے اس بار بھی سبھی بہترین تھے، "اک دن حنا کے ساتھ" میں پلیز اُم مریم، سندس جبیں، عابی ناز وغیرہ سے بھی لکھوائیں۔

شگفتہ شاہ کو ہماری خصوصی مبارک باد پہنچا دیں، شگفتہ صاحبہ آپ کی تحریر کی کیا تعریف کریں، پرفیکٹ۔

سارا حیدر پہلے یہ بتاؤ پورا ایک سال کہاں غائب رہی، خیریت تو ہے نہ سب؟ اپریل کا شمارہ آپ کے ذوق پر پورا اترا ہمیں یہ جان کر خوشی ہوئی، جن مصنفین کو آپ نے یاد کیا ہے ان میں متعالی تاوش اب فرحت عمران کے نام سے لکھ رہی ہیں، عابی ناز سے ہماری بات ہوئی ہے انہیں جلد ہی اپنے مخصوص انداز میں تحریر لکھ کر بھیجنے کا وعدہ کیا ہے باقی فرحت اور مدیحہ تبسم، امل کاشف کاروباری زندگی میں کچھ اس طرح معروف ہو گئی ہیں کہ چاہنے کے باوجود بھی لکھنے کا ٹائم نہیں نکال پاتی، انشا اللہ جیسے ہی ان کو فرصت ملی وہ اپنی تحریروں کے ساتھ حنا میں حاضر ہوں گی، انشا اللہ، شگفتہ شاہ بھی مسکرا کر آپ کا شکریہ ادا کر رہی ہیں، قبول کریں، آئندہ جلدی جلدی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

ظل جنت: کی ای میل واہ کینٹ سے موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

اپریل کا شمارہ پسند آیا، ٹائٹل کے سوا، اسلامیات پورے کا پورا پسند آیا، انشاء نامہ اور ایک دن حنا کے ساتھ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سلسلے وار ناولوں کی طرف بڑھے، دونوں لکھاری بہنیں اُم مریم اور سدرۃ المنتہیٰ بڑی اچھی طرح کہانی کو آگے بڑھا رہی ہیں، دونوں ہی مبارک باد کی مستحق ہیں، مکمل ناول دونوں ہی پسند آئے، سمیرا گل تو ہیں ہی ہماری پسندیدہ، بشریٰ حنیف نے بھی کہانی کے ساتھ انصاف کیا، نئی لکھاری ہونے کے باوجود متاثر کر گئیں، ناولٹ بھی دونوں ہی پسند آئے، فرح طاہر نے اچھا لکھا، سندس جبیں آپ لکھتی تو اچھا ہیں لیکن یہ بہت اچھا بھی ہو سکتا ہے اگر آپ رومانوی سین پر اپنا ہاتھ ہلکا رکھیں۔

افسانے بھی اچھے تھے، مستقل سلسلوں میں خوب مقابلہ بازی تھی، ایک سے بڑھ کر ایک، مگر "چھٹکیاں" کی کیا ہی بات ہے، دستر خوان بھی ہر مرتبہ بہترین ہوتا ہے۔

آپی اگر جگہ ملی تو آئندہ بھی حاضر ہوں گی پلیز آپ یہ بتا دیں کہ ای میل کے ذریعے میں تمام سلسلوں میں لکھ سکتی ہوں۔

ظل جنت، آپ کا نام بے حد خوبصورت ہے، لیتے ہی منہ میں مٹھاس محسوس ہوتی ہے، اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، ای میل کے ذریعے آپ صرف خطوط کی محفل میں شرکت کر سکتی ہیں باقی سلسلوں کے لئے تحریر آپ کو پوسٹ کرنی پڑے گی، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہنا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆